اردو ترجمہ

جواہر البحار
فی
فضائل النبی المختار

جلد اوّل

حصہ اوّل

مصنفہ :-

حضرت علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

استاذ العلماء حضرت علامہ مولینا غلام رسول صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائلپور
رئیس التحریر جناب محمد عبد الحکیم صاحب اختر شاہجہانپوری مظہری لاہور

ناشر
مکتبہ حامدیہ - گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب ـــــــ جواہر البحار (اردو ترجمہ)
مصنف ـــــــ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین ـــــــ ۱۔ مولانا غلام رسول شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائلپور
۲۔ اختر شاہجہان پوری مظہری۔ لاہور
کتابت ـــــــ محمد شریف گل
پروف ریڈنگ ـــــــ اختر شاہجہانپوری
مطبع ـــــــ ندرت پرنٹرز۔ لاہور
سن طباعت ـــــــ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء
اشاعت ـــــــ بار اوّل
تعداد ـــــــ ایک ہزار
قیمت ـــــــ روپے

ناشر
مکتبہ حامدیہ ـــ گنج بخش روڈ ـــ لاہور

انتساب

احقر اپنی اس ناچیز کاوش کو سیّدی وسندی، مرشدی ومولائی حضرت مفتیٔ اعظم دہلی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے، کیونکہ یہ اُس سرکار ہی کی نظرِ کرم کا کرشمہ ہے کہ میرے جیسے علمی لحاظ سے بے مایہ اور کوتاہ اندیش سے ایسا علمی کام لے لیا گیا ؎

ذرّے کو جس نے اخترؔ کامل بنا دیا
مرشد مرے پہ رحمتِ پروردگار ہو

اخترؔ شاہجہان پوری مظہری عفی عنہ

فہرس

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

پیش لفظ

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن فلسطین ہے۔ نبہان اہلِ عرب کے ایک خاندان کا نام ہے، اسی وجہ سے آپ نبہانی کہلاتے تھے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: علامہ یوسف بن اسمٰعیل بن یوسف بن اسمٰعیل بن محمد ناصر الدین نبہانی رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ کے والد ماجد ایک جیّد عالمِ دین، صاحبِ تقویٰ و طہارت اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔

علامہ موصوف نے ناظرہ قرآنِ کریم اپنے والدِ ماجد سے پڑھا۔ ۱۲۸۳ھ میں جبکہ آپ عمر کی سترہ منزلیں طے کر چکے تھے تو مزید تحصیلِ علم کی خاطر مصر کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامع ازہر میں داخل کروا دیئے گئے۔ یہاں ساڑھے چھ برس محنتِ شاقہ کی اور پورے انہماک سے علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف رہے۔ آخر علومِ عقلیہ و نقلیہ میں درجہ کمال تک پہنچے تو رجب ۱۲۸۹ھ میں سندِ فراغ حاصل کی۔ یوں تو آپ کے جملہ اساتذہ ہی لائق و فائق تھے لیکن شیخ ابراہیم سقا شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) یگانۂ روزگار تھے۔ موصوف استاذ الاساتذہ اور مرجعِ علماء شمار کئے جاتے تھے۔

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جیّد عالمِ دین اور یگانۂ روزگار کے بطور منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ زبردست اہلِ قلم، صاحبِ تحریر و تقریر، بے بدل مصنف، مایۂ ناز ادیب و شاعر اور ماحیٔ سنت و قاطعِ بدعت تھے۔ ان مذکورہ کمالات پر طرّہ یہ کہ سچے عاشقِ رسول تھے۔ موصوف کی جملہ تصانیف اس امر کا زندہ ثبوت ہیں۔ علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ کافی عرصہ

بیروت میں عہدۂ قضاء پر بھی فائز رہے اور وہاں کی سرکاری لائبریری کے منتظمِ اعلیٰ بھی رہے اس درجہ مصروفیت کے باوجود بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہونے کی سعادت اکثر حاصل کرتے رہتے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایسے عاشقِ صادق تھے کہ اپنے دل کو ہمیشہ محبوب کی قیام گاہ بنائے رکھتے تھے۔

مولانا ابوالنور محمد بشیر مدظلہ، مدیر "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے والدِ ماجد فقیہِ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، قدس سرہٗ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے خلیفہ تھے۔ مولانا نے حضرت فقیہِ اعظم کی زبانی علامہ نبہانی کے متعلق ایک حالیہ مکتوب میں یوں لکھا ہے:۔

"میرے والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں جب حج کرنے گیا (حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ شریفِ مکہ کے دور میں حج کرنے گئے تھے) تو مدینہ منورہ کی حاضری اور زیارتِ گنبدِ خضراء کے شرف سے مشرف ہوتے وقت میں نے باب السلام کے قریب اور گنبدِ خضراء کے سامنے ایک سفید ریش اور انتہائی نورانی چہرہ والے بزرگ کو دیکھا جو قبرِ انور کی جانب منہ کر کے دو زانو بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ میں ان کی وجاہت اور چہرے کی نورانیت دیکھ کر بہت متأثر ہوا اور ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور ان سے گفتگو شروع کی۔ وہ میری جانب متوجہ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں اور آپ کی کتابیں حجۃ اللہ علی العالمین اور جواہر البحار وغیرہ میں نے پڑھی ہیں جن سے میرے دل میں آپ کی بڑی عقیدت ہے انہوں نے یہ بات سن کر سمجھا کہ یہ کوئی خوش عقیدہ اور عالم ہے تو میری طرف محبت سے ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ فرمایا۔ والدِ ماجد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے ان سے عرض کیا حضور! آپ قبرِ انور سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہیں؟ تو رو پڑے اور کہا "میں اس لائق نہیں کہ قریب جاؤں" اس کے بعد میں اکثر ان کی جائے قیام پر حاضر ہوتا رہا اور ان سے سندِ حدیث بھی حاصل کی۔"

وہ مجسّم عشقِ رسول ، بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر ، سراپا التجا بن کر ، زبانِ حال سے یہی کہہ رہا ہوگا :

تیرے سوا خیالِ نبی میں ترے نثار
سمجھا نہ کوئی دیدۂ گریاں کی گفتگو

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی عدیم النظیر تصنیف " الدولۃ المکیہ " پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا عبدالقادر محمد بن سورہ القرشی نے امام احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہما کے متعلق اپنی رائے جن عربی الفاظ میں بیان فرمائی ، ان کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے :

" ہم عصر حسّانِ زماں ، زندہ کنِ سنتِ سردارِ اولادِ عدنان ، محفوظ بہ نبی عدنانی ، معروف شیخ یوسف نبہانی کہ انہوں نے اپنی کتاب " شواہد الحق " میں وہ تنبیہات ذکر فرمائیں کہ ان کے اندر دلوں میں زجر کرنے والے شہاب ہیں تو درحقیقت بلاریب وہ (علامہ نبہانی) اور مصنف رسالہ ہذا (اعلیحضرت) ادائے واجب کے لئے کھڑے ہوتے اور حکم صائب لائے ۔" [1]

اسی طرح مذکورۃ الصدر کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا حسین بن محمد علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت کی ان دونوں یگانۂ روزگار اور سرمایۂ افتخار ہستیوں کے بارے میں یوں لکھا ہے :۔

" اللہ تعالےٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے مؤلف (اعلیحضرت) اور شیخ یوسف نبہانی (رحمۃ اللہ علیہما) کو جنہوں نے ہماری احتیاج کو پورا کیا ۔" [2]

خود علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے مجدّدِ مائۃ حاضرہ قدس سرہ کی تصنیفِ لطیف " الدولۃ المکیہ " پر زوردار تقریظ لکھی ۔ اعلیحضرت امام اہلسنت کے بارے میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا :۔

" اس دفعہ سید عبدالباری سلمہ اللہ تعالیٰ (ابنِ علامہ سید امین رضوان مدنی

---

[1] الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص ۱۳۱ [2] ایضاً ص ۲۷۹ ۔

علیہ الرحمۃ) نے یہ کتاب میرے پاس بھیجی تو میں نے اس (الدولۃ المکیہ) کو شر
سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ ا
کی دلیلیں بڑی قوی ہیں۔ جو ایک امامِ کبیر، علّامۂ اجل کی طرف سے ظاہر ہو سک
ہیں۔ اللہ تعالےٰ راضی رہے اس رسالے کے مصنف سے، اور اپنی عنایتوں
ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے ..... نبی کریم صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب
کے مصنف جیسے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا کرے جو ائمۂ اعلام ہوں، اسلام
کے حامی ہوں، کفار اور ذلیل بدعتیوں کی تردید میں مشغول رہیں۔ ایسے علما بزرگ تر
مجاہد اور دین کی حدود کے محافظ ہیں "۔[1]

بقول اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے خلیفۂ نامدار حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی مد
العالی، علّامہ حضرت یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ کی اہلیہ محترمہ کو چوراسی مرتبہ سرورِ کون و مکان
تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) علّامہ موصوف جو شمعِ رسا
پر پروانہ وار نثار تھے، ان کی حالت و کیفیت کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ علّامہ کی
حسرت آیات کے متعلق حضرت مدنی ہی کا بیان ہے کہ "جواہر البحار" کی تصنیف کے کچھ عر
بعد موصوف کو سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی سرکار
"جواہر البحار" کو بہت پسند فرمایا اور ازراہِ لطف و کرم علّامہ کو سینے سے لگایا۔ علّامہ بارگاہِ رس
میں عرض گزار ہوئے کہ حضور! "اب جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہیں رہی"۔ آخ
اسی حالت میں وصال ہو گیا۔

ایک ستگر در رشید کو علامہ کی زیارت نصیب ہوئی جن سے موصوف نے اپنی وفات ک
واقعہ بیان کیا جو اسی طرح عوام و خواص میں مشہور ہوا۔ حضرت نبہانی علیہ الرحمۃ نے مجددِ مائۃ
حاضرہ قدس سرہ کے دس سال بعد ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی گاؤں اجزم

---

[1] الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی ص ۴۷۷۔

ں ہمیشہ کے لئے محوِ خواب اور آسودۂ استراحت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

۵؎ ابرِ رحمت ان کے مرقد پہ گہر باری کرے
حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

اسلام کے اس مایۂ ناز فرزند، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق اور چودھویں صدی کی نادرِ روزگار ہستی نے قلمی میدان میں ایسی بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں جن کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مجدّدِ مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کے بعد دنیائے اسلام میں علّامہ موصوف اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی تصانیف علومِ دینیہ کے قابلِ قدر اور مایۂ افتخار ذخیرے ہیں۔ اگر علامہ کی قلمی نگارشات کو اعلیحضرت قدس سرہ کے تجدیدی کارنامے کا تکملہ کہہ لیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ فہرست تصانیف حسبِ ذیل ہے :-

۱۔ الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر (چودہ ہزار احادیث کا عظیم ذخیرہ جو تصانیفِ علّامہ میں اعظم و انفع ہے۔)
۲۔ قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین (تین ہزار احادیث کا مجموعہ اور ان پر فاضلانہ حواشی)
۳۔ جواہر البحار فی فضائل نبی المختار (چار ضخیم جلدوں میں فضائل مصطفوی کا عظیم الشان مجموعہ)
۴۔ وسائل الاصول الی شمائل الرسول (اردو ترجمہ آجکل عام دستیاب ہے)
۵۔ قرۃ العین من البیضاوی والجلالین۔
۶۔ شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق۔
۷۔ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین۔
۸۔ انوار المحمدیہ مختصر المواہب اللدنیہ۔
۹۔ افضل الصلوات علی سید السادات۔
۱۰۔ الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المؤمنین۔
۱۱۔ النظم البدیع فی مولد النبی الشفیع۔
۱۲۔ الہمزۃ الالفیہ فی مدح سید الانبیاء۔

۱۳۔ الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین۔
۱۴۔ الاحادیث الاربعین فی امثال افصح العالمین۔
۱۵۔ قصیدۃ سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سعاد۔
۱۶۔ مثال نعلہ الشریف۔
۱۷۔ سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علی سید الکونین۔
۱۸۔ السابقات الجیاد فی مدح سید العباد۔
۱۹۔ خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام۔
۲۰۔ ہادی المرید الی طرق الاسانید۔
۲۱۔ الفضائل المحمدیہ۔
۲۲۔ الورد الشافی۔
۲۳۔ المزدوجۃ الغرآء فی الاستغاثۃ باسماء اللہ الحسنیٰ۔
۲۴۔ المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ۔
۲۵۔ نجوم المہتدین فی معجزاتہ والرد علی اعدائہ اخوان الشیاطین۔
۲۶۔ ارشاد الحیاریٰ فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاریٰ۔
۲۷۔ جامع الثناء۔
۲۸۔ مفرج الکروب۔
۲۹۔ جذب الاستغاثات۔
۳۰۔ احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل۔
۳۱۔ کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء۔
۳۲۔ البرہان المسدد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۳۳۔ دلیل التجار الی اخلاق الاخیار۔
۳۴۔ الرحمۃ المہداۃ فی فضل الصلوٰۃ۔
۳۵۔ حسن الشرعۃ فی مشروعیۃ صلوٰۃ الظہر بعد الجمعہ۔

۳۷۔ التحذیر من اتخاذ الصدر والتقدیر۔
۳۸۔ تنبیہ الافکار لحکمۃ اقبال الدنیا علی الکفار۔
۳۸۔ سبیل النجاۃ۔
۳۹۔ سعادۃ الانام فی اتباع دین الاسلام۔
۴۰۔ القصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ۔
۴۱۔ الرائیۃ الصغریٰ فی ذم البدعۃ ومدح السنۃ الغرا۔
۴۲۔ اتحاف المسلم۔
۴۳۔ تہذیب النفوس فی ترتیب دروس۔
۴۴۔ جامع کرامات الاولیاء۔
۴۵۔ العقود اللؤلؤیہ فی المدائح النبویۃ۔
۴۶۔ الاربعین من احادیث سید المرسلین۔
۴۷۔ الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات۔
۴۸۔ المبشرات۔
۴۹۔ صلوات الثناء علی سید الانبیاء۔
۵۰۔ القول الحق فی مدح سید الخلق
۵۱۔ الصلوات الالفیہ فی الکمالات المحمدیہ۔
۵۲۔ ریاض الجنۃ فی اذکار الکتاب والسنۃ۔
۵۳۔ الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ۔
۵۴۔ جامع الصلوات علی سید السادات۔
۵۵۔ الشرف المؤبد لآل محمد۔
۵۶۔ صلوات الاخیار علی النبی المختار۔
۵۷۔ البشائر الایمانیہ فی المبشرات المنامیہ۔
۵۸۔ کتاب البرزخ
۵۹۔ کتاب الاذکار۔

علامہ موصوف کی تصانیف اکثر و بیشتر ارشاداتِ نبوی کے مجموعے اور فضائل و کمالاتِ مصطفوی کے ذخیرے ہیں۔ علمِ حدیث میں آپ کی نظر بہت وسیع ہے۔ بعض تصانیف ایسی بالغ نظری اور محققانہ شان سے مرتب فرمائی ہیں جن کی نظیر علمائے متاخرین کی تصانیف میں نظر نہیں آتی۔ یہ زورِ تحریر، وسعتِ نظر اور عشقِ رسول کے منہ بولتے لعل و گہر ہیں۔ قلمی نگارشات میں جامی کا سوز و گداز، سعدی کی فصاحت و بلاغت، رومی کا فلسفہ حیات، سیوطی کی علمی جلالت، شیخ سرہندی کی جرأتِ رندانہ اور محقق دہلوی کا علمی تبحر اپنی جھلکیاں دکھا رہا ہے (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

یہاں ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چودھویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے برٹش گورنمنٹ کے زیرِ سایہ علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) کو رئیس المؤرخین منوانے کی مہم بڑے زور شور سے جاری ہو گئی تھی۔ بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد بھی یہ ستم ظریفی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا کیونکہ اسکولوں اور کالجوں کے فیض یافتہ حضرات اس پروپیگنڈے کے مبلغ ہیں اور یہی حضرات حکومت کی مشینری کے پرزے بنا کرتے ہیں۔ موصوف کے دینی نظریات کی معمولی سی وضاحت پیشِ نظر کر کے قارئینِ کرام سے انصاف کا طلبگار ہوں۔

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء) موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:-

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی (مولانا شبلی اعظم گڑھی) یہ بھی سر سید احمد خاں کے قدم بقدم ہی ہیں، سیرت نبوی لکھی ہے جس پہ آج کل کے نیچری فریفتہ ہیں۔" [1]

موصوف نے کتاب "سیرۃ النبی" کو نیچری حضرات کی پسندیدہ لکھا اور علامہ شبلی نعمانی کو سر سید احمد خاں صاحب (المتوفی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) کا مقلد بتایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ نیچریت اور سر سید کے بارے میں عالی جناب تھانوی صاحب کی رائے کیا ہے؟ اس امر کی

---

[1] الافاضات الیومیہ، جلد پنجم، ص ۱۵۲۔

انہوں نے یوں وضاحت فرمائی :۔

"یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد، اعمال، صورت، سیرت سب بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ ان کی رفتار، گفتار، نشست و برخاست، خورد و نوش سب میں دہریت و نیچریت کا رنگ جھلکتا ہے اور ہندوستان میں نیچریت کا بیج سرسید کا بویا ہوا ہے۔" [1]

دوسرے مقام پر اسی سلسلے میں موصوف نے یوں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے :۔

"اس شخص (سرسید احمد خاں) کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے، ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کھل گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں۔" [2]

دار العلوم دیوبند کے سابق صدر اور دیوبندی جماعت کی ممتاز علمی ہستی، علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء) نے علامہ شبلی نعمانی کے بارے میں یوں حکم شرع بیان کیا ہے :۔

و انما ارد علی اعین الناس اذ لیس من الدین ان یغمض عن کافر۔ [3]	میں اس (شبلی) کی بے دینی کا لوگوں کے سامنے رد اس لئے کرتا ہوں کہ دین میں کسی کافر کے کفر کو چھپانا جائز نہیں ہے۔

جمعیۃ العلمائے ہند کے سابق صدر اور دیوبندی حضرات کے مفتی اعظم جناب مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری دہلوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) نے علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے رد میں ایک طویل فتوے جاری کیا تھا جو پہلی دفعہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں تحفہ ہند پریس دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مذکورہ فتوے میں مفتی صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کی مذہبی پوزیشن یوں واضح کی ہے :۔

---

[1] الافاضات الیومیہ جلد ششم ص ۹۸ [2] ایضاً جلد پنجم ص ۸۴ [3] مقدمہ مشکلات القرآن ص ۳۲۔

"جس باخبر شخص نے علامہ شبلی کی تصنیفات پڑھی ہیں، اس پر علامہ کے عقائد و خیالات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔۔۔۔ اصل یہ ہے کہ علامہ نے "الکلام" میں جن عقائد و خیالات کو صراحۃً یا کنایۃً حق مانا ہے وہ زیادہ تر معتزلہ اور فرقِ باطلہ اور ملحدین کے عقائد اور خیالات ہیں اس لئے ان کی تصنیفات کو دیکھ کر اہلِ اسلام کے ہر طبقہ کی مذہبی غیرت میں تموّج پیدا ہوا اور چاروں طرف سے علامہ کے خلاف صدا بلند ہوئی کہ علامہ اہلِ سنت و جماعت سے خارج اور معتزلہ اور ملاحدہ کے ہمنوا بلکہ چودھویں صدی میں ان کی یادگار ہیں لیکن (مولانا شبلی نعمانی) کو کبھی اس دار وگیر کی کچھ پرواہ نہ ہوئی اور وہ برابر اپنے خیالات و عقائد پر جمے رہے اور ان کی اشاعت کرتے رہے۔" [1]

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور تصنیف "الکلام" میں عالم کے قدیم ہونے کی تصریح ان لفظوں میں کی ہے:۔

"ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عالم اجزائے ذی مقراطیسی سے بنا ہے۔ ہم کو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانوں کے ایک فرقہ معتزلہ اور حکمائے اسلام یعنی فارابی، ابنِ سینا اور ابنِ رشد کی رائے ہے" [2]

مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے موصوف کی مذکورہ عبارت پر اپنے فتوے میں یوں تنقید کی ہے:۔

" ناظرین غور فرمائیں کہ علامہ ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے عالم کے قدیم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو مسلمانوں کے فرقہ معتزلہ اور حکمائے اسلام (جن کو علامہ کا فتوے ملحد و زندیق بتا چکا ہے) فارابی، ابنِ سینا اور ابنِ ارشد کی رائے بتاتے ہیں اور اس جہت سے عالم کو خالق کی ضرورت نہ ہونا مان کر صفحہ ۵۵ میں صرف نظامِ عالم قائم رکھنے اور قوانینِ فطرت کا باہمی ارتباط باقی رہنے کے لئے خدا کا وجود مانتے ہیں تو اس میں کیا

---

[1] تواریخ مجددین حزب وہابیہ، مطبوعہ آرمی پریس کانپور، ص ۲۳ - [2] الکلام، ص ۵۴

شبہ رہا کہ علامہ کے نزدیک عالم اور مادہ قدیم ہے بخود علامہ کی تصریح سے بڑھ کر کس دلیل کی حاجت ہے ؟ اب ان مقدمات کو اس طرح ترتیب دیجئے ، علامہ قِدمِ عالم کو تسلیم کرتے ہیں اور جو قِدمِ عالم کو تسلیم کرے وہ ملحد و زندیق ہے ۔" [۱]

اس فتوے میں مفتی صاحب موصوف نے آگے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے :۔

" رہا وجودِ باری کا اقرار ، وہ بھی جیسا آگے چل کر معلوم ہوگا۔ علامہ صرف اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ اسے فطری بتاتے ہیں کہ نظامِ عالم میں ترتیب اور باہمی ارتباط قائم رہے نہ اس طور پر کہ خدا عالم کا خالق ہے اور عالم اس کا مخلوق ہے ۔" [۲]

علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے عقائد و نظریات پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے چنانچہ موصوف یوں رقمطراز ہیں :۔

" ناظرین کو معلوم ہو چکا کہ علامہ کے نزدیک ابن رشد ، ابنِ سینا ، قفال ، جو اُن کے فتوے کے بموجب ملحد و زندیق قرار پا چکے ہیں ، حکمائے اسلام ہیں اور یہی لوگ ان (علامہ شبلی نعمانی) کے علمِ کلام کے ماخذ ہیں اور یہ سب اہلِ سنت و جماعت سے خارج اور ضدِ مقابل ہیں ۔ علامہ ان کے عقائد میں متبع اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں ۔ باوجود اس کے اہلسنت وجماعت سے ہونے کا دعوےٰ یا تو اہلسنت وجماعت کی تعریف معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہے یا دانستہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا ہے اور دونوں صورتوں میں ان کی علمی قابلیت پر نہایت سخت دھبہ آتا ہے ۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے اور دوسری صورت میں اس لئے کہ جس کا علم اس کو دھوکہ بازی اور غلط بیانی سے نہ روکے وہ علم جہل سے بدتر ہے ۔" [۳]

---

[۱] تواریخ مجددین حزب وہابیہ ص ۲۸ ، ۲۹ [۲] ایضاً ص ۳۱ ۔ [۳] تواریخ مجددین حزب وہابیہ ص ۳۱ ، ۳۲

علامہ شبلی نعمانی مصنفِ "سیرۃ النبی" کے عقائد و نظریات کیسے تھے؟ موصوف علم کلام میں کیسے لوگوں کی تقلید کرتے تھے اور علامہ کے بارے میں اکابرِ دیوبند کی رائے کیا ہے، یہ قارئین کرام نے گذشتہ سطور میں ملاحظہ فرما لیا لیکن اس کے برعکس اسلام کے اس بطلِ جلیل خلد آشیانی علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے امتِ محمدیہ کے مایہ ناز اکابر اور مسلّم بزرگانِ دین کی تحقیقاتِ جلیلہ اور بیاناتِ عالیہ سے اپنی مقبولِ بارگاہِ رسالت تصنیف "جواہر البحار" کی چاروں ضخیم جلدوں کو مزیّن کیا ہے، سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات سے متعلق جن بزرگوں کی نگارشات پر "جواہر البحار" کی جلد اوّل مشتمل ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ المتوفی ۵۴۴ھ
۲۔ حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ المتوفی ۲۵۵ھ
۳۔ حافظ ابونعیم اصفہانی علیہ الرحمۃ المتوفی ۴۳۰ھ
۴۔ امام ماوردی علیہ الرحمۃ المتوفی ۴۵۰ھ
۵۔ امام محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۳۸ھ
۶۔ امام فخر الدین عمر الرازی علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۰۶ھ
۷۔ حضرت عمر بن فارض علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۳۲ھ
۸۔ سلطان العلماء عز بن عبد السلام علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۶۰ھ

حالات کا تقاضا ہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)، امام ربانی حضرتِ مجددِ الفِ ثانی سرہندی (المتوفی ۱۰۳۴ھ)، خاتم المحققین حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ)، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) اور خلد مکانی علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ان تصانیفِ عالیہ کو خاص طور پہ زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے منصۂ شہود پہ لایا جائے جو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کی ترجمان ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں برٹش گورنمنٹ کی شطرنج کے مہروں اور خارجیت کے جدید علمبرداروں کی بظاہر خوشنما، دلفریب اور جدید تصانیف

کے ذریعے جو غیر اسلامی اور ایمان سوز جراثیم سرایت کر چکے ہیں ان کا کسی حد تک ازالہ ہو سکے یہ دینِ متین کی بیش بہا خدمت برادرانِ اسلام کی خیر خواہی اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حالات کی ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ ایک اسلامی ملک میں خارجیت کی علمبردار حکومت نے علامہ نبہانی کی تصانیف پر پابندی عائد کی ہوئی ہے کیونکہ یہ کتابیں محبتِ رسول کا درس دیتی ہیں۔ یہ نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کر کے مسلمانوں کے ایمانوں کو تازگی، آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور پہنچاتی ہیں لیکن وہاں کے حکمران طبقے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ان حضرات کے دلوں کو توہین و تنقیصِ رسالت ہی سے تسکین ہوتی ہے۔ اس کے برعکس پاکستان میں بدمذہبوں کی کسی گندی ایمان سوز اور دل آزار کتاب پر بھی کوئی پابندی نہیں ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ جن حضرات سے برٹش گورنمنٹ تخریب دین اور افتراقِ مسلمین کا منحوس کام لیتی رہی اور انہیں مسلمانوں کے خیر خواہ اور پیشوا منوانے کی مہم چلاتی رہی۔ آزاد ہونے کے بعد بھی ہم نے ایسے کھوٹے سکوں کو پہچاننے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ آج تک سکولوں اور کالجوں میں نونہالانِ وطن کو ایسے ہی لوگوں کی تصانیف پڑھاتے اور انہیں کا گرویدہ بناتے چلے آرہے ہیں معلوم نہیں ہمارے حکمرانوں نے قوم کو گمراہوں اور گمراہ گروں کا گرویدہ بلکہ والا و شیدا بنانے میں دنیا و آخرت کی بہتری کا کونسا راز سمجھا ہوا ہے؟ کیا ہمارے مسلّم بزرگوں کی تصانیف نونہالانِ وطن کی تعلیم و تربیت اور ان کے دلوں اور دماغوں کی نشو و نما کے لئے کافی نہیں ہیں؟ بزرگانِ دین کی عقیدت یہی ہے کہ تعظیم و توقیر کے ساتھ ان حضرات کا اتباع بھی کیا جائے، ان کی سچی تعلیمات سے استفادہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے اسی لئے تو باری تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

دوسرے مقام پر یہی حکم ان لفظوں میں دہرایا گیا ہے:-

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ اور اس کے طریقے پر چل جو میری جانب رجوع لایا۔

مالکِ حقیقی نے اپنی عنایتِ بے پایاں سے ہمیں حکم دیا ہے کہ تلاوت و وظائف کے علاوہ ہر نماز میں بھی معبودِ برحق سے یوں دعا مانگا کریں :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ چلا ہمیں سیدھے راستے پر، ان لوگوں

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راستے پر جن پر تیرا انعام ہوا۔

اگر مسلمانوں کی نظر اس حکمِ خداوندی پر رہتی اور اپنے مسلّم بزرگوں سے منسلک رہتے تو علمائے سوء کبھی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکتے اور وہ فرقہ بازی کا چکّر چلا کر قوم کو اتنے گروہوں میں کبھی نہ بانٹ سکتے۔

جواہر البحار چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات پر عدیم النظیر تصنیف ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ اس موضوع پر امتِ محمدیہ کے مایہ ناز اکابر کی تحقیقاتِ جلیلہ پر مشتمل ہے، عربی زبان میں ہونے کے باعث عوام الناس اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا انوار الاسلام صاحب قادری رضوی لائقِ تحسین ہیں جنہیں محبتِ رسول نے اس کی اشاعت پہ آمادہ کیا اور انہوں نے اس ایمان افروز، باطل سوز تصنیف کے اردو ترجمے کا کام مولانا غلام رسول قادری رضوی مدظلہ العالی اور اس ناچیز سے لیا۔ احقر نے اس صحیفۂ محبت کی روح کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام فروگزاشتوں سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔ باری تعالیٰ شانہٗ اپنے عاجز بندوں کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور اسے ہمارے لئے توشۂ آخرت اور سرمایۂ نجات بنائے، آمین یا الٰہ العٰلمین بجاہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

خاکپائے علماء، عبد الحکیم خاں اختر

شاہجہانپوری، مجددی، مظہری

دار المصنفین لاہور

یکم رجب المرجب ۱۳۹۴ھ

۲۲ جولائی ۱۹۷۴ء

۲۰ - ۲۸

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین الذی
اختار سیدنا محمدا صلی
اللہ علیہ وسلم من الخلق اجمعین
وارسلہ رحمۃ للعلمین و
جعل من جملۃ امتہ الانبیاء
والمرسلین اذ اخذ علیہم المیثاق
بالایمان بہ وبنصرتہ وقال
اشھدوا وانا معکم
من الشاھدین صلی اللہ
علیہ وسلم وعلی
الھم وصحبھم اجمعین
ومن تبعھم باحسان
الی یوم الدین۔

سب تعریفیں ایک اللہ کے لئے جو سب
جہانوں کا پالنے والا ہے جس نے ساری
مخلوق میں سے ہمارے آقا و مولیٰ محمدؐ
رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو
برگزیدہ کیا اور انہیں سب جہانوں کے
لئے رحمت بنا کر بھیجا اور انبیاء و مرسلین
تک کو ان کی امت کے زمرے میں شامل
فرمایا کیونکہ انبیاء کرام سے ان پر ایمان
لانے اور ان کی مدد کرنے کا پکا وعدہ
لیا اور فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ
بن جاؤ اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اللہ
تعالےٰ اپنے محبوب پر قیامت تک درود
سلام بھیجے اور سارے انبیاء پر اور ان
کے جملہ آل واصحابؓ اور جنہوں نے بخوبی
ان کی پیروی کی۔

امّا بعد شفاعت کے علمبردار، نبی آخر الزمان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات
اور ان کے عظیم الشان منصب کی تشہیر میں یہ مجموعہ نادرِ روزگار ہے۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد و محاسن جو کچھ کتاب و سنت اور ائمہ شریعت و طریقت کی تصانیف عالیہ میں

وارد ہوئے میں نے ان کا اکثر حصہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہاں آپ کے کتنے ہی معجزات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ شمار سے باہر ہیں۔ علاوہ بریں میں نے اپنی دوسری تصنیف[1] میں معجزات پر شرح وبسط سے لکھا ہے بایں ہمہ اس کتاب کو معجزات کے بیان سے بالکل خالی بھی نہیں رکھا کیونکہ ذکرِ معجزات سے نبوت کے دلائل واضح ہوتے ہیں اور یہ کتنی مفید بات ہے۔ اس مجموعے میں اکابر عارفین اور ائمۂ دین کے اہم فوائد نقل کر کے اسے جواہر البحار فی فضائل النبی المختار کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

اس لحاظ سے یہ کتنا مبارک مجموعہ ہے کہ اس میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے فضائل وکمالات بیان کئے ہیں جو اس شرح وبسط سے آج تک کسی تصنیف میں نہیں لکھے جا سکے۔ دریں ایام ایمان والوں کے لئے یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔ علم وعرفان کے سمندروں سے بہترین جواہرات حاصل کر کے اس میں جمع کر دیئے ہیں جو اکابر امت نے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اپنے مشاہداتِ عرفانیہ سے حاصل کئے تھے۔ بزرگانِ دین نے آپ کے فضائل وکمالات کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی صحت وحقانیت میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ انہوں نے قرآن و حدیث اور کشفِ صریح کو ماخذ اور سند بنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین کے بعد منصبِ رسالت کو حضرات اولیاءِ کرام زیادہ جانتے پہچانتے ہیں اُسی طرح جیسے وہ باقی کائنات سے بڑھ کر عارف باللہ ہوتے ہیں حالانکہ باری تعالیٰ شانہٗ کے مخصوص کمالات سے تو کوئی بھی متصف نہیں ہو سکتا۔

بزرگانِ دین کی غیر متعلق اور کتاب کے مزاج سے مناسبت نہ رکھنے والی عبارتوں کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ تصوف کی اصطلاحات پر مبنی ہیں اور ان کا سمجھنا ہم جیسے لوگوں کے بس کا روگ نہیں، نیز ان عبارتوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے دقیق ہیں اور بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہیں اگرچہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ ایسی اکثر عبارتیں فتوحاتِ مکیہ میں ہیں اور ان سے بھی زیادہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف "انسانِ کامل" اور

---

[1] حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کا اشارہ اپنی تصنیفِ لطیف "حجۃ اللہ علی العالمین" کی طرف ہے ۱۲ اختر شاہجہانپوری

کمالاتِ الٰہیہ میں موجود ہیں۔ ان کی بعض عبارتیں صوفیہ کے اس کلام سے بھی عجیب و غریب ہیں جن پر فقیر مطلع ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان پر اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور یہ گمان رکھیں کہ ان عبارتوں کا ظاہر مفہوم جو مخالفِ شرع معلوم ہوتا ہے وہ ہرگز ان کی مراد نہیں کیونکہ شیخ عبد الکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام مناوی اور عارفِ نابلسی رحمۃ اللہ علیہما جیسے اکابر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وہ منفرد عارف تھے۔

ایمان والوں کو یہ تصنیف (جواہر البحار) مبارک ہو یہ مجموعہ اپنی شان کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے کیونکہ محاسن پر مشتمل اور ہر خیر و خوبی سے مزین ہے۔ اس میں فضائلِ نبویہ کے ایسے جواہر جمع کئے ہیں جو خوبصورت ہاروں کے موتیوں کو شرمندہ کرتے ہیں۔ حقائق و عرفان کے زخّار سمندروں سے فضائلِ نبویہ کے روشن جواہر کا استخراج کیا ہے۔ اکابرینِ امت نے جو کچھ آپ کی تعریف و توصیف میں لکھا اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کر کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جو دل و دماغ کو روشن اور منور کرتے ہیں۔ ان حضرات نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اپنی اپنی معلومات کے تحت کی ہے حالانکہ آپ کے فضائل و کمالات کی حقیقت کا ادراک کوئی انسان نہیں کر سکتا۔

اے طالبِ حقیقت! تیرے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے حبیب اور خلاصۂ کائنات ہیں ان کے بارے میں جمیع منقولات کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندے اور رسول ہیں اس کے بعد نبی آخر الزمان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں جتنا تو چاہے مبالغہ کر سکتا ہے کیونکہ جتنے اوصافِ حسنہ سے وہ متصف ہیں تو مبالغے کے باوجود بھی انہیں بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو غریقِ رحمت کرے جنہوں نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:-

دعْ ما ادعتہ النصاری فی نبیہم[1]

واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

---

[1] ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعویٰ (الوہیت) کیا اسے چھوڑ کر جو چاہے حضور کی مدح و ثنا کر اور رشن ۱۲

وارد ہوئے ہیں میں نے ان کا اکثر حصہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہاں آپ کے کتنے ہی معجزات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ شمار سے باہر ہیں۔ علاوہ بریں میں نے اپنی دوسری تصنیف[1] میں معجزات پر شرح وبسط سے لکھا ہے بایں ہمہ اس کتاب کو معجزات کے بیان سے بالکل خالی بھی نہیں رکھا کیونکہ ذکرِ معجزات سے نبوت کے دلائل واضح ہوتے ہیں اور یہ کتنی مفید بات ہے۔ اس مجموعے میں اکابر عارفین اور ائمۂ دین کے اہم فوائد نقل کر کے اسے جواہر البحار فی فضائل النبی المختار کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

اس لحاظ سے یہ کتنا مبارک مجموعہ ہے کہ اس میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے فضائل وکمالات بیان کئے ہیں جو اس شرح وبسط سے آج تک کسی تصنیف میں نہیں لکھے جا سکے۔ دریں ایام ایمان والوں کے لئے یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔ علم وعرفان کے سمندروں سے بہترین جواہرات حاصل کر کے اس میں جمع کر دیے ہیں جو اکابر امت نے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اپنے مشاہداتِ عرفانیہ سے حاصل کئے تھے۔ بزرگانِ دین نے آپ کے فضائل وکمالات کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی صحت وحقانیت میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ انہوں نے قرآن، حدیث اور کشفِ صریح کو ماخذ اور سند بنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین کے بعد منصبِ رسالت کو حضرات اولیاءِ کرام زیادہ جانتے پہچانتے ہیں اُسی طرح جیسے وہ باقی کائنات سے بڑھ کر عارف باللہ ہوتے ہیں حالانکہ باری تعالےٰ شانہٗ کے مخصوص کمالات سے تو کوئی بھی متصف نہیں ہو سکتا۔

بزرگانِ دین کی غیر متعلق اور کتاب کے مزاج سے مناسبت نہ رکھنے والی عبارتوں کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ تصوف کی اصطلاحات پر مبنی ہیں اور ان کا سمجھنا ہم جیسے لوگوں کے بس کا روگ نہیں، نیز ان عبارتوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے دقیق ہیں اور بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہیں اگرچہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ ایسی اکثر عبارتیں فتوحاتِ مکیّہ میں ہیں اور ان سے بھی زیادہ شیخ عبد الکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف "انسانِ کامل" اور

---

[1] حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کا اشارہ اپنی تصنیفِ لطیف "حجۃ اللہ علی العالمین" کی طرف ہے ۱۲ اختر شاہجہانپوری

کمالاتِ الٰہیہ ہیں موجود ہیں۔ ان کی بعض عبارتیں صوفیہ کے اس کلام سے بھی عجیب وغریب ہیں جن پر فقیر مطلع ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان پر اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور یہ گمان رکھیں کہ ان عبارتوں کا ظاہر مفہوم جو مخالف شرع معلوم ہوتا ہے وہ ہرگز ان کی مراد نہیں کیونکہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام مناوی اور عارفِ نابلسی رحمۃ اللہ علیہما جیسے اکابر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وہ منفرد عارف تھے۔

ایمان والوں کو یہ تصنیف (جواہر البحار) مبارک ہو یہ مجموعہ اپنی شان کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے کیونکہ محاسن پر مشتمل اور ہر خیر وخوبی سے مزیّن ہے۔ اس میں فضائل نبویہ کے ایسے جواہر جمع کئے ہیں جو خوبصورت ہاروں کے موتیوں کو شرمندہ کرتے ہیں حقائق وعرفان کے زخّار سمندروں سے فضائلِ نبویہ کے روشن جواہر کا استخراج کیا ہے۔ اکابرینِ امت نے جو کچھ آپ کی تعریف وتوصیف میں لکھا اس کے عقلی ونقلی دلائل پیش کرکے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جو دل ودماغ کو روشن اور منوّر کرتے ہیں۔ ان حضرات نے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اپنی اپنی معلومات کے تحت کی ہے حالانکہ آپ کے فضائل وکمالات کی حقیقت کا ادراک کوئی انسان نہیں کرسکتا۔

اے طالبِ حقیقت! تیرے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے حبیب اور خلاصۂ کائنات ہیں ان کے بارے میں جمیع منقولات کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندے اور رسول ہیں اس کے بعد نبی آخر الزمان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں جتنا تو چاہے مبالغہ کرسکتا ہے کیونکہ جتنے اوصافِ حسنہ سے وہ متصف ہیں تو مبالغے کے باوجود بھی انہیں بیان نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو غریقِ رحمت کرے جنہوں نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

دعْ[1] ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیہم

واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

---

[1] ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعویٰ (الوہیت) کیا اسے چھوڑ کر جو چاہے حضور کی مدح وثنا کر اور حسن ۱۲

وانسب الیٰ ذاتہ ماشئت من شرف[1]

وانسب الیٰ قدرہ ما شئت من عظم

فان فضل رسول اللّٰہ لیس لہ

حدّ فیعرب عنہ ناطق بفم

جاننا چاہیے کہ بزرگانِ دین کی بعض عبارتوں میں آیات واحادیث اور معانی مذکورہ کا تکرار ہے ۔ میں نے ایسی عبارتوں کو دو یا اس سے زیادہ مقامات پر اسی طرح رکھا ہے ۔

مثلاً ایک عبارت یہ ہے :

روحہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھی ام الارواح وحقیقتہ اصل الحقائق وھو ابو ادم من حیث الروح وادم ابوہ من حیث الجسم وھو اول النبیین فی البطون وخاتمھم فی الظھور وھو سلطانھم الاعظم وھم نوابہ فیمن بعثوا الیھم من الامم وکلھم صلوات اللّٰہ علیہ وعلیھم لو وجدوا فی مدتہ لکانوا من جملۃ امتہ (ص ۳)	فخرِ دو عالم صلے اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلم کی روحِ مقدس ام الارواح اور آپ کی حقیقت جملہ حقائق کی اصل ہے ۔ وہ روح کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کے بھی باپ ہیں اور جسم کے لحاظ سے آدم علیہ السلام آپ کے باپ ہیں آپ باطن کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے آخری ، آپ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سلطانِ اعظم ہیں اور وہ آپ کی ماتحتی میں گویا نواب ہیں جو اپنی اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے ۔ اگر انبیائے کرام اپنے اپنے دورِ تبلیغ میں آپ کو

---

[1] ترجمہ : جس شرف کی چاہے ان کی ذات کی طرف نسبت کر اور ان کی بھشان کو جس عظمت سے چاہے منسوب کر کیونکہ فضائلِ سید المرسلین کی ایسی حد نہیں ہے جسے کوئی بیان کر سکے ۱۲ اختر شاہجہانپوری

ظاہری لحاظ سے پاتے تو امّت
وسطے کے زمرے میں شامل ہونے صلوات

اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

یہ معانی ان لفظوں میں یا دوسرے الفاظ میں بار بار مذکور ہوئے ہیں تکرار کے باوجود میں نے ایسے مکرّرات کو حذف نہیں کیا کیونکہ ایسی حسین وجمیل عبارتوں کی صورت کو مسخ کرنا میں نے پسند نہ کیا اور ایسا کیونکر کرتا جب کہ یہ سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ کی حامل ہیں۔ ان میں شرف والے معانی اور مقدس اوصاف ہیں جن کا جتنا تکرار کیا جائے میٹھا اور خوشبودار معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کسی ماہرِ فن شاعر نے کہا ہے ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ
ھو المسک ما کررتہ یتضوع[1]

اسی طرح جب اس کتاب میں جمع شدہ تمام جواہر حسن وخوبی والے ہیں، جو علم وعرفان کے سب سے بڑے سمندروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جن کا رنگ ایک جیسا ہے اور بعض کا موتیوں اور مرجان کے رنگوں کی مانند مختلف رنگ ہے، میں نے انہیں بغیر کسی ردوبدل کے شایانِ شان طریقے سے سجادیا اور یہ پسند نہ کیا کہ ان میں میری جانب سے کوئی نقصان واقع ہو۔ اب وہ قارئین کے سامنے مختلف اسالیبِ بیان اور متعدد انداز سے صادر ہوں گے جو مختلف علمائے کرام اور اولیائے عظام کی زبانوں سے ظاہر ہوئے ہیں اس سے ایک دوسرے کی تصدیق ہو گی جس سے ایمان اور یقین کی زیادتی حاصل ہوتی ہے۔

علاوہ بریں یہ کتاب رسائل کا مجموعہ ہے اس میں ہر امام کا کلام جمع کیا ہے یا جو کچھ انہوں نے کسی دوسرے امام سے ذکر کیا ہو۔ اسطرح مختلف حضرات کا کلام ایک کتاب میں جمع ہو جانے سے عاشقِ رسول کی مراد پوری ہو جائے گی۔

اس کتاب میں بعض مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک بزرگ کا کلام نقل کرتے ہوئے

---

[1] ترجمہ:۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بار بار ذکر کرو کیونکہ وہ مشک کی مانند ہے اسے جتنا بکھیریں خوشبو آتی ہے ۱۲ اختر

مناسبت کے لحاظ سے کسی دوسرے بزرگ کی کوئی عبارت بھی نقل کر دی۔ اس اعتبار سے ہر ایک کی نگارشات مل کر ایک مستقل تصنیف بن گئی۔ یوں ایک کے کلام کو دوسرے کے لفظوں میں ادا کرنا تکرار نہیں کہلائے گا۔

ہاں بعض حضرات کے کلام میں تکرار ضرور ہے جیسے محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے کلام میں نظر آئے گی، یہ ان کی نگارشات کا ایک باب کے تحت جمع ہونے کے باعث ہوا حالانکہ اس کتاب میں وہ متفرق ہیں، ایسا ابواب کی مناسبت سے کیا گیا ہے پس حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اس سے بری الذمہ ہیں اور یہ اعتراض مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

اے صاحبِ ایمان! حبیبِ خدا (جل جلالہ و صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کو بارگاہِ خداوندی میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور جس کا اولیاء اللہ نے علیٰ قدرِ مراتب مشاہدہ کیا ہے اس کے حسبِ حال اوصافِ عظیمہ کو مبالغہ نہ سمجھنا کیونکہ جو ہستی ساری کائنات سے ممتاز ہو یہ اوصاف اس کے منصب سے بڑھ کر نہیں ہیں حالانکہ وہ فخرِ آدم و بنی آدم ہیں، جملہ بندگانِ خدا کے سردار اور اللہ رب العزت کو سب سے پیارے ہیں[1]۔ اللہ جل شانہٗ کے سوا ان سے اوپر کوئی باکمال نہیں۔ ایسے اوصافِ عظیمہ اور کمالاتِ عالیہ کے باوجود وہ باری تعالیٰ شانہٗ کے مقدورات سے خارج نہیں ہیں۔ جملہ اہلِ ایمان کے نزدیک جو آپ کا مسلّمات مقام ہے۔ یہ سارے بیانات اسی رفعت کی تفصیلات و شروح ہیں۔ ان کی بنیاد ان مکاشفات اور مشاہدات پر بھی ہے جس کا ان اکابر نے مشاہدہ کیا جن کی ارواح دنیوی آلائش سے پاک ہو چکی تھیں پس انہوں نے چشمِ بصیرت سے ایسے بعض اسرار و انوار دیکھے جن کا ظاہری آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں اگرچہ ہم نے ان حضرات کو مشاہدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن اپنے مشاہدات کی بناء پر انہوں نے جو اعتقاد رکھا ہم بھی اسے درست تسلیم کر کے دولتِ ایمان میں ان کے برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔ شانِ رسالت کے بارے میں اکابر اولیاء اللہ کے معتقدات یہ ہیں:-

---

[1] مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جتنا مرے خدا کو ہے میرا نبی عزیز ۔۔۔ کونین میں کسی کو نہ ہوگا کوئی عزیز

انه صلى الله عليه و	فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
سلم افضل خلق الله	اللہ تعالےٰ کی ساری مخلوق سے
واعلاهم منزلة عند	افضل ہیں اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک
الله وان النور الاعظم	آپ کا مقام سب سے بلند ہے آپ
السارى فى جميع	کا نور سارے انوار سے ممتاز اور جملہ
الموجودات والاصل المقدم	موجودات میں جاری و ساری ہے
الذى تفرعت عنه جميع	جو تمام افرادِ عالم کی اصل اور سب سے
الكائنات۔	مقدم ہے جس سے ساری کائنات
(ص۸)	نے وجود کا لباس پہنا ہے۔

ان مطالب پر عنقریب ان حضرات کے کلام میں عقلی اور نقلی دلائل بیان ہوں گے جن سے دل باغ باغ ہو جاتے ہیں اور جن کی نورانیت شمس و قمر سے بھی فائق ہے۔ جن حضرات کا کلام اس مجموعے میں منقول ہے وہ معرفت کے ماہتاب ہیں اور آفتابِ کمال سے اقتباس کرنے والے ہیں۔ احسان کے ایسے سمندر ہیں جو افضالِ نبوی کے فیض اور آپ کے محیط فضل سے استمداد کرتے رہتے ہیں پس ان بزرگوں نے جو کچھ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی ہے چونکہ وہ آپ ہی کے فیضان سے ہے جو آپ کی جانب لوٹائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان حضرات کا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے مثلاً ؎

كالبحر يمطره السحاب وماله[1]

منّ عليه لانه من مائه

اکابر کے فرمودات جو اس مجموعے میں نقل کئے گئے ہیں ان کی ابتدا میں نے امام المحدث، محقق ابو الفضل قاضی عیاض رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نگارشات سے کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب الشفاء تصنیف کے ذریعے بیمار دلوں کو شفائے کاملہ سے ہمکنار کیا ہے اور اس میں اہلِ ایمان کے لئے

---

[1] (ترجمہ) جیسے سمندر پر بادل برستا ہے لیکن بادل کا سمندر پر کوئی احسان نہیں کیونکہ یہ پانی تو اس کا اپنا ہے ۱۲ اختر

حبیبِ پروردگار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے محاسن و محامد کے بابیچے لگاتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ فضائلِ رسول بیان کرنے میں یکتا اور ان کی یہ تصنیف اپنے فن میں بے مثال ہے اور اس کے باعث انہیں اپنے بعد والوں پر فضیلت و فوقیت ہے غالباً انہیں بلحاظِ زمانہ بھی اولیت حاصل ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے علم و عرفان کی شہرت میں انگشت نمائی کی ہو۔ اکابر کے فرمودات نقل کرتے وقت میں نے فوائدِ حسنہ کی قلت و کثرت کا لحاظ نہیں رکھا اگر میں اس کا لحاظ رکھتا تو شیخِ اکبر و غوثِ زماں حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کو ان جملہ ائمہ کرام پر فوقیت دیتا حالانکہ ان تمام حضرات نے حبیبِ خدا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کرنے کی خدمت کا وافر حصہ پایا ہے۔ یہ علم کے سمندروں کے جواہرات سے اہلِ ایمان کے گوشِ ہوش مزین کرنے اور سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ و اکمل التحیۃ کے محبین کی ارواح کو معطر کرنے کا وقت ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ فضائل و کمالاتِ محمدیہ کو زیادہ سے زیادہ نشر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان صاحبانِ علم و فضل پر بارانِ رحمت نازل فرمائے جو اسے قبولیت کی نظر سے دیکھیں نیز مجھے اور انہیں نام نہاد مدعیانِ اسلام کے شر سے مامون رکھے۔ اب میں اپنی منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فضلِ اعظم سے استمداد کرنے والے سمندروں سے ایک، قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) ہیں۔

امامِ کبیر و محدّثِ شہیر

ابوالفضل قاضی عیاض رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

مقامِ مصطفیٰ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) کے جواہرِ فرمودات سے ان کی تصنیف "کتاب الشفاء" ہے۔ اس کی القسم الاول نبی مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے بڑھ کر تعظیم و توقیر اور آپ کی قولی و فعلی قدر و منزلت پر مشتمل ہے جس شخص کو علم و فہم سے تھوڑا سا بھی حصہ ملا ہو اس پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے کس درجہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قابلِ تعظیم و توقیر ٹھہرایا ہے اور ایسے بیشمار فضائل و کمالات اور محامد و محاسن سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف آپ ہی کا حصہ ہیں اور اس عظیم الشان منصب کے لحاظ سے آپ کی قدر و منزلت بیان کرنے سے زبانیں اور قلمیں تھک کر رہ جاتی ہیں۔

فضائلِ مصطفےٰ سے بعض وہ امور جن کی باری تعالےٰ شانہ نے اپنی کتاب میں تصریح فرمائی ہے اور اس جلیل نصاب میں جن پر متنبہ فرمایا ہے اور جن آداب و اخلاق پر آپ کی تعریف و توصیف کی ہے اور اپنے بندوں کو ان کے التزام و اتباع پر ابھارا ہے۔ اللہ جل جلالہٗ نے اپنے اس فضل و کرم کے باعث ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ساری مخلوق سے مقدم و ممتاز کیا، پاک صاف فرمایا پھر آپ کی مدح و ثنا کی اور کامل جزا عنایت فرمائی کیونکہ باری تعالےٰ شانہ ہی اول و آخر فضل و کمال کا مالک ہے اور دنیا و آخرت میں اسی کی حمد و ثنائے حقیقی ہے اور اسی نے اپنی مخلوق میں سے آپ کو جلالت و کمال کے انتہائی مقام پر فائز کیا اور محاسنِ جمیلہ و اخلاقِ حمیدہ اور کرامت والے دین اور بے انتہا فضائل سے آپ کو خصوصیت بخشی۔ ظاہر معجزات، واضح براہین اور روشن کرامات سے آپ کی تائید فرمائی جس کا معاصرین نے مشاہدہ اور اہلِ علم نے ادراک کیا اور بعد

والوں تک ان کا یقینی علم پہنچا جس کے باعث ان کی حقیقت پر مطلع ہو کر آپ کے انوار سے ہم بھی فائز ہوئے۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ شبِ اسریٰ میں نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لگام اور زین سمیت براق لایا گیا جو سواری کے وقت اچھلنے لگا تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ تو سرورِ کائنات صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں ایسی حرکت کرتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو باری تعالیٰ شانہ کے نزدیک ان سے زیادہ معزز ہو۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب الشفاء کی القسم الاول کے پہلے باب میں اس امر کا تذکرہ کیا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی مدح و ثنا میں فرمایا اور باری تعالیٰ شانہ کے نزدیک جو سرورِ کون ومکاں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت ہے اس کا اظہار کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ کلام الٰہی میں ایسی آیاتِ کثیرہ ہیں جو مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل پر مشتمل اور آپ کے محاسن ومحامد تعظیم امر اور قدر منزلت کو بیان کرتی ہیں ہم ان کے ظاہری مفہوم ومطلب پر اعتماد رکھتے ہیں جو سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔ ہم نے اس بیان کو دس فصلوں میں جمع کر دیا ہے، ہر فصل کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔ پھر جو اس کے مناسب تھی وہ تفسیر اور مزید فوائد کا اضافہ کر دیا ہے۔ میں ان بیانات کو مفید اقتصار کے ساتھ مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے اس آیت کا ذکر ہے جو باری تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	بیشک تمہارے پاس تشریف لائے
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ	تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ	میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے

رَّحِيْمٌ ۝ | نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

بعض نے اس اَنْفُسِكُمْ کی "فا" کو مفتوح پڑھا ہے جبکہ جمہور کی قرأت ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس آیہ کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالٰی نے مومنوں کو بتایا ہے کہ اس نے اپنے اس عظیم الشان رسول کو ان کے نفوس ہی میں مبعوث فرمایا ہے جسے وہ اچھی طرح جانتے اور اس کا مرتبہ پہچانتے ہیں۔ اس کی صداقت و امانت سے واقف ہیں اور اسے جھوٹ سے متہم نہیں کر سکتے، علاوہ بریں عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ولادت یا قرابت کا تعلق نہ ہو۔

اَنْفُسِكُمْ کی دوسری قرأت یعنی بفتح الفاء کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں شرف و رفعت و فضیلت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر خوبی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد اللہ تعالٰی نے اوصافِ حمیدہ اور محامدِ کثیرہ کے ساتھ اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی جن میں سے ایک وصف یہ ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ لوگ رشد و ہدایت سے بہرہ مند ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور ہر وہ بات آپ پر گراں گزرتی تھی جس میں اُن کے لئے دنیا و آخرت میں خسارہ ہو، ایسی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور مسلمانوں پر آپ کی چشم عنایت اور نگاہِ مرحمت رہتی تھی۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ باری تعالٰی شانہ نے اپنے اسمائے حسنٰی میں سے دو اسم یعنی "رؤف و رحیم" بھی اپنے محبوب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو عنایت فرمائے ہیں مثلاً ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ	مسلمانوں پر کہ ان میں اُنھیں میں سے

ملہ پ ۱۱، سورہ توبہ، آیت ۱۲۸

اَنْفُسِهِمْ[۱]	ایک رسول بھیجا۔

دوسری آیت میں ہے :

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ[۲]	وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

ایک اور مقام پر ہے :

كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ الآیۃ[۳]	جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول۔

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے من انفسکم کی تفسیر میں حسب[۴] ونسب اور صہر یعنی سسرال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میرے آباء واجداد میں سے کوئی بھی زنا سے پیدا نہیں ہوا بلکہ سب نکاح کے ذریعے پیدا ہوئے۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی پانچسو امہات کے حالات معلوم کئے لیکن کسی میں زنا اور جاہلیت کا کوئی اثر نہیں پایا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے ارشاد خداوندی وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سرورِ کون ومکان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا نور ایک نبی سے دوسرے نبی کی جانب منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ نبی مبعوث ہوئے۔

---

[۱] پ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۶۴ [۲] پ ۲۸، س جمعہ، آیت ۲ [۳] پ ۲، س بقرہ، آیت ۱۵۱

[۴] پہلی تفسیر کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ میرا محبوب بلحاظ حسب ونسب اور صہر تم میں سے ہے لیکن دوسری تفسیر کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا محبوب حسب ونسب اور صہر کے اعتبار سے تم میں سب سے فضل وشرف والا ہے ۱۲

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر اپنی مخلوق کا اطاعت میں عجز ظاہر ہے، انہیں ان پر مطلع کرنا منظور تھا کہ وہ براہِ راست بارگاہِ خداوندی سے کسبِ کمال نہیں کر سکتے اس لئے باری تعالےٰ شانہ نے خالق ومخلوق کے درمیان ایک ایسی ہستی کو رکھا جو برزخ کبریٰ کا کام دے۔ اسے انسانی شکل وصورت میں پیدا فرمایا لیکن اپنی حکمتِ کاملہ سے اسے رأفت ورحمت کا لباس پہنا کر مخلوق کی جانب اسے ایسا کامل ومکمل نمائندہ بنا کر بھیجا کہ اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی موافقت کو اپنی موافقت ٹھہرایا، جیسا کہ خود فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ[1] نیز ارشادِ خداوندی ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[2]۔

ابوبکر بن طاہر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا اور آپ کو رحمت کا ایسا پُتلا بنایا ہے جس کی جملہ عادات وصفات مخلوقِ خدا کے لئے بارانِ رحمتِ خداوندی ہیں۔ جسے اس سرکار سے تھوڑی سی بھی رحمت کی بھیک مل گئی وہ دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہوا یعنی ہر مصیبت سے نجات پا گیا اور دارین میں اپنی مراد کو پہنچے گا۔

جانِ برادر! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ باری تعالےٰ شانہٗ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ حضور پُر نور شافع یوم النشور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات وممات دونوں ہی رحمت ہیں۔ فرمانِ نبوی ہے کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا وصال فرمانا بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اسی کے مطابق فرمانِ رسالت ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی امت پر رحمت فرمانا چاہتا تو اسکے ختم ہونے سے پہلے نبی کو قبض کر لیتا ہے تا کہ وہ امت کی بخشش کے لئے مقدمہ اور ذخیرہ بن جائے۔

---

[1] جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (پ ۵، سورہ نساء، آیت ۱۹)

[2] اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔ (پ ۱۷، س انبیاء، آیت ۱۰۷)

امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ جنّوں اور انسانوں کے لیئے رحمت ہیں۔ کتنے ہی بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ آپ ساری مخلوق کے لیئے رحمت ہیں۔ مؤمنوں کے لیئے اس لحاظ سے رحمت ہیں کہ انہیں ہدایت آپ ہی کے سبب سے ملی، منافقوں کے لیئے بایں وجہ رحمت ہیں کہ انہیں قتل سے امان ملی۔ کافروں کے لیئے بھی رحمت ہیں کہ آپ کے باعث ان سے عذاب مؤخر ہو گیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی آخرالزمان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جملہ مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت ہیں۔ قرونِ سابقہ میں اپنے انبیاء کو جھٹلانے والی امتوں پر جس طرح کے عذاب آئے اگر اسے پیشِ نظر رکھا جائے تو آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتے۔

حکایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے سوال کیا، کیا تمہیں بھی اس رحمت سے کوئی حصّہ ملا ہے؟ جبریل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ ہاں یارسول اللہ! میں اپنی عاقبت کے بارے میں بڑا خائف تھا لیکن اب میں مطمئن ہو گیا ہوں کیوں کہ باری تعالےٰ شانہٗ نے اپنے آخری پیغام میں میرے متعلق یوں فرمایا ہے ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ[1]۔

اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ الآیۃ[2]۔ کعب بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے:

المراد بالنور الثانی ھٰھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ آیت میں دوسرے نور سے مراد محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں۔ ارشادِ

---

[1] جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانتدار ہے (پ۳۰، س التکویر آیت ۲۰، ۲۱)

[2] اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے (پ۱۸ النور آیت ۳۵)

فقولہ مَثَلُ نُوْرِہٖ ای نور محمد	خداوندی ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی نورِ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم وقد سماہ اللہ تعالیٰ	صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور اس آیت
فی القرآن فی غیر ھذٰ المواضع نورا	کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات
و سراجا منیرا۔	پر اپنے محبوب کو نور اور سراج منیر
(ص۱۷۰)	جیسے ناموں سے موسوم کیا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ[1]
دوسری جگہ فرمایا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا[2]۔ ایک مقام پر اسی سلسلے میں یوں فرمایا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ[3] الی اخر السورۃ، یہاں سینے سے مراد قلب ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ کا شرحِ صدر اسلام کے ساتھ ہوا ہے، سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نورِ رسالت کے ساتھ اور حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے قلبِ اطہر کو علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔

مذکورہ تقریر کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہے کیونکہ آپ کے قلبِ اطہر کو ایمان و ہدایت کے لئے کھول دیا، نیز علم کو محفوظ رکھنے اور حکمت کا متحمل ہونے کے لئے وسیع کر دیا گیا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے امورِ جاہلیت وغیرہ کا بوجھ آپ سے دور کر دیا اور منصبِ نبوت و رسالت کی ذمہ داری سے آپ کو بخیر و خوبی عہدہ برآ کر دیا کیونکہ آپ نے

---

[1] بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب (پ۶، سورہ المائدہ، آیت ۱۵)

[2] بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر، خوشخبری اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب (پ۲۲ سورہ الاحزاب آیت ۴۶) [3] کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ (پ۳۰، س الانشراح، آیت ۱)

احکاماتِ الٰہیہ پوری طرح لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اسی کے ساتھ ہی باری تعالیٰ شانہٗ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عظیم منصب اور جلیل رتبے کے ساتھ ممتاز فرمایا اور آپ کے ذکر کو اس درجہ بلند کیا کہ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

حضرتِ قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اس طرح بلند فرمایا کہ کوئی خطیب، شہادت دینے والا اور نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو یہ نہ کہے کہ: " میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔"

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ارشادِ خداوندی ہے کہ جہاں میرا ذکر ہوگا وہیں تمہارا ذکر بھی ہوگا۔ یعنی پروردگارِ عالم نے اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو، اپنی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت کو اور اپنے نام کے ساتھ آپ کے نامِ نامی اسمِ گرامی کو ملایا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ[1]، وَ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ[2]۔ پس ان دونوں اسمائے گرامی (اللہ و رسول) کو واؤ عاطفہ سے ملایا ہے جو اشتراک کو چاہتی ہے اور ایسا کلام حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

---

[1] اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ (پ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۳۳)

[2] اور ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر۔ (پ ۵، سورہ النساء، آیت ۱۳۶)

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی بیشک
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا	ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری
الآیۃ [1]	دیتا اور ڈر سناتا۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالےٰ نے آپ کے رتبۂ عالیہ کے نشانات اور کثیر اوصافِ مدح جمع فرما دیئے ہیں۔ امت تک احکاماتِ الٰہیہ پہنچانے کے باعث آپ کو "شاہد" ٹھہرایا اور یہ سرکارِ ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے فرمانبرداروں کے لئے آپ "مبشر" اور نافرمانوں کے لئے "نذیر" بنائے گئے۔ توحید کا پرچار کرنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کا لوگوں کو درس دینے کے باعث "داعی" ہوئے اور دنیا والوں کو باطل کے اندھیرے سے حق کے اجالے میں لے جانے کے سبب "سراجاً منیراً" کہلانے کے حقدار ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے شانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مطلع فرمائیں۔ فرمایا بہت خوب، آپ کی صفات توریتِ مقدس میں مذکور ہوئیں جیسے قرآنِ کریم میں بعض اوصاف کا ذکر ہے مثلاً :-

یا ایھا النبی انا ارسلنٰک	اے غیب کی خبریں دینے والے بیشک
شاھدا و مبشرا و نذیرا	ہم نے تمہیں حاضر و ناظر، جنت کی بشارت
وحرزا للامیین انت عبدی	دینے والا، دوزخ کے عذاب سے
ورسولی سمیتک المتوکل	ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم اَن پڑھوں
لیس بفظ ولا غلیظ ولا	کی حفاظت کرنے والے میرے بندے
سخاب فی الاسواق	اور رسول ہو۔ ہم نے تمہارا نام متوکل

---

[1] پ۲۲ سورۃ الاحزاب، آیت ۴۶

ولا يدفع بالسيئة السيئة ولكن يعفو و يغفر ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء بان يقولوا لا اله الا الله و يفتح به اعينا عميا و آذانا صما و قلوبا غافلا

(صك)

رکھا ہے جو بد خلق، سخت اور بازاری آدمی نہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ تمہیں اس وقت تک نہ اٹھائے گا جب تک کہ بگڑی ہوئی قومیں تمہارے ذریعے سیدھی نہ ہو جائیں اور یہ اقرار نہ کر لیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور اس کے ذریعے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور غافل دلوں کو کھولدیا جائے گا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما اور کعب احبار رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔

ابن اسحاق رضی اللہ عنہ مزید یوں فرماتے ہیں:

ولا صخب في الاسواق ولا متزين بالفحش و لا قوال للغنا اسدده بكل جميل واهب له كل خلق كريم و اجعل السكينة لباسه والبر شعاره والتقوى ضميره والحكمة مقولته الصدق والوفاء طبيعته والعفو والمعروف خلقه

نبی آخر الزمان ایسا نہیں ہو گا کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرے اور فواحش کو طبعاً ناپسند فرمائے گا، یاوہ گوئی سے متنفر ہو گا۔ میں انہیں ہر خوبی سے آراستہ کرونگا اور انہیں اخلاقِ جمیلہ سے مزین کر دوں گا۔ ان کا لباس سکینہ، ان کا طرزِ عمل بھلائی، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، صدق و وفا ان کی طبیعت، معاف کرنا اور حسنِ سلوک ان کی عادت،

والحق شریعتہ والھدیٰ	حق ان کی شریعت ، ہدایت ان کا
امامہ والاسلام ملتہ	امام ، اسلام ان کی ملت اور احمد
واحمد اسمہ اھدی بہ	ان کا نام نامی و اسم گرامی ہوگا۔ میں
بعد الضلالۃ واعلم بہ بعد	ان کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت
جھالۃ وارفع بہ بعد الجمالۃ	جہالت کے بعد علم، پستی کے بعد
واسمی بہ بعد النکرۃ	رفعت و ترقی ، نکارت کے بعد
واکثر بہ بعد القلۃ و	شہرت ، قلت کے بعد کثرت ، کنگالی
اغنی بہ بعد العیلۃ واجمع	کے بعد غنا ، جدائی کے بعد ملاپ
بہ بعد الفرقۃ واؤلف	پیدا کروں گا۔ ان کے ذریعہ مخالف
بہ بین القلوب مختلفۃ و	دلوں ، متفرق خواہشوں اور بکھری
اھوٓ أمتشتتۃ وامم	ہوئی قوموں کو اکٹھا کروں گا۔ ان کی
متفرقۃ واجعل امتہ	امت کو تمام امتوں سے بہتر پیدا
خیر امۃ اخرجت للناس۔	کروں گا جو بنی نوعِ انسان کی بھلائی
	کے لیے ظاہر ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ان اوصافِ عالیہ کی خبر دی جو توریت میں مذکور تھے۔ اس میں ارشادِ خداوندی ہے کہ میرے اس بندے کا اسمِ گرامی احمدِ مختار ہے۔ ان کی جائے ولادت مکہ مکرّمہ اور جائے ہجرت مدینہ منورہ ہے یا فرمایا طیبہ ، ان کی امت ہر حال میں اللہ تعالےٰ کی بہت زیادہ حمد و ثنا کرنے والی ہوگی جیسا کہ باری تعالےٰ شانہٗ نے آیۂ کریمہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ[1]

---

[1] وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ (پ ۹ سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷)

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الآیۃ میں خبر دی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ	تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے
لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا	محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے
غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ	اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے
حَوْلِكَ [1]	تو وہ ضرور تمہارے گرد سے
	پریشان ہو جاتے۔

علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان جتلایا کہ اس نے ایمان والوں کے لئے اپنے آخری رسول کو سراپا رحیم بنایا جو ان کے ساتھ رحمدلی سے برتاؤ کرتے ہیں اور فرمایا کہ وہ اگر بدخلق اور سخت زبان ہوتے تو لوگ ان سے دور بھاگتے، کہ پروردگارِ عالم نے انہیں تو چشم پوشی کرنے والا، نرم، خندہ پیشانی والا نیک اور لطف و کرم فرمانے والا بنایا ہے۔ جن آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے محبوب کی شانِ محبوبی دکھائی، لطف و کرم اور محبت بھرے لہجے میں ان سے خطاب فرمایا۔ ایسی بعض آیات پیش کی جاتی ہیں، ارشادِ باری تعالےٰ ہے :۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ	اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں
لَهُمْ [2]	کیوں اذن دیا۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اکابر کا ارشاد ہے، جس طرح بزرگ اپنے عقیدت مندوں سے کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ تیری اصلاح کرے، خدا تجھے عزت دے، باری تعالیٰ شانہٗ نے بھی اسی انداز میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دیگر اقوال بھی نقل فرمائے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے :۔

---

[1] پ۴ سورہ آلِ عمران آیت ۱۵۹۔ [2] پ۱۰ سورہ التوبہ، آیت ۴۳۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ الاٰية [1]

ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض خصائص اور باری تعالیٰ شانہٗ کی آپ پر خاص کرم نوازیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو نام لے کر پکارا مثلاً فرمایا اے آدم! اے نوح! اے ابراہیم! اے داؤد! اے زکریا! اے یحییٰ! اے عیسیٰ! لیکن اپنے حبیب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا ایہا الرسول، یا ایہا النبی، یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر جیسے پیارے پیارے القاب ہی سے مخاطب فرمایا۔ باری تعالےٰ شانہٗ نے اپنے حبیب کی عظیم قدر و منزلت کا اظہار فرمانے کی خاطر ان کی قسم یاد فرمائی چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے :-

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ [2]

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں۔

جملہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدّتِ حیات کی قسم یاد فرمائی ہے اس میں آپ کی بے نہایت تعظیم اور غایت درجہ شرف و محبت کا اظہار ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے مکرّم و معزز اللہ تعالےٰ نے کوئی پیدا نہیں فرمایا۔ حضرت ابو الجوزاء فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ ساری کائنات میں سب سے بلند مرتبہ ہیں اسی لئے مالک حقیقی نے آپ کے سوا کسی دوسرے کی عمر کی قسم یاد نہیں فرمائی ارشادِ باری تعالےٰ ہے :-

---

[1] پ۷ سورہ الانعام آیت ۳۳۔ [2] پ۱۴ سورہ الحجر آیت ۷۲۔

یٰسٓ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۔ [1] حکمت والے قرآن کی قسم۔

علامہ نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنی کتاب میں کسی رسول کی رسالت پر قسم یاد نہیں فرمائی، ارشادِ خداوندی ہے :۔

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی [2] چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جو کرامت و رفعت و عظمت عطا فرمائی ہے اس سورۂ مبارکہ میں اس کا چھ[3] وجہ سے اظہار فرمایا ہے جو حسب ذیل ہیں :۔

پہلی وجہ :۔ اللہ تعالیٰ نے حالتِ محبوب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی یعنی دوپہر جیسے روشن چہرے والے اور رات جیسی زلفوں والے محبوب کے رب کی قسم! اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت و کرامت غایت درجہ کی ہے۔

دوسری وجہ :۔ دربارِ خداوندی میں جو آپ کا عالی منصب و اعلیٰ درجہ ہے اسے بیان فرمادیا گیا کہ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی۔ یعنی تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ بعض علمائے کرام نے اس کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ آپ کو ساری مخلوق میں سے چن لینے کے بعد بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔

تیسری وجہ :۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ ابنِ اسحاق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں آپ کا مقام دنیاوی منصب سے اظہارِ کرامت و بزرگی کے سبب زیادہ معظم ہوگا۔ حضرتِ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شفاعت اور مقامِ محمود جو آپ کے لئے مخصوص فرمادیئے گئے ہیں، ان کے سبب دنیوی زندگی سے آپ کی اُخروی زندگی زیادہ بہتر ہوگی۔

---

[1] سورہ یٰس پ۲۲ آیت ۱ ۔ [2] پ۳۰ سورۃ والضحٰے آیت ۱ ۔ [3] اسی لئے مجدد دیانۂ حاضرہ مولانا الامام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے منکرینِ شانِ رسالت کی گوشمالی کے بارے میں یوں تلقین فرمائی ہے؛

والضحٰے حجرات، الم نشرح سے پھر
مومنو! اتمامِ حجت کیجئے

چوتھی وجہ :- وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی ۔ یہ آیتِ کریمہ وجوہِ کرامت، انواعِ سعادت اور دونوں جہانوں میں مختلف قسم کے انعاماتِ کثیرہ کی جامع ہے۔

ابنِ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالےٰ شانہٗ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں کامیابی اور آخرت میں ثواب سے خوش کر دے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو حوضِ کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعض شہزادوں سے روایت ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیت سے بڑھ کر دوسری کوئی آیت ڈھارس بندھانے والی نہیں ہے کیونکہ رحمتِ کونین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ایک امتی بھی اگر دوزخ میں داخل کیا گیا تو آپ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔

پانچویں وجہ :- اس سورت میں باری تعالےٰ شانہٗ نے اپنے ان انعامات اور لطف وکرم کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کئے ، یہاں تک ان کا بیان ہے، اس سے آگے آپ کو اس عظیم الشان منصب تک پہنچانے اور آپ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دینے کا بیان ہے۔ نیز آپ کے پاس بظاہر مال نہ تھا (جیسا کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے) لیکن اللہ تعالےٰ نے آپ کو مال دے کر یا آپ کے دل کو اپنے ماسویٰ سے مستغنی کر کے غنی بنا دیا۔ آپ کے والدین انتقال فرما گئے تو چچا (ابوطالب) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر مہربان کر دیا اور ان کے پاس جگہ دی۔

مقامِ غور ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالےٰ نے فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ان کے بچپن میں، ان کی بظاہر کس مپرسی اور یتیمی کے زمانے میں بے یار ومددگار نہ چھوڑا تو ساری مخلوق میں سے انہیں چن لینے اور اپنا حبیب ٹھہرا لینے کے بعد کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے؟

چھٹی وجہ :- پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جن انعامات سے تمہیں نوازا گیا ہے ان کا اظہار کرو اور جس عالی منصب پر تمہیں فائز کیا ہے لوگوں میں

اس کی نشر و اشاعت کر کے شکر گزاری کرو۔ اسی لئے باری تعالیٰ شانہٗ نے وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ فرمایا ہے کیونکہ تحدیثِ نعمت بھی شکر گزاری ہے اور یہ امر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص اور آپ کی امت کے لئے عام ہے۔

مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کے اظہار میں ارشادِ خداوندی ہے :۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۔۔ تا ۔	اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ	اترے۔ تا بے شک اپنے رب کی بہت بڑی
الْكُبْرٰى ۔ [1]	نشانیاں دیکھیں۔

یہ آیات فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے فضائل و کمالات بیان کر رہی ہیں جن کا تفصیلی شمار زبان و بیان کی طاقت سے باہر ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کے ہادی ہونے کی قسم یاد فرمائی نیز نفسانی خواہشات سے پاک اور صدق و امانت سے مالامال ہونے کا ذکر فرمایا جس کا خصوصی تعلق وحیِ الٰہی سے ہے جو جبریل علیہ السلام بارگاہِ خداوندی سے لاتے اور بتایا کہ وحی لانے والا جبریل امین بھی زبردست طاقت والا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس فضیلت کا ذکر فرمایا جو آپ کو معراج و اسریٰ کے ذریعے عطا فرمائی اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا ذکر فرمایا اور دستِ قدرت کے جن کمالات و نشانات کا نگاہِ مصطفےٰ نے معائنہ کیا۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

اس واقعہ (معراج) کے ابتدائی حالات سورۂ اسرا کے شروع میں مذکور ہیں لیکن جو کچھ جبروت سے آپ پر منکشف ہوا اور عالمِ ملکوت کے جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا، زبان و قلم ان کے احاطے سے قاصر ہے اور عقلیں ان کے ادنیٰ حال کو سننے اور سمجھنے سے عاجز ہیں اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا ذکر اشارے اور کنائے کے طور پر فرمایا ہے، علاوہ بریں اس لئے کہ

---

[1] پ۲۷ سورہ والنجم آیت ۱ تا ۱۸ - [2] اسی لئے تو حضرت اختر الحامدی نے لکھا ہے ؎

جب سورۂ والنجم کی ہوتی ہے تلاوت
آجاتی ہے محبوبِ مدینہ کی ادا یاد

کے ذریعے آپ کی تعریف و توصیف فرمائی جو آپ کو عطا کئے ہیں، اور عظمتِ محبوب کا مکمل اظہار فرمانے کی وجہ سے اسے دو حرفوں سے مؤکد کر کے فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔[1]

اس کی تفسیر میں بعض فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم آپ کا اخلاق ہے جبکہ بعض نے اس کی تفسیر فطرتِ سلیمہ سے کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی منزلِ مقصود و مقصدِ حیات صرف معرفتِ الٰہی ہے واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح انعاماتِ الٰہیہ کی قدر کی، اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی تعریف فرمائی اور اس شکر گزاری کے سبب آپ کو دوسروں پر فضیلت دی اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خلقِ عظیم کو آپ کی سرشت بنا دیا گیا۔

پاکی ہے اس محسنِ حقیقی کے لئے جو خود ہی لطف و کرم فرماتا، احسان اور بخشش سے نوازتا، نیکی کو اپنے بندے کیلئے آسان کر کے اس کی جانب راغب کرتا ہے پھر نیکی کو اختیار کر لینے پر اپنے بندے کو بہتر جزا عطا فرماتا ہے اور تعریف کرتا ہے۔ پاک اور قابلِ حمد و ستائش ہے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں کو اتنا عام اور فضل و کرم کو اس درجہ وسیع کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایفائے عہد کی آپ کو تسلی دی جیسا کہ وعدہ فرمایا ہے جو انجام کار آپ کی کامیابی اور کفار کے عذاب پر مبنی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ۔[2] عنقریب تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔

یہ تین آیات ہیں جن کے متصل ہی آپ کی تعریف و توصیف کے بعد دشمنِ مصطفیٰ کی مذمت اور اس کی بدخلقی مذکور ہوئی۔ بارگاہِ رسالت کے گستاخ کے عیوب بیان کر کے باری تعالیٰ شانہ نے اپنے محبوب کی مدد فرمائی اور آپ کے فضل و کمال کا اظہار فرمایا۔ اس مقام پر دس سے زیادہ بری عادتوں کے ساتھ اس گستاخ کی مذمت کی ہے۔ اس بیان کی ابتداء فَلَا تُطِعِ

---

[1] بے شک تمہاری خُو بُو (اخلاق) بڑی شان کی ہے (پ۲۹ سورہ القلم آیت ۴)

[2] پ۲۹، سورہ القلم، آیت ۵

اَلْمُکَذِّبِیْنَ سے ہوتی ہے اور انتہار اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ پر، پھر اس سلسلے کو اس کی بدبختی اور بُرے خاتمے کی سچی وعید پر ختم کیا چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے :

سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ[1] قریب ہے ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے۔

باری تعالےٰ شانہ کا اپنے حبیب کی مدد کرنا، آپ کی خود مدد کرنے سے اہم واتم ہے اور اللہ رب العزت کا گستاخ رسول کی تردید فرمانا خود آپ کے رد کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس سے آپ کے فضل وکمال کے دیوان میں ایک نرالے باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ جن آیات سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کمال شفقت ومہربانی ثابت ہوتی ہے ان سے ایک آیت یہ ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے :۔

طٰہٰ ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی[2] اے محبوب! ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

اس آیتِ کریمہ کا نزول اس وقت ہوا جب فخرِ آدم وبنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری ساری رات قیام فرماتے اور شب بیداری کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے لکھا ہے کہ نبیٔ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایک پاؤں پر قیام فرماتے اور دوسرا اٹھا لیا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی کہ اے محبوب! زمین پر پوری طرح قرار پکڑو۔ ہم نے قرآنِ کریم کو اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

اس ارشادِ باری تعالےٰ سے اظہر من الشمس ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا اعزاز واکرام کیسا ہے اور آپ کے حال پر ذاتِ باری کا کس درجہ لطف وکرم ہے۔ اگر بقولِ بعض علماء

---

[1] پ ۲۹، سورہ القلم، آیت ۱۶۔

[2] پ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۲۔

طٰہٰ کو اسمائے مصطفےٰ سے شمار کیا جائے تو اس سے آپ کے حق میں ایک قسم کی فضیلت اور ثابت ہوتی ہے، اسی طرح کی شفقت و مہربانی فرمانے کے باب سے یہ آیت ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى	تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے
اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا	آپ کے پیچھے اگر وہ اس بات
الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۔ [1]	پر ایمان نہ لائیں۔

بَاخِعٌ سے مراد قتل کرنا اور ہلاک کر ڈالنا ہے۔ مذکورۃ الصدر قسم کی آیات سے ایک آیت کریمہ یہ بھی ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ	تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ـ الٰی ـ وَلَقَدْ	مشرکوں سے منہ پھیر لو ـ تا ـ اور
نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا	بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے
يَقُوْلُوْنَ ۔ [2] الٰی آخر السورۃ	دل تنگ ہوتے ہو۔
	(آخر سورت تک)

یہ اس قسم کی آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کمال شفقت کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک آیت کریمہ یہ ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ	اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ
قَبْلِكَ ...... [3]	بھی ضرور ٹھٹھا کیا گیا.......

امام مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تسلی دی ہے اور مشرکین کی جانب سے پہنچی ہوئی تکالیف کا بوجھ ہلکا کیا ہے آپ کو خبر دی ہے کہ جو تمہیں تکلیف پہنچانے سے باز نہیں آئے گا اس کے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جیسا اگلی امتوں کے ساتھ کیا تھا

---

[1] پ ۱۵، سورہ کہف، آیت ۶۔ [2] پ ۱۴، سورہ الحجر، آیت ۹۴ تا ۹۷۔
[3] پ ۷، سورہ انعام، آیت ۱۰۔

اس قسم کی تسلّی دوسری آیت میں یوں دی :۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ	اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بے شک تم سے پہلے کتنے
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ [1]	ہی رسول جھٹلائے گئے ۔

اسی کی مانند یہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے :۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ	یونہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا	رسول تشریف لایا ، بولے کہ جادوگر
قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۔ [2]	ہے یا دیوانہ ۔

امم سابقہ کا اپنے انبیاء کے ساتھ بدکلامی کرنا اور انہیں تکالیف دینا ، یاد دلا کر باری تعالےٰ شانہٗ نے اپنے حبیب کو تسلّی دی کہ کفارِ مکہ کی طرح سابقہ انبیاء کی قوموں نے بھی انہیں ایسی ہی تکالیف پہنچائی تھیں لہٰذا تمہارا ایسے مصائب و آلام سے دوچار ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے ۔ اس کے بعد اپنے حبیب کو خوش کرنے اور عذر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا :

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ [3]	اے محبوب ! تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں ۔

یعنی ان سے اعراض فرمالیجئے اور احکامات کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ پر کسی کوتاہی کا الزام عائد نہیں ہوتا اسی کے مثل ایک آیتِ کریمہ اور ملاحظہ ہو :

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ	اور اے محبوب ! تم اپنے رب کے حکم
بِاَعْيُنِنَا ۔۔۔۔ [4]	پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو ۔

---

[1] پ ۲۲ ، سورہ فاطر ، آیت ۴ ۔

[2] ایضاً آیت ۵۲ ۔

[3] پ ۲۷ ، سورہ الذاریات ، آیت ۵۲ ۔

[4] پ ۲۷ ، سورہ الطور ، آیت ۴۸ ۔

یعنی کفار کی ایذارسانی پر اپنے رب کے حکم سے صبر کرو کیونکہ تم اس عالی منصب پر فائز ہو کہ تمہاری دیکھ بھال اور مکمل حفاظت باری تعالیٰ شانہٗ کے ذمے ہے۔ ایسے مفہوم و مطالب پر مشتمل کتنی ہی آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری رسول کو ایذارسانی کے حوصلہ شکن مواقع پر تسلی دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انبیائے ماسبق علیہم السلام سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب کی بلندی اور بلحاظ قدر و منزلت بزرگی کا متعدد مقامات پر اظہار فرمایا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ..... الی قولہٖ تعالیٰ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ ○ [1]

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں..... تا میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس فضیلت عظمیٰ سے ممتاز فرمایا ہے دیگر انبیائے کرام کو اس سے نہیں نوازا [2] جیساکہ اس آیت میں مذکور ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرے اور آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے عہد لے کر اگر وہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ انبیائے کرام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرکے ان سے اس بات کا عہد لیتے رہا کریں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفیٰ سے آگاہ کرتے اور حبیب پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔

ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ کے مخاطب زمانۂ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

[1] پارہ ۳، سورہ البقر، آیت ۸۱

[2] اسی لیے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

خلق سے انبیاء، انبیاء سے رُسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

اہلِ کتاب ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیائے کرام سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ پائیں تو انھیں نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنی ہوگی نیز اپنی اپنی اُمت سے بھی اس بات کا عہد لینا ہوگا۔ امام سدی اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُوسرے انبیائے کرام پر کئی وجہ سے فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اُن میں سے ایک وجہ یہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ	اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے
وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ[1] (الآیہ)	عہد لیا اور تم سے اور نوح سے
كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ ..... وَكِيْلًا[2] (الآیہ)	ہم نے وحی کی نوح کی طرف۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دورانِ گفتگو گریہ فرمایا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں گریہ وزاری کیسی جبکہ باری تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں آپ کو ایسا مقامِ رفیع حاصل ہے کہ اس نے آپ کو جملہ انبیاء سے بعد میں مبعوث فرمایا لیکن آپ کا ذکرِ خیر سب سے پہلے نشر فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے، وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (الآیہ) میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ جہنم میں عذاب پانے والے دوزخی بھی یہ خواہش کریں گے کہ انھوں نے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی ہوتی[3] اور یوں پکاریں گے يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

---

[1] پارہ ۲۱، سورہ الاحزاب، آیت ۷ [2] پ ۶، سورۃ النساء، آیت ۱۶۳

[3] اسی لیے تو امام احمد رضا خاں بریلوی نے منکرینِ شانِ رسالت کو فہمائش کی ہے کہ:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں پیدائش میں جملہ انبیاء سے مقدم اور بعثت کے لحاظ سے سب میں آخری ہُوں" اسی لیے مذکورہ بالا آیت میں آپ کا ذکر نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے پہلے فرمایا گیا ہے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ہمارے آقا کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی لیے تو آخری نبی ہونے کے باوجود آپ کا ذکر سب سے پہلے فرمایا گیا یعنی یہاں تقدیم بلحاظ تفضیل ہے بلحاظ زمانہ نہیں۔ یہ عہد باری تعالیٰ شانہ، نے جملہ انبیائے کرام کو آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے چھوٹے چھوٹے ذرّوں کی شکل میں نکال کر لیا تھا۔ افضلیتِ مصطفیٰ کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1] — یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دُوسرے پر افضل کیا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ میں لفظ بعض سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ گروہِ انبیاء میں آپ ہی ایک ایسے فرد ہیں جو ساری بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ غنیمت صرف آپ کے لیے حلال قرار دی گئی، آپ کے ہاتھوں بے شمار معجزات کا ظہور ہُوا نیز کوئی فضیلت اور کرامت ایسی نہیں کہ جو کسی نبی کو حاصل ہو مگر وہ آپ کو مرحمت فرمائی گئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں آپ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے اسمائے گرامی لیے گئے لیکن اپنے محبوب کو نبوت و رسالت کے ذریعے مخاطب فرمایا، جیسا کہ باری تعالیٰ شانہ، نے اپنی سچی کتاب میں جابجا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ[2] اور يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ وغیرہ الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔ مزید ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ[3] — اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔

---

[1] پارہ ۳، سورہ البقرہ، آیت ۲۵۳ [2] اسی لیے تو کہا ہے ؎

یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب
یا ایہا النبی خطابِ محمد است

[3] پارہ ۹، سورہ انفال، آیت ۳۳

یعنی جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے تو اس شہر کو یہ شرف سب سے زیادہ حاصل تھا کیونکہ یہ برکت صرف آپ کے وجود کی ہے۔ جب وہ پناہِ بے کساں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما گئے اور مکہ معظمہ میں تھوڑے سے مسلمان رہ گئے تو اپنے محبوب کے دامنِ رحمت سے وابستہ رہنے والوں کی تسکین کی خاطر ارحم الراحمین نے یہ مژدہ سنایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بھی عذاب سے محفوظ و مامون رکھے گا جب تک وہ گناہوں سے "تائب ہوتے رہیں گے۔ آپ کے عظیم الشان منصب کی یہ آیت کریمہ بھی واضح نشان دہی کر رہی ہے اسی کے مثل یہ مژدہ جانفزا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1] — اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سب جہانوں کے لیے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں۔ بعض کا قول ہے کہ بدعات سے اور بعض فرماتے ہیں کہ اختلافات اور فتنوں سے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حبیبِ پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کائناتِ ارضی و سماوی کی امانِ اعظم ہیں۔ وصال کے بعد آپ کے نقوشِ قدم اصلاحِ عالم کے ضامن ہیں۔ آپ کے اُسوۂ حسنہ اور سُنّتِ قائمہ سے روگردانی ہی مصائب اور فتنوں کو دعوت دینا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[2] — بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے ساتھ اپنے آخری نبی کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بندوں کو آپ پر صلوٰۃ و سلام

---

[1] پارہ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت ۱۰۷

[2] پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۵۶

بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے۔ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ حکایتاً بیان کرتے ہیں کہ بعض علمائے کرام نے اس فرمانِ رسالت یعنی قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ کی یہ تاویل بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جو مجھ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور یہ کہ قیامت تک میری امت کو مجھ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ فرشتوں کی اور ہماری صلوٰۃ ایک قسم کی دعا ہے اور باری تعالیٰ شانہٗ کی صلوٰۃ اپنے محبوب پر خاص بارانِ رحمت کے نزول کا نام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ	اور اگر ان پر زور باندھو تو بے شک
هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ	اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور
الْمُؤْمِنِيْنَ [1]	نیک ایمان والے۔

یہاں مولیٰ کو ولی کے معنی میں سمجھنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے۔ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض کے نزدیک انبیائے کرام مراد ہیں، بعض کے نزدیک ملائکہ اور بعض کے نزدیک حضرات ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا..... يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ [2]	بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی ..... اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

ان آیات نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی صفت و ثنا بیان کی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کا وہ مرتبہ ظاہر کیا گیا ہے نیز ایسی نرالی نوازشات کی خبر دی ہے جن کی حقیقت کو بیان کرنے سے زبان و قلم عاجز ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان خصوصی نوازشات کا ذکر فرمایا جو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ مخصوص فرما دیے تھے نیز آپ کو دشمنوں پر غلبہ دینے، آپ کی شہرت کے جھنڈے بلند کرنے، آپ کی شریعتِ مطہرہ کو دیگر شرائع پر غالب رکھنے کا تذکرہ کیا نیز یہ کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے مغفور ہیں

---

[1] پارہ ۲۸، سورۂ تحریم، آیت ۴

[2] پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۱تا ۱۰

جن سے کسی گزشتہ اور آئندہ بات پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے یُوں معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ آپ کے ہر قول وفعل پر مغفرت کی مُہر لگانا چاہتا ہے جو وقوع پذیر ہُوا یا جس کے واقع ہونے کی نوبت آئی ہے نہ کبھی آئے گی۔ امام مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمانے کی خاطر مغفرت کو سبب قرار دے لیا ہے پس ہر وہ شخص جس نے اللہ رب العزّت کے سوا کسی دوسرے کو اپنا معبود نہیں ٹھہرایا وہ باری تعالیٰ شانہٗ کے اس دریائے فضل وکرم سے خوب سیراب ہوتا رہے گا۔

اس کے بعد باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا، وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (لہ) کہا جاتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے یہ انعام فرمایا کہ جن مشرکینِ مکّہ کی گردنیں اکڑتی ہی جا رہی تھیں، ایسے تمام متکبروں کو باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کے قدموں میں جھکا دیا۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مکّہ مکرمہ اور طائف کی فتح مراد ہے جبکہ بعض یُوں کہتے ہیں کہ اس نعمت سے مراد دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کرنا اور نصرت ومغفرت سے نوازنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (الآیہ) ٢ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن وخصائص بیان فرماتے ہیں وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی آپ کی غایت درجہ تعظیم وتوقیر کرو۔ بعض مفسرین اسے وَتُعَزِّزُوْهُ (دونوں زا) پڑھتے ہیں یعنی آپ کی سب سے زیادہ عزّت کرو اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ منصب و مرتبہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہی کو حاصل ہے اور یہ جو باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ وَتُسَبِّحُوْهُ تو اس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

حضرت ابن عطاء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان بہت سی نعمتوں کا بیان ہے جن سے پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب کو نوازا۔ فتح مبین کا مژدہ سنایا جو اجابتِ دُعا کی نشانی ہے۔ مغفرت کی بشارت دی جو علامتِ محبّت ہے۔ اتمامِ نعمت کی خوشخبری سنائی جس سے

لہ اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے۔ (سورہ الفتح، آیت ٢)

٢ بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔ (سورہ الفتح، آیت ٨)

خاص الخاص منصب کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ ہدایت کا علمبردار بنایا جو دوستی کی نشانی ہے۔ مغفرت میں گناہوں سے پاکیزگی ہے، اتمامِ نعمت میں درجۂ کاملہ تک پہنچانا اور ہدایت کے ذریعے مشاہدے کی جانب بلایا جاتا ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتمامِ نعمت سے یہ مراد ہے کہ :

ان جعله حبيبه واقسم بحياته ونسخ به شرائع غيره وعرج به الى المحل الاعلیٰ وحفظه فی المعراج حتی ما زاغ البصر وما طغیٰ وبعثه الی الاحمر والاسود واحل له ولامته الغنائم وجعله شفيعاً مشفعاً وسيد ولد آدم وقرن ذكره بذكره ورضا برضا احد ركنی التوحيد۔ (ص۱۳)

اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کی حیات مبارک کی قسم کھائی اور آپ کی شریعت مطہرہ سے دیگر شرائع کو منسوخ کر دیا اور آپ کو بلند ترین مقام تک پہنچایا اور معراج میں آپ کی کمال حفاظت فرمائی یہاں تک کہ آپ نے کسی طرف آنکھ بھی نہ پھیری اور نہ آپ کی نظر حد سے بڑھی۔ آپ کو ہر سرخ و سفید یعنی جملہ بنی آدم کا نبی بنایا آپ کے لیے اور آپ کی اُمت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا۔ آپ کو گنہگاروں کی شفاعت کرنے والا اور شفاعت کا ماذون و مختار بنایا اور آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا آپ کو سردار بنایا اور آپ کے ذکر کو اپنے ذکر سے اور آپ کی رضا کو اپنی رضا سے ملایا اور آپ کو عقیدۂ توحید کا ایک رکن قرار دیا۔

اسی سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ

اللّٰہ[1] یعنی ان کا آپ سے بیعت کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ آگے فرمایا ہے: یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ[2] ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونے سے بعض کے نزدیک قوتِ خداوندی، بعض کے نزدیک ثواب، بعض کے نزدیک احسان اور بعض کے نزدیک عہد مراد ہے۔ یہ استعارہ اور تخییلِ کلام کے طور پر ہے۔ اس سے عقدِ بیعت کو مؤکد کرنا اور بیعت لینے والے کے منصب کی رفعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی قبیل سے باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[3]	تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، وہ تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اگرچہ بادی النظر میں یہ مجازی کلام معلوم ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے کہ فی الحقیقت قاتل و رامی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے کیونکہ افعالِ عباد کا خالق بھی تو وہی[4] ہے۔ کنکریاں اور مٹی پھینکنا بھی تو اسی کی قدرت و مشیت کے باعث ہُوا ورنہ کسی انسان میں یہ ذاتی قدرت وطاقت کہاں کہ کنکریوں اور مٹی کو اتنی دُور پہنچا دے یہاں تک کہ کوئی مقابلے پر آنے والا کافر ایسا نہ بچے جس کی آنکھیں غبار آلودنہ ہو گئی ہوں۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتابِ عزیز میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور منصب و خصائص کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے جس سے بارگاہِ خداوندی میں آپ کے قرب و منزلت کا پتہ لگتا ہے۔ جن کمالات کے ذریعے باری تعالیٰ شانہٗ نے اس فخرِ آدم و بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاص فرمایا ہے ان میں سے ایک واقعۂ معراج

---

[1] پ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۱۰ [2] ایضاً: آیت ۱۰

[3] پ ۹، سورۂ انفال، آیت ۱۷

[4] اس عقیدے میں مصنف تقویۃ الایمان اور اُن کے متبعین نے سخت دھوکا کھایا ہے جو امکانِ کذب کے قائل ہو کر افعالِ عباد اور قدرتِ خداوندی کا باہم موازنہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ (اختر شاہجہان پوری)

واسرأ بھی ہے، جس کا سورۂ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی اور سورۂ وَالنَّجْمِ میں بیان فرمایا ہے۔ وہاں آپ کے مرتبے کی بلندی، قُربِ الٰہی اور عجیب وغریب مشاہدات کا ذکر ہے۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ایک امر یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرما لیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[1] — اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے:

اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا......[2] — اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے۔

اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ...[3] — اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے اُن کی مدد فرمائی۔

اس مٹی پھینکنے کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ شانہٗ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے آپ سے اس اذیت کو کیسے دُور فرمایا جبکہ مشرکینِ مکہ نے خفیہ مشورہ کر کے اپنے دارالندوہ کے پروگرام کے مطابق ایک رات محبوبِ پروردگار کے دولت خانے کا محاصرہ کر لیا تھا تاکہ اپنی ناپاک پھونکوں سے مشعلِ نورِ الٰہی کو بجھا دیں۔ وہ جانِ جہاں جب درِ دولت سے تشریف لے جاتے ہیں اور جب غارِ ثور میں آرام فرما ہوتے ہیں تو حفاظت کا یہ محیر العقول منظر سامنے آتا ہے کہ دشمن آپ کو دیکھنے سے غافل بلکہ اندھے ہو کر رہ گئے[4] اور مدینہ منورہ کی جانب تشریف لے جاتے وقت آپ سے جن معجزات کا ظہور ہوا نیز اُس سراپا نازپر سکینہ کا نازل ہونا، ساتھ ہی سراقہ

---

[1] پ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۶۷ [2] پ ۹، سورہ الانفال، آیت ۳۰ [3] پ ۱۰، سورہ توبہ، آیت ۴۰

[4] دشمنانِ مصطفیٰ کی اس کیفیت کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے یُوں بیان فرمایا ہے:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

بن مالک کا واقعہ پیش آنا ایسے واقعات ہیں جنھیں محدثین اور مورخ حضرات غار اور ہجرت کے واقعات میں بیان کرتے آئے ہیں۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ عالی کی تشہیر میں یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہُوا:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ [1]	اے محبوب! بے شک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرمایا ہے کہ انھیں کیا کچھ عطا فرمایا گیا ہے۔ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور اس لفظ کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔ اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد باری تعالیٰ شانہٗ نے دشمنِ مصطفیٰ کی نازیبا گفتگو کا جواب دیا اور اپنے حبیب کو تشفی دیتے ہُوئے فرمایا کہ محبوب! تمہارا دشمن ہی نسل بریدہ ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بغض و عداوت رکھنے والے کی نسل منقطع ہو جاتی ہے، وہ ذلت و خواری اور کس مپرسی کی ایسی کیفیت میں مبتلا ہو کر رہتا ہے جس میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہوتی۔ اسی سلسلے میں خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ نے اپنے آخری پیغام میں مخلوق کو مقامِ مصطفیٰ سے یوں مطلع فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ [2]	اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دُہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

کہا گیا ہے کہ سبع مثانی سے قرآن کریم کی وہ اوّلین سُورتیں مراد ہیں جو طوالِ مفصل کہلاتی ہیں اور

---

[1] پ ۳۰، سورہ کوثر، آیت ۳

[2] پ ۱۴، س الحجر، آیت ۸۷

یہ بھی قول ہے کہ سبع مثانی سے ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ اور القُرْاٰنِ الْعَظِیْم سے باقی قرآن کریم مراد ہے۔ اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ؎۱

اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب کی تشہیر میں منعم حقیقی کا فرمان ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ ؎۲

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں.....

یہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؎۳ یعنی دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اُن کی اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا لیکن نبی آخرالزماں، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کو ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمایا گیا جیسا کہ آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے ہر سُرخ و سیاہ یعنی ہر گورے اور ہر کالے کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے
فضیلتِ مصطفیٰ کی نشر و اشاعت میں یہ فرمانِ الٰہی بھی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؎۴

یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مسلمانوں میں اسی طرح نافذ العمل ہے جیسے ایک آقا کا حکم غلام پر جاری ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی کرنا نفس کی مرضی پوری کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ

؎۱ پ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۲۸
؎۲ پ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۵۸
؎۳ پ ۱۳، سورہ ابراہیم، آیت ۴
؎۴ پ ۲۱، سورہ الاحزاب، آیت ۶

تعالیٰ عنہن کو حرمت میں ماؤں کی طرح قرار دیا گیا اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمانوں پر ان سے نکاح حرام قرار دیا گیا کیونکہ دُوسرے کا اُن سے نکاح کرنا ناموسِ مصطفیٰ کے منافی ہے نیز وہ آخرت میں حبیب پروردگار (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی کی بیویاں ہوں گی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَاَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ	اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۠ [1]	اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فضلِ عظیم سے منصبِ نبوت مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جو اوّل روز آپ کو مرحمت فرمایا گیا وہ مراد ہے۔ علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس میں اپنی رؤیت کی جانب اشارہ ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام برداشت نہیں کر سکے تھے۔

فطری محاسن و اخلاقی کمالات

قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضائل و کمالات نبوی کے جواہرات لٹاتے ہوئے اپنی تصنیفِ لطیف کتاب الشفاء کے دُوسرے باب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقی اور فطری محاسن و کمالات بیان فرمائے ہیں، جن کی تکمیل اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کے ذریعے فرمائی ہے کیونکہ پروردگارِ عالم نے تمام دینی اور دنیاوی فضائل و کمالات کو ذاتِ مصطفوی سے منسلک کر دیا ہے[2]۔

نبی اکرم، نورِ مجسّم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے، جو اپنے آقا کی اجمالی قدر و منزلت کی تفصیل کے خواہاں ہیں کہ جلال و کمال کے خصائل آدمی میں دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ضروری دنیاوی جس کا انسانی جبلّت اور دنیوی حیات تقاضا کرتی ہے۔ (۲) اکتسابی دینی، جس کے باعث فاعل کی تعریف کی جاتی ہے اور اسے قُربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اوّل الذکر کی مزید دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو دونوں قسم کے اوصاف میں سے ایک کے

---

[1] پ ۵، سورہ النساء، آیت ۱۱۳

[2]
اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری!
بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

ساتھ خاص ہو اور دوسری وُہ جو دونوں میں مشترک ہو۔ ضروری محض وُہ ہے جس میں انسان کے کسب و اختیار کا کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے حبیب پروردگار کی جبلت کریمہ میں کمال خلقت اور حسن و جمال کے ساتھ قوتِ عقل، صحتِ فہم، فصاحتِ زبان و بیان، قوتِ حواس و اعضاء، اعتدالِ حرکات، شرافتِ نسب، قومی اعزاز اور وطن عزیز کا عزّ و شرف وغیرہ اور آپ کی ضروریاتِ زندگی کا شمار بھی کمالاتِ مصطفوی میں ہوتا ہے یعنی آپ کی غذا، نیند، لباس پہننا، سکونت پذیر ہونا، نکاح کرنا نیز مال اور جاہ و جلال کا ہونا۔ ان مؤخر الذکر خصائل کا تعلق اُخروی حیات کی بہتری سے ہو جاتا ہے جبکہ سلوک و طریقت کے طور پر ان سے تقویٰ و طہارت اور اعانتِ بدن کا قصد کیا جائے۔ ان میں ضرورت کے مطابق نہیں بڑھا جاتا بلکہ قوانینِ شریعت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

وہ اکتسابی خصائل جو آخرت میں کام آتے ہیں اُن کا تعلق اخلاقِ عالیہ حسنہ اور آداب شرعیہ دینیہ سے ہے اور علم، حلم، صبر، شکر، عدل و انصاف، زہد و قناعت، انکساری، عفو و درگزر، عفت، سخاوت، شجاعت، حیا، مروّت، خاموشی، محبت، وقار، مہربانی، حُسنِ ادب، حُسنِ معاشرت اور ان جیسے دُوسرے کمالات کا پایا جانا حسنِ اخلاق کی دلیل ہے اور ان میں وہ نیک اطوار بھی شامل ہیں جو بعض لوگوں کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتے اور ان کی فطرتِ ثانیہ یا جبلت معلوم ہوتے ہیں جبکہ دُوسرے کے کسب کو ان کمالات کے حصول میں دخل ہوتا ہے لیکن جبلت کے خمیر میں ان عادات کے بعض اصولوں کا حصّہ ضرور ہوتا ہے۔ ان تمام اخلاق و عادات کو ہمیشہ ہر صاحبِ عقل و دانش نے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے لیکن یہ عمدہ عادتیں بھی اس وقت دنیاوی اور غیر مفید ہو کر رہ جاتی ہیں جبکہ انھیں رضائے الٰہی اور آخرت کی بہتری کے لیے اختیار نہ کیا گیا ہو۔

کمال و جمال کے جن خصائل و عادات کا اُوپر ذکر ہُوا ہے، اگر کسی بھی زمانے میں، ان سے کسی شخص کے اندر ایسی ایک یا دُو خُوبیاں پائی جائیں مثلاً کسی کو نسب، جمال، قوت، علم، حلم، شجاعت اور سخاوت وغیرہ میں کوئی امتیاز حاصل ہو تو ایسا شخص قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کا نام مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور دلوں میں اس کی عزت و عظمت سرایت کر جاتی ہے اور مدتوں اُس کا نام روشن رہتا ہے۔ اے صاحبِ عقل و دانش! تیرا اُس

ہستی کی قدر و منزلت کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے اخلاقِ کریمہ اور جبلتِ حسنہ میں پسندیدہ عادتیں اس کثرت سے پائی جائیں کہ انھیں شمار کرنے سے عدد عاجز اور زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں[1]۔ ساتھ ہی وہ کمال کے اس درجے پر ہوں کہ کسب وحیلہ کے ذریعے ان کمالات کا حصول ناممکن ہو، ہاں خدائے بزرگ و بخشندہ کی خاص کرم نوازی کا معاملہ اور ہے۔

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے فضائل سے خُلت، محبوبیت، اصطفاء، اسراء، رؤیتِ باری تعالیٰ، دنوّ، وحی، شفاعتِ گنہگاراں، وسیلہ، درجۂ رفیع الشان، مقامِ محمود، براق، معراج، ساری کائنات کی طرف بعثت، انبیاء کے ساتھ (امام بن کر) نماز پڑھنا، انبیائے کرام اور اُن کی اُمتوں کے درمیان شاہد ہونا، بنی آدم کی سرداری، لواء الحمد، بشارت و نذارت، مالکِ عرش و فرش کے نزدیک منصب، اطاعت، امانت، ہدایت، ہر فردِ مخلوقات کے لیے رحمت، رضا کا عطیہ، سوال، حوضِ کوثر، کلامِ الٰہی کا سُننا، اتمامِ نعمت، اگلوں اور پچھلوں کی فروگزاشتوں کی معافی، شرحِ صدر، سہولتِ فرائض، رفعِ ذکر، تائیدِ خداوندی کا اعزاز، نزولِ سکینہ، ملائکہ کی امداد، کتاب و حکمت اور سبعِ مثانی والقرآن العظیم ملنا، امت کا تزکیہ، مخلوق کو خالق کی طرف بلانا، اللہ اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا، لوگوں کے درمیان حکمِ الٰہی سے حاکم و منصف ہونا، اگلی اُمتوں والی سختیوں اور تکلیفوں کو اس امت سے ہٹانا، آپ کے اسمِ مبارک کی قسم، اجابتِ دعا، آپ کا جمادات سے کلام کرنا حالانکہ وہ زبان سے محروم ہیں، مُردوں کو زندہ کرنا، بہروں کو سُنانا، اُنگلیوں کے اندر سے پانی کے چشمے بہا دینا، تھوڑے طعام کو زیادہ کر دینا، چاند کو شق کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، قلبِ اعیان، رُعب کے ذریعے مدد کیے گئے، غیوب پر اطلاع، ابر کا سایہ کرنا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، رنج والم کو دُور فرمانا، آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنا وغیرہ ایسے کمالات ہیں جن کا کوئی محتمل

---

[1] اسی لیے تو مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے کہا ہے: ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

بھی احاطہ نہیں کر سکتی ہے کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ کے سوا کسی میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ کمالاتِ مصطفوی کا احاطہ کر سکے[1]۔ علاوہ بریں جو اللہ ربّ العزت نے اگلے جہان میں شایانِ شان منازل، مقدس درجات اور سعادت و خوبی کے مراتب اس کثرت سے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص فرمائے ہیں جن کا احاطہ عقل کی حد سے باہر ہے بلکہ یہاں تو مُرغانِ وہم و گمان کے بھی پَر جل جاتے ہیں۔

اگر تو کہے اللہ تعالیٰ تجھے سرفراز فرمائے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدر و منزلت اور عزت و عظمت کے لحاظ سے دارین میں سب سے ممتاز ہیں جیسا کہ اس کے دلائل و شواہد اظہر من الشمس ہیں اور اس امر کا اجمالی بیان بڑے خوب صورت انداز میں ہو چکا اور خواہشمند ہے کہ تفصیلی بیانات[2] پر مطلع ہو کر اپنی کشتِ ایمان کو سیراب اور گلشنِ دین کو بہاروں سے ہم آغوش کرے تو اے طالبِ صادق! اللہ تعالیٰ تیرے اور ہمارے دلوں کو منوّر فرمائے اور عشقِ مصطفیٰ کی جتنی دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے اس سے بدرجہا زیادہ اور عطا فرمائے۔

جاننا چاہیے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن عالیہ ایسے ہیں جن میں کسب کو قطعاً دخل نہیں بلکہ وہ آپ کی جبلت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدسہ میں فطری محاسن و کمالات اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ کوئی کمال اس احاطے سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث میں جو آپ کے حُسن و جمال کا چرچا ہے ان کی صحت میں کلام نہیں بلکہ بعض اخبار و آثار تو صحت سے قطعیت اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے

---

[1] خاتم المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

مایمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

[2] محبت کی بیداری کے ایسے ہی مواقع کے بارے میں تو اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ: ؎

باغِ عرب کا سروِ ناز، دیکھ لیا ہے ورنہ آج
قمریِ جانِ غمزدہ، گونج کے چہچہائی کیوں

ہوئے ہیں۔ آپ کے حُسنِ جمال اور تناسبِ اعضاء کے بیان میں آثارِ صحیحہ، کثیرہ، مشہورہ وارد ہیں۔
ایسی احادیث حضرت علی اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کا رنگ اُجلا تھا، آنکھیں سیاہ، گہری اور قدرے سُرخی مائل تھیں۔ رنگ ایسا سفید تھا جو سُرخی کی جانب مائل ہو۔ آنکھوں کے بال لمبے تھے۔ دونوں حاجب جدا اور لمبائی میں اُن پر باریک بال تھے۔ ناک لمبی اور منوّر تھی۔ سامنے والے دانت ایک دُوسرے سے جُدا تھے۔ چہرہ کسی قدر گول، پیشانی کشادہ، ریش مبارک بھاری جو سینۂ اقدس کو ڈھانپ لیتی تھی۔ سینہ اور شکم مبارک برابر رہتے تھے۔ صدرِ انور کشادہ، بڑے جوڑ موٹے۔ بازو، کلائیاں اور پنڈلیاں بھاری، ہاتھوں اور پیروں کی اُنگلیاں موٹی اور لمبی تھیں۔ جسم پر بال بہت کم تھے۔ سینۂ فیض گنجینہ سے ناف تک بالوں کی ہلکی سی دھاری تھی۔ میانہ قد یعنی نہ زیادہ لمبے نہ بہت چھوٹے۔ لیکن لمبے قد والا آدمی بھی آپ کے برابر چلتا تو اُونچے آپ ہی معلوم ہوتے۔ بال شکن دار تھے۔ جب تبسم فرماتے تو بجلی کی روشنی یا بادلوں کی چمک کی طرح دہن مبارک کھلتا اور جب کلام فرماتے تو سامنے والے اُوپر اور نیچے کے دانتوں سے نُور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ حسین ترین گردن تھی جو زیادہ لمبی یا بہت چھوٹی نہ تھی۔ آپ زیادہ فربہ نہ تھے۔ چہرۂ پُرنور بالکل گول نہ تھا۔ جسم چھریرا اور کم گوشت تھا۔ (صلی اللہ علیک یا صاحب الجمال والکمال)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کانوں کی لَو تک بال رکھنے والے کسی شخص کو سرخ لکیروں والی چادر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا خُوب صُورت نہیں دیکھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے کسی کو تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حسین نہیں دیکھا۔ آپ کی جانب دیکھنے سے یُوں محسوس ہوتا جیسے سورج کی شعاعیں اس چہرۂ پُرنور میں تیر رہی ہیں[1] اور تبسم فرماتے تو سامنے کے در و دیوار

---

[1] اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں! میں جانِ تجلّی کہوں تجھے
(اعلیحضرت)

منور ہو جاتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اُن سے ایک آدمی نے پُوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا چہرۂ انور تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ شمس و قمر جیسا نورانی اور گولائی کی جانب مائل تھا۔

حضرت اُمِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کے اوصافِ عالیہ کا کیا ٹھکانا؛ اگر آپ کو دُور سے یا قریب سے دیکھتے ہر حالت میں حسین و جمیل ہی نظر آتے تھے۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا حضرت علی نے آپ کی مدح و ثنا کرتے ہُوئے آخری وصف یہ بیان کیا کہ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا وہ ڈر جاتا اور جو ملتا جُلتا رہتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ کے اوصاف بیان کرنے والا یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا حسین و جمیل نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں ہی ایسا کوئی نظر آیا ہے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کی نظافت، ریح اور پسینے کی خوشبو اور غلاظت سے پاکیزگی اور عوراتِ جسمانی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جو کسی اور کو عطا نہیں فرمائی گئیں حالانکہ آپ کی اِن خصوصیات کو شرعی نظافت اور پاکیزگی والے دس فطری خصائل عطا فرمانے کے ساتھ کامل و مکمل کر دیا تھا اسی لیے تو آپ نے فرمایا ہے کہ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عنبر، کستوری اور کسی بھی خوشبودار چیز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ریحِ اطہر سے زیادہ خوشبو نہیں سُونگھی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس میرے رخسار سے لگایا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کا دستِ مکرم ٹھنڈا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی عطار کی صندوقچی سے نکالا ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا بیان ہے کہ اگر کوئی خوشبو لگائے یا نہ لگائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

لہ اسی لیے تو ہر مومن بارگاہِ رسالت میں یُوں عرض گزار ہوتا ہے: ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے، چمکانے والے (اعلیحضرت)

علیہ وسلم سے مصافحہ کرلیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا اور جب وہ نورِ مجسّم کسی بچّے کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو ایسا بچّہ دُوسرے بچّوں میں سے پہچان لیا جاتا تھا۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم، نورِ مجسّم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس راستے سے گزر جاتے اُدھر آنے جانے والوں کو آپ کی خوشبو کے باعث پتہ لگ جاتا تھا کہ آپ کا اس راستے سے گزر ہُوا ہے[1]۔ حضرت اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ و التسلیم کا اِس درجہ معطّر ہونا پیدائشی اور فطری تھا کسی قسم کی خوشبو لگانے کے باعث نہ تھا۔

اسحاق بن راہویہ نے دیگر چند احادیث آپ کے پسینۂ مبارک اور فضلاتِ طاہرہ کے خوشبو دار ہونے کے بارے میں ذکر کی ہیں نیز امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھیوں سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیشاب اور پاخانے کی طہارت نقل کی اور بطور ثبوت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے، جیسا کہ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مَیں نے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دیا جیسا کہ میت سے نجاست خارج ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے تو اُس موقع پر عین الیقین کی خاطر مجھے اس امر کی جستجو ہُوئی، تو ایسی کوئی چیز نہ پا کر بے ساختہ کہنا پڑا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جس طرح آپ زندگی میں پاک صاف تھے وصال کے بعد بھی آپ کی طہارت میں سرِ مُو فرق نہیں آیا، ساتھ ہی آپ کے جسدِ اطہر سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اُس جیسی خوشبو کبھی سونگھنی نصیب نہ ہُوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کے جسمِ معطّر کے بارے میں ایسا ہی منقول ہے جبکہ وصال کے بعد آپ کو بوسے دیئے گئے تھے۔ بعض صحابۂ کرام نے آپ کا خُون اور کئی حضرات نے حضور کا پیشاب بھی پیا ہے لیکن اِس کے باوجود اُن میں سے کسی کو آپ نے

---

[1] امام احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں

جس راہ چل دیئے ہیں کُوچے بسا دیئے ہیں

کُلّی تک کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ آئندہ ایسا کرنے سے ہی منع فرمایا۔

وُہ جانِ جہاں اس حالت میں پیدا ہُوئے تھے کہ ختنہ ہو چکا تھا اور پیدائشی ناف بریدہ تھے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ بوقتِ پیدائش اس شہکارِ دستِ قدرت کے جسم پر کسی قسم کی کوئی نجاست نہ تھی، بالکل پاک صاف تشریف فرمائے عالم ہُوئے تھے۔

حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وافر عقل، ذکاوت و دانشمندی، قوّتِ حواسِ مدرکہ، فصاحتِ زبان و بیان، حرکات کا اعتدال اور حُسنِ اخلاق کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ تمام انسانوں سے زیادہ عقلمند اور ذہین و فہیم تھے۔ اگر صاحبِ علم و دانش آپ کی اُن تدابیر کے ظاہر و باطن میں غور کرے جو آپ نے اصلاحِ نفوس کے لیے اختیار کیں، نفعِ عوام و خواص کی خاطر جو سیاست متعین فرمائی نیز اپنے تعجب خیز اخلاقِ حسنہ اور دنیا کو امن و امان کا گہوارہ بنا دینے والی سیرتِ مقدسہ پیش فرمائی جس کے سونے پر فیضانِ علم سہاگے کا کام کر رہا ہے اور شرعی قوانین کو جس محیر العقول دانشمندی سے مقرر اور بیان فرمایا ہے حالانکہ اِن امور کا پڑھنے، تجربہ کرنے اور مطالعۂ کتب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں تو ماہر ناظر کو آپ کی عقل کے زاویۂ نظر اور فہم و فراست کی روشنی میں کسی قسم کا شک و شبہ پہلی نظر میں بھی لاحق نہیں ہوگا۔ مذکورہ بالا بیان ایسا تحقیق کے سانچے میں ڈھلا ہُوا اور مسئلہ ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اکہتّر آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور سب میں یہی لکھا ہُوا پایا ہے کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے عقلمند اور رائے میں افضل ہیں۔ اُن کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مذکورہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل سے ساری دنیا کی مجموعی عقل کو وہی نسبت ہے جو سارے عالم کے ریگ ہائے ذرّات سے ایک ذرّے کو ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح سامنے کی چیزوں کو دیکھتے تھے۔ اسی طرح پیچھے کی چیزیں بھی آپ کو نظر آتی تھیں نیز آپ

تمام انسانوں سے بڑھ کر طاقتور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے وقت کے نامی گرامی پہلوان رکانہ کو آپ نے ایک لمحہ میں پچھاڑ دیا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تیز چلنے والا کوئی نہیں دیکھا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا زمین آپ کے سامنے سے سمٹتی جارہی ہے۔ آپ حبیب بالکل آرام سے چل رہے ہوتے اُس وقت بھی ہم تیز چلنے کی پوری کوشش کرتے تو ساتھ چل سکتے۔ آپ کا ہنسنا صرف تبسم تک محدود تھا۔ جب کسی کی جانب توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے تھے۔ چلتے وقت آگے کو ذرا سا جھکاؤ رکھتے۔ جیسے کسی اُونچی جگہ سے اُترا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اُس خلیفۂ اعظم کو زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت میں وُہ امتیازی شان حاصل تھی کہ آپ کے اِس اعلیٰ منصب سے کوئی سلیم الطبع بے خبر نہیں۔ کسی بلند ہمت، کم گو، فصیح البیان، ماہرِ علم و فن، غوّاصِ معانی اور تکلف سے بچنے والے سے یہ امر مخفی نہیں کہ:

اوتی جوامع الکلم وخص ببدائع	آپ کو جامع کلمات دیے گئے اور نرالی
الحکم وعلم السنة العرب	حکمتوں کے ساتھ خصوصیت بخشی گئی۔
فکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	عرب کی تمام زبانیں سکھائی گئیں اسی لیے
یخاطب کل امة منهم بلسانها	آپ عرب کے ہر قبیلے والوں سے اُن کی
ویحاورها بلغتها ویباریها	بولی میں کلام فرماتے اور ان کی روزمرہ
فی منزع بلاغتها و اما کلامه	بول چال کا لحاظ رکھتے۔ ہر زبان میں گفتگو
المعتاد و فصاحته المعلومة	فرماتے ہوئے مخاطب پر بلحاظ بلاغت
وجوامع کلمه و حکمه	نمایاں غالب رہتے۔ آپ کی روزمرہ کی
الماثورة صلی اللہ علیہ وسلم	گفتگو، معروف فصاحتِ کلام،
فقد الف الناس فیها الدواوین	جامع کلمات اور حکمتِ بالغہ کو خصوصیت
وجمعت فی الفاظها ومعانیها	سے بیان کرنے کی خاطر کتنے ہی حضرات

الکتب وذکر جملہ من حکمہ و جوامع کلمہ صلی اللہ علیہ وسلم" (ص۱۵۱)

نے کتابیں مرتب کی ہیں جو آپ کے الفاظ و معانی کی خُوبیوں سے مزیّن ہیں اور اُن میں آپ کے تمام حکیمانہ ارشادات وجامع کلمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ان حضرات کو آپ کے چند جامع کلمات کا ذکر کرنے کے بعد یہی لکھنا پڑا کہ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار ہیں جیسا کہ ایک گروہ نے آپ کے بعض مقامات، محاضرات، خطبے، دُعائیں، مواعظِ حسنہ اور معاہدے وغیرہ نقل کیے ہیں لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا بلند ترین منصب ومرتبہ حاصل ہے جس پر کائنات کے کسی دُوسرے فرد کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ جملہ افرادِ کائنات سے اِس درجہ سبقت لے گئے ہیں کہ آپ کی رفعت کا کسی سے اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے کسی کو آپ سے بڑھ کر فصیح وبلیغ نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے اس راستے میں کوئی چیز حائل بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ خالق ومالک نے قرآن کریم کو عرب کی اُسی زبان میں نازل فرمایا ہے جو میری زبان ہے اور جس کو باری تعالیٰ نے "عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ" قرار دیا ہے۔ دوسرے مواقع پر اسی سلسلے میں فرمایا کہ میرا قریش سے ہونا اور قبیلۂ بنی سعد میں پرورش پانا علیحدہ بات ہے۔ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دیہاتیوں کے ساتھ ان کی زبان میں گفتگو کرنے اور شہریوں سے شستہ الفاظ اور دل آویز ورونق افروز طریق پر کلام فرمانا اکتسابی نہیں بلکہ تائیدِ الٰہی اور وحیِ ربانی کی کرشمہ سازی ہے جس کے باعث کوئی بشر آپ کے علم وعرفان کا اندازہ تک نہیں کر سکتا۔ حضرت اُمِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی توصیف میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شیریں کلام تھے۔ گفتگو کا ہر لفظ دوسرے سے جُدا ہوتا اور بغیر ضرورت کلام نہ فرماتے۔ آپ کا ہر بیان ایسا ہوتا جیسے ایک لڑی میں پروئے ہُوئے موتی۔ آپ کی آواز بلند اور دلکش تھی۔

فخر کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب کی شرافت اور آپ کے شہر اور جائے پیدائش کی عظمت محتاجِ بیان و دلیل نہیں اور نہ اس میں کوئی اشکال و اخفا ہے کیونکہ وہ سرورِ انس وجاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام بنی ہاشم و قریش میں آبا و اجداد کے لحاظ سے ممتاز اور سارے عرب میں شریف النسب اور معزز ترین ہیں جیسے کہ آپ کے والدین تھے۔ آپ اہلِ مکہ سے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک سب سے عظمت والا شہر ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہتر افراد میں منتقل ہوتا آیا ہوں یہاں تک اب جن میں پیدا ہوا ہوں وہ اس وقت سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے اُن میں سے جو بہتر تھے ان میں رکھا۔ پھر قبائل کا انتخاب فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر گھروں پر نظرِ انتخاب پڑی تو مجھے سب سے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ میں ذاتی اور نسبی لحاظ سے تمام انسانوں سے بہتر ہوں[1]۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چُن لیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کا انتخاب فرمایا۔ بنی کنانہ سے قریش کو ممتاز کیا۔ قریش سے بنی ہاشم کو چُنا اور بنی ہاشم میں بلحاظ عزت و عظمت مجھے سرفہرست رکھا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ کونین کے مختار،

---

[1] اسی مضمون کو ایک عربی شاعر نے یُوں باندھا ہے، سہ

قُرَیْشٌ خِیَارُ بَنِیْ اٰدَمٍ — وَخَیْرُ قُرَیْشٍ بَنُوْ هَاشِمٍ
وَخَیْرُ بَنِیْ هَاشِمٍ اَحْمَدٌ — رَسُوْلُ الْاِلٰهِ اِلَی الْعَالَمِ

[2] بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ — صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ (سعدی علیہ الرحمہ)

حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے بنی آدم کو معزز کیا، آدم علیہ السلام کی اولاد سے اہلِ عرب کو، اہلِ عرب سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرما لیا۔ پس میں ہمیشہ بہترین خاندانوں سے متعلق رہا ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ جو بھی اہلِ عرب سے محبت کرنے تو میری وجہ سے محبت کرے اور جو عرب کے کسی فرد سے نفرت کرے تو میرے ساتھ بغض رکھنے کے باعث نفرت کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

ان قریشا کان نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق ادم بالفی عام یسبح ذالک النور و تسبح الملئکۃ بتسبیحہ فلما خلق اللہ ادم القی ذالک النور فی صلبہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاھبطنی اللہ الی الارض فی صلب ادم و جعلنی فی صلب نوح وقذف بی فی صلب ابراھیم ثم لم یزل اللہ تعالیٰ ینقلبنی من الاصلاب الکریمۃ والارحام الطاھرۃ حتیٰ اخرجنی من بین ابوی لم یلتقیا علیٰ سفاح قط۔ (ص۱۹)

بیشک یہ قرشی النسل آقائے کائنات، آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بارگاہِ خداوندی میں بصورتِ نور موجود تھے۔ آپ کا نور باری تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح بیان کرتا اور اس نور کے ساتھ ملائکہ بھی تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو وہ نور ان کی پشت میں رکھا۔ فرمانِ رسالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صلبِ آدم میں زمین پر اُتارا۔ اُن سے نوح علیہ السلام اور اُن سے ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل کیا۔ یہاں تک کہ نیک اصلاب اور پاکیزہ ارحام سے اللہ تعالیٰ نے ایک دُوسرے کی جانب منتقل کرتے ہوئے میرے والدین کریمین سے مجھے پیدا فرمایا۔ یہ حضرات بدکاری کے سائے سے بھی دُور رہے۔

ضروریاتِ زندگی تین قسم کی ہیں: وہ جن کی قلت بہتر ہے۔ بعض وہ جن کی کثرت پسندیدہ ہے اور کچھ ایک ضروریات ایسی بھی ہیں جن کے حالات مختلف رہتے ہیں۔ عادت اور شریعت کے لحاظ سے جن کی قلت کمال سمجھی جاتی ہے وہ غذا اور نیند وغیرہ ہیں۔ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِن چیزوں میں سے اتنا قلیل حصہ اختیار فرمایا جس سے صرف یہی معلوم ہو سکے کہ ایسے امور آپ کی سیرتِ مبارکہ سے خارج نہیں رہے ہیں[1] اور یہی راستہ اختیار کرنے کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا اور رغبت دلائی ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں متعدد احادیث پیش کر کے اپنے بیان کو مدلل فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ دوسری قسم، جس کی کثرت قابلِ تعریف اور جس کی تکمیل باعثِ فخر ہے، اِس سے نکاح اور وجاہت وغیرہ امور مراد ہیں کیونکہ نکاح ایک ایسی چیز ہے جو مکمل مرد ہونے اور صحتِ ذکوریت کی علامت ہے۔ اس کی کثرت کے باعث لوگوں کا ایک دوسرے پر فخر کرنا ایک مشہور عادت ہے اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی تعریف کرنا زمانۂ قدیم سے مروج ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قوت کے حظِ وافر سے بہرہ ور تھے کیونکہ واہبِ مطلق نے یہ کمال بھی آپ کو پوری فیاضی سے مرحمت فرمایا تھا۔ اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے علاوہ لونڈیوں کے آپ پر اتنی عورتیں حلال کر دیں جتنی کسی دوسرے کے لیے حلال نہیں فرمائیں۔ ہم تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دن یا رات کے تھوڑے سے وقفے میں اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے پاس بھی تشریف فرما ہو جاتے تھے حالانکہ وہ گیارہ تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت عطا فرمائی گئی تھی، جیسا کہ نسائی شریف میں ہے جبکہ دیگر محدثین نے چالیس آدمیوں کی طاقت نقل کی ہے۔

---

[1] امام احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے: ؎

کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

آپ کی آزاد کردہ لونڈی حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی نو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے نیز ایک سے فارغ ہونے اور دوسری تک جانے سے پہلے غسل بھی فرما لیا کرتے تھے اور تلقین فرمایا کرتے کہ اس صورت میں غسل کر لینا طہارت پسندی اور انتہائی پاکیزگی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بلحاظ عادات دوسرے لوگوں پر چار وجہ سے فضیلت مرحمت فرمائی گئی ہے: (۱) سخاوت (۲) شجاعت (۳) کثرتِ جماع (۴) قوتِ بازو

جہاں تک وجاہت کا تعلق ہے تو عقلاء نے اِسے اوصافِ مدح میں ہی شمار کیا ہے کیونکہ وجاہت کے مطابق ہی لوگوں کی نگاہوں میں قدر و منزلت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ — رو دار ہو گا دنیا اور آخرت میں

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ۔[۱] — اور قرب والا۔

لیکن وجاہت کے راستے میں بے شمار آفات ہیں جو بعض لوگوں کے لیے اگلے جہان میں نقصان کا باعث ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کی ضد کو قابلِ تعریف ٹھہرایا ہے۔ شرع میں عاجزی و انکساری کی تعریف کی گئی ہے جبکہ زمین میں اکڑ خانی دکھانے کو مذموم قرار دیا ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ شانہٗ نے جاہ و حشمت کی دولت سے مالا مال فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی قدر و منزلت کا سکہ بٹھایا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے جاہلوں تک کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزین کر دی جبکہ اعلانِ نبوت کے بعد کافر آپ کی تکذیب کرتے اور اِس طرح صحابۂ کرام جیسے شمعِ رسالت کے عدیم النظیر پروانوں کو تکلیف پہنچاتے اور اس ناز یبا حرکت سے آپ کو پریشان کرنا مقصود ہوتا کیونکہ جب وہ آپ کے رُو برو ہوتے تو عزت کیسے ہی بنتی تھی اور اگر انھیں کوئی حاجت ہوتی تو آپ بھی اسے پورا کرنے سے دریغ نہیں فرمایا کرتے تھے[۲] اور کتبِ احادیث میں ایسے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

---

[۱] پارہ ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۴۴

[۲] وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا (حالی)

اگر کسی نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا پہلے دیکھا نہ ہوتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور رُعب چھا جاتا تھا۔ چنانچہ قیلہ نے جب آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو مارے خوف کے لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: اے غریب عورت! سکون و اطمینان کا دامن تھام۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ آپ کے رُعب کی وجہ سے کانپنے لگا۔ ہادیِ برحق نے فرمایا کہ ڈرتے کیوں ہو میں کوئی دنیاوی بادشاہ ہُوں؟

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ نبوت میں آپ کو عدیم المثال قدر و منزلت اور رسالت میں انتہائی عزّ و شرف والا منصب حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو جو مقامِ اصطفا حاصل ہے، وہ قدر و منزلت کی انتہا ہے، اس کے باعث آپ دنیا میں سب سے ممتاز اور آخرت میں بھی جملہ اولادِ آدم کے سردار ہوں گے۔

اسی سلسلے کی تیسری قسم کہ جس میں تعریف، افتخار اور فضیلت کی حالت مختلف رہتی ہے مثلاً مال کی کثرت ہو لیکن مالک محض اپنی ضروریات میں کُھل کر خرچ کرتا ہے تو دنیا دار لوگ اُس کی تعریف کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ دنیاوی لحاظ سے وہ اِسے فضیلت اور برتری شمار کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص راہِ خدا میں دِل کھول کر خرچ کرتا ہے اور اُس کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو تو قیامت کی سُرخروئی بہر حال اس کا مقدر ہو کر رہے گی اور اُس کی فضیلت سب کے نزدیک مسلّمہ ہے۔ اگر صاحبِ مال خرچ ہی نہ کرے تو بخل کی ندامت اور کمینگی کے شرمناک گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کیا جائے تو آفتابِ نصف النہار کی طرح آپ کی عادات واضح نظر آئیں گی کیونکہ باوجود اس کے کہ زمین کے جملہ خزانے اور دنیا کی چابیاں باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مرحمت فرما دیں[1]۔ غنائم آپ کے لیے حلال

---

[1]
مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
(اعلیحضرت)

کر دیئے جبکہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھے، آپ کی حیاتِ طیبہ میں حجاز کا علاقہ، یمن، عرب کے جزائر اور گردونواح میں شام و عراق وغیرہ فتح کر لیے گئے، جہاں سے آپ کے پاس خُمس جزیہ اور صدقات آتے تھے حالانکہ کسی بادشاہ کو اس کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا، علاوہ بریں کتنے ہی بادشاہوں نے آپ کی بارگاہ میں ہدایا اور تحفے بھیجے مگر آپ نے دولت کو اپنے پاس جگہ نہ دی بلکہ دوسروں میں تقسیم فرما دیا کرتے۔ چاروں طرف سے دولت آتی اور قدم بوسی کرتی لیکن اس کے ذریعے آپ دوسروں کو دولت مند بناتے رہتے تھے اور مسلمانوں کی طاقت کو مضبوط کرتے تھے۔

فرمانِ رسالت ہے کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو اس میں سے مجھے ایک دینار کے برابر سونا اپنے پاس رکھ کر رات گزارنا منظور نہیں ماسوائے اس کے کہ کسی کا قرض ادا کرنا ہو۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ دینار آئے جنھیں آپ نے تقسیم فرمایا لیکن کچھ بچے رہے جو اپنی کسی زوجۂ مطہرہ کے پاس رکھ دیئے اور ان کے باعث ساری رات بے چینی سے گزاری اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوئے جب تک صبح اٹھتے ہی انہیں تقسیم نہ فرما دیا۔ حد تو یہ ہے کہ بوقتِ وصال آپ کی زرہ خانگی ضروریات کے باعث کسی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ آپ گھریلو اخراجات، لباس اور مکان وغیرہ کے بارے میں اتنی مقدار پر اکتفا فرماتے تھے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو اور اس کے علاوہ کو زائد از ضرورت سمجھتے اور اس سے اعراض فرماتے تھے۔

اُس خواجۂ کونین کی یہ حالت تھی کہ جو لباس میسر آجاتا وہی پہن لیتے۔ عموماً دستار، معمولی کمبل اور موٹی چادر زیبِ تن فرماتے۔ سونے سے مرصع ریشمی کوٹ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور جو وقت پر موجود نہ ہوتا اس کا حصہ محفوظ کر دیتے کیونکہ لباس کے ذریعے فخر کرنا یا زینت چاہنا عزت و شرف کے خصائل سے نہیں ہے بلکہ یہ تو عورتوں کی عادات میں سے ہے۔ ہاں اچھا لباس وُہ ہے جو صاف ستھرا اور عام طور پر پہنا جائے۔

شاندار اور وسیع مکانات اور کثرتِ خدام وغیرہ کو باعثِ فخر سمجھنا بھی غلط ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ایک شخص دنیا و مافیہا کا بادشاہ ہو اس کے باوجود زُہد و قناعت اختیار کرے، اپنے پاس رکھنے سے نفرت کرتا ہو اور اسی وجہ سے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا ترک کر دے۔ یہ مال کے سلسلے میں ایسی مقدس عادت ہے جو سب کے نزدیک باعثِ فضیلت ہے اور یہ ہے وُہ

خصلتِ حمیدہ جو سرمایۂ افتخار ہے۔ چنانچہ مال سے اس طرح اعراض کرنا اور فانی ہونے کے باعث اُس کی جانب رغبت نہ رکھنا بلکہ دوسرے جن مقامات پر اسے خرچ کر دینا چاہیے وہاں خرچ کر دینا، بڑ قابلِ ستائش ولائقِ تحسین عادتِ مبارک انسانی کمال کی معراج ہے۔ بہرحال خصائل مکتسبہ، اخلاقِ حمیدہ اور آدابِ شرعیہ کے لحاظ سے ایسے شخص کے صاحبِ فضل وکمال ہونے پر تمام عقلاً کا اتفاق ہے عقلاً کا اُس شخص کی فضیلت پر بھی اتفاق ہے جو ان میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف ہو یا اُس میں ایک سے زیادہ اوصاف پائے جائیں۔

شریعتِ مطہرہ نے ایسے تمام اشخاص کی تعریف کی ہے اور ایسی عادات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو سارے اوصافِ حسنہ سے متصف ہو اُس کے لیے دائمی سعادت کا وعدہ کیا ہے اور بعض نیک عادتوں کو اجزائے نبوت ٹھہرایا ہے جنھیں حُسنِ اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور وہ نفس کے قویٰ واوصاف میں اعتدال اور میانہ روی ہے یعنی ایسا درمیانی راستہ جس میں کسی جانب انحراف نہ ہو۔

مذکورہ بالا جملہ اوصافِ کمالیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خُلق کا حصہ ہیں۔ آپ کمال میں ان کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور غایت کے لحاظ سے اعتدال پر تھے۔ اسی لیے تو باری تعالیٰ شانہٗ نے خُلقِ محمدی کی توصیف میں اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[1] فرمایا ہے یعنی اے محبوب! خُلق کے لحاظ سے بھی تم عظیم منصب پر فائز ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا خُلق قرآن تھا۔ آپ کی رضامندی اور ناراضگی اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کے ساتھ تھی۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بلحاظِ خُلق آپ سب سے اچھے تھے، جیسا کہ محققین نے ذکر کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اخلاقِ حسنہ کے

---

[1] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے کہا ہے: ؎

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا، تری خلق کو رب نے جمیل کیا

کوئی تجھ سا ہُوا ہے نہ ہوگا شہا، ترے خالقِ حُسن و ادا کی قسم

زیور سے پیدائشی طور پر مزین کیا گیا تھا اور یہ کمالات آپ کی اصل فطرت میں داخل تھے جن میں کسب کا دخل نہیں تھا اور نہ ریاضت کا۔ یہ جُودِ الٰہی اور باری تعالیٰ شانہٗ کی نرالی کرم نوازی ہے، جس سے علیٰ قدر مراتب جملہ انبیائے کرام کو نوازا گیا تھا۔ جو شخص انبیائے کرام کے بچپن سے اُن کے ادوارِ نبوت تک کی سیرتوں کا مطالعہ کرے تو اُس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت سلیمان اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

مفسّرین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون بنت وہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق خبر دی کہ جب وُہ جانِ حیات رونق آرائے گیتی ہُوئے تو آپ نے زمین کی جانب ہاتھ پھیلائے ہُوئے تھے اور سرِ اقدس آسمان کی طرف اٹھایا ہُوا تھا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میں بڑا ہُوا تو دیکھا کہ بُتوں اور شاعری سے مجھے پیدائشی طور پر نفرت ہے۔ میں نے کسی ایسے کام کا کبھی ارادہ تک نہیں کیا جو دورِ جاہلیت میں معمول بنے رہے تھے، ہاں دُو مرتبہ ایسا ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور مَیں نے پھر کبھی ان کی جانب توجہ بھی نہ فرمائی۔ ان مذکورہ دونوں مواقع پر آپ نے جہلاء کے غناء اور محفل لہو و لعب میں کسی مصلحت کے تحت جانے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارادے کو دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ نے پُورا نہ ہونے دیا۔

عقلِ مصطفیٰ

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و تحقیقی جواہرات سے مزید جواہر ریزے پیشِ خدمت ہیں۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقِ محمودہ اور عاداتِ جمیلہ تو شمار سے باہر ہیں لیکن ہم اُن کے اصول کا ذکر کریں گے اور اشارے تمام اوصاف کی جانب کر دیئے جائیں گے۔ یہ التزام رہے گا کہ آپ کی صفات کو میزانِ تحقیق پر تول کر پیش کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جملہ اوصاف کے فروع کی اصل، اُن کا چشمہ اور اس سارے دائرے کا مرکزی نقطہ عقل ہے۔ اسی سے علم و معرفت کے چشمے پُھوٹتے ہیں۔ اسی سے روشن خیالی،

ذہن کی تیزی، رائے کی درستی اور گمان کی صداقت حاصل ہوتی ہے۔ اسی کے باعث مستقبل پر نظر رکھنے، اصلاحِ نفس کے طریقے، شہوت سے مجاہدہ، حُسنِ سیاست وحُسنِ تدبیر، فضائل کی تحصیل اور رذائل سے اجتناب کی خوبیاں متفرع ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلحاظ علم کے ایسے منصب پر فائز تھے جہاں تک آپ کے سوا کسی بشر کی رسائی نہیں ہوئی۔ عقلِ مصطفیٰ کی جلالت وعظمت ہر اُس شخص پر بخوبی واضح ہے جس نے آپ کے احوال واخلاق کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو، نیز جامع کلمات، شمائل حسنہ، عاداتِ مبارکہ اور ارشادات کی حکمتوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھا ہے۔ آپ کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کی خاطر توریت وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کے مندرجات، حکماء کی حکمتیں، گزشتہ اُمتوں کے حالات وواقعات، ضرب الامثال، لوگوں کی سیاسیات، شرعی احکام، پسندیدہ آداب، اچھے اطوار جو مختلف علوم وفنون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور جنھیں علمائے کرام سند ٹھہراتے اور آپ کے اشاروں کو عبارت کی طرح حُجت قرار دیتے ہیں اور طب، ریاضی، وراثت و میراث اور انساب وغیرہ ایسے علوم وفنون ہیں جن میں آپ کے بے شمار معجزات ہیں حالانکہ آپ نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا اور نہ گزشتہ اُمم کی کتابوں ہی کا مطالعہ کیا تھا اور نہ اُن کے علماء سے مجالست رہی کیونکہ آپ تو اُمّی نبی تھے۔ مذکورہ علوم وفنون کے بارے میں آپ نے کسی سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو کھول دیا تھا اور آپ کے مقصد کو ظاہر فرما دیا اور آپ کو خود تعلیم دی جو آپ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پہلی نظر ہی میں ماننا پڑ جاتا ہے اور آپ کی نبوت کا قطعی ثبوت نظر آنے لگتا ہے۔ ہم ایسے جملہ واقعات وقضایا کو کیسے بالتفصیل بیان کریں جب کہ عقلِ انسانی اُن کی متحمل نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی اُن کا احاطہ کرسکتا ہے۔ علوم ومعارفِ مصطفیٰ کی وُسعت بھی آپ کی عقل ہی کے مطابق ہے جیسا کہ مرقوم ہے:

الی سائر ما اطلعه الله علیه من	وُہ تمام علوم جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو
علم ما یکون وما کان و	مطلع فرمایا یعنی جو ہوا اور جو کچھ ہوگا نیز اپنی قدرت کے
عجائب قدرته وعظیم ملکوته	عجائبات اور اپنی عظیم بادشاہی کا علم،
قال الله تعالیٰ وعلمك ما لم	جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اے
تکن تعلم وکان فضل الله	محبوب! ہم نے تم کو سکھا دیا وہ سب کچھ

عليك عظيما o حارت العقول	جو تم نہ جانتے تھے اور تم پر اللہ کا فضلِ عظیم
فی تقدیر فضلہ علیہ وخرست	ہے۔ آپ کے فضل و کمال کا اندازہ کرنے
الالسن دون وصف یحیط	میں عقلیں حیران اور آپ کی توصیف کے
بذلك او ینتهی الیه ۔صلی	میدان میں زبانیں گونگی ہیں۔ یہ چیزیں نہ
اللہ علیہ وسلم۔ (ص۲۲)	اُن کا احاطہ کر سکتی ہیں اور نہ وہاں تک
	پہنچ سکتی ہیں۔

حلم، عفو، صبر علم اور قدرت کے باوجود درگزر کرنے نیز تکالیف پر صبر کرنے کی باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو تعلیم دی جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ	اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور
وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ o [1]	بھلائی کا حکم دو، اور جاہلوں سے منہ
	پھیر لو۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کی تاویل کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے عرض کروں گا، اور چلے گئے۔ دوبارہ حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو تم سے تعلقات منقطع کرنا چاہے اُسے ملاؤ، جو محروم رکھے اُسے بھی عطا فرماؤ اور جو ظلم کرے اُسے بھی معاف کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام حکم بھی دیا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ [2]	اور جو افتاد تجھ پر پڑے اُس پر
	صبر کر۔

نیز یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

۱۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ	تو تم صبر کرو، جیسا ہمت والے رسولوں

---

[1] پ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۹۹

[2] پ ۲۱، سورہ لقمان، آیت ۱۷

مِنَ الرُّسُلِ [1] — نے صبر کیا۔

۲۔ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا [2] — اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور چاہیے کہ درگزر کریں۔

۳۔ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [3] — اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلم جیسا کہ منقول ہے، وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کونسا حلیم اور بُردبار ہوگا جس سے ایسے مواقع پر لغزش سرزد نہ ہُوئی ہو یا کوئی نامناسب بات کبھی اُس کے مُنہ سے نہ نکلی ہو؟ آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، جُہلا نے زیادتی کرنے اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن آپ نے صبر اور بُردباری کے دامن کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چھوڑا بلکہ خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم ملا، تو آپ نے اُن میں سے آسان ہی کو پسند فرمایا، جبکہ اُس کے کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، اگر شرعی قباحت ہوتی تو دوسروں کی نسبت آپ اُس سے زیادہ دُور رہتے تھے۔ اُس مجسمۂ رحمت نے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہ لیا، ہاں جب کوئی باری تعالیٰ شانہٗ کی متعین کردہ حدود کو پامال کرنے کی کوشش کرتا تو اُس پر حد ضرور قائم فرماتے تھے۔

روایت ہے کہ جب غزوۂ اُحد کے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے والے دندان مبارک کسی کا تیر لگنے سے شہید ہُوئے اور چہرہ زخمی ہوگیا، تو صحابۂ کرام کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہُوا اور وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہُوئے کہ کفّار کی تباہی و بربادی کے لیے دُعا فرما دیجئے۔ اُس سراپا رافت و جانِ رحمت نے فرمایا کہ مجھے لعنت بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا گیا ہے،

---

[1] پ ۲۶، سورہ احقاف، آیت آخری — [2] پ ۱۸، سورہ النور، آیت ۲۲

[3] پ ۲۵، سورہ الشوریٰ، آیت ۴۳

بلکہ میں راہِ ہدایت کی جانب بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]۔ یہ فرما کر بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہوئے: اے اللہ! میری قوم کو راہِ ہدایت دکھا دے کیونکہ یہ لوگ مجھے جانتے پہچانتے نہیں ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے جس عظیم الشان فضل، غایت درجہ احسان، کریم النفسی اور انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا وہ سب کے لیے دعوتِ غور و فکر ہے۔ ملاحظہ تو فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے جواب میں سکوت پر بھی اکتفا نہ فرمایا بلکہ زبانِ مبارک سے معافی کا اعلان فرما دیا۔ مزید برآں یہ شفقت و رحمت فرمائی کہ بارگاہِ رب العزت میں اُن کی بخشش اور ہدایت کے لیے دستِ دُعا دراز فرمائے۔ ساتھ ہی اس شفقت و مہربانی کا سبب بھی بارگاہِ خداوندی میں قَوْمِیْ کے لفظ سے بیان کر دیا اور فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کے ذریعے اُن کی جانب سے عذر بھی پیش کر دیا۔

جب ایک آدمی نے تقسیمِ غنائم کے وقت آپ پر اعتراض کیا کہ عدل کیجئے، آپ کی تقسیم اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہے۔ اس کا جواب آپ نے ایسے الفاظ میں دیا، جن سے اُس کی جہالت بھی واضح ہو جائے اور نصیحت بھی فرما دی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تجھ پر افسوس ہے، اگر میں بھی عدل نہیں کرتا تو اور کون ہے جو عدل و انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو خسارے میں رہ جاؤں گا۔ بعض صحابہ کرام نے اسے قتل کرنا چاہا تو رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُنہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

ایک غزوہ میں آپ کسی درخت کے نیچے بوقتِ دوپہر تنہا قیلولہ فرما رہے تھے کہ اچانک غورث بن حارث ارادۂ قتل سے آپ کے پاس آ پہنچا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اِدھر اُدھر قیلولہ فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لیے کھڑا ہے۔ غورث نے کہا کہ میرے وار سے تمہیں کون بچائے گا؟

---

[1] دمِ نزع یوں محوِ دیدار کرنا
کہ مشکل ہو آساں مدینے کے والی (اختر شاہجہانپوری)

آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ : اللہ — اتنا سنتے ہی اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وُہ تلوار اُٹھالی اور فرمایا : بتا اب تجھے کون بچائے گا ؛ وُہ عرض گزار ہُوا کہ بہتر قابُو پانے والا ہی ثابت کیجئے یعنی چھوڑ دیجئے تو آپ نے درگزر کرتے ہُوئے اُسے جانے کی اجازت دے دی ۔ جب وُہ اپنی قوم کے پاس پہنچا تو کہنے لگا کہ میں بہترین انسان کے پاس سے تمہاری طرف آیا ہُوں ۔

آپ کے عفو و درگزر کے بارے میں یہ واقعہ کتنا عظیم الشان ہے کہ ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو کھلایا ۔ یہ بھی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اُس عورت نے اپنے ارتکابِ جرم کا اقرار بھی کر لیا تھا ، اس کے باوجود آپ نے اُسے معاف فرما دیا ۔ اسی طرح لبید بن اعصم نے آپ پر جادُو کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اس واقعے کی ساری تفصیلات سے مطلع کر دیا ۔ اِس کے باوجود آپ نے اُس پر عتاب نہ فرمایا اور نہ کوئی انتقامی سلوک ہی کیا ۔ ایسے ہی منافقین کے سرگروہ ، عبداللہ بن اُبیّ بن سلول اور اس کے ساتھیوں سے جو ناروا حرکتیں آپ کے حق میں صادر ہوئیں ، اُن پر مواخذہ نہ فرمایا بلکہ جس شخص نے بعض منافقین کے قتل کا ارادہ کیا تھا ، اسے یہ کہتے ہُوئے منع فرمایا کہ ایسا کرنے سے دشمنوں کو یُوں طعنہ زنی کا موقع مل جائے گا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اور آپ کے اُوپر ایک موٹی چادر تھی ۔ کوئی اعرابی آیا اور اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ رگڑ سے آپ کی گردن مبارک سُرخ ہوگئی ۔ اس کے بعد اعرابی کہنے لگا کہ آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا دیا ہُوا مال ہے ، مجھے اُس میں سے دو اُونٹ عنایت فرمائیے اور یہ اُونٹ مجھے آپ اپنے مال سے یا اپنے باپ کے مال سے تو نہیں دیں گے ۔ اِس پر آپ خاموش رہے اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مال تو واقعی اللہ تعالیٰ کا ہے اور مَیں تو اُس کا بندہ ہُوں ۔ لیکن اے اعرابی ! تُو نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اُس کا تجھ سے بدلہ لیا جائیگا اعرابی نے عرض کیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ۔ وجہ پُوچھی کہ بدلہ کیوں نہ لیا جائے گا تو اعرابی نے

وضاحت کی کہ آپ بُرائی کے جواب میں کسی سے بُرا سلوک کرتے ہی نہیں۔ اتنا سُن کر ہادیٔ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسکراتے ہُوئے حکم صادر فرمایا کہ اسے ایک اُونٹ پر جَو اور دُوسرے پر کھجوریں لاد کر دے دیجیے[1]۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی زیادتی کا انتقام لیتے ہُوئے کبھی نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے محارم کا احترام ہوتا ہو۔ آپ نے جہادِ فی سبیل اللہ کے علاوہ اور کسی وقت، کسی شخص کو اپنے ہاتھوں نہیں مارا اور نہ میں نے یہ دیکھا کہ کسی خادم یا عورت کو مارا ہو۔ آپ کی بارگاہ میں ایک شخص کو گرفتار کر کے لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس کے تھرتھرانے پر آپ نے فرمایا: گھبراؤ مت، اگر تم ایسا ہی ارادہ رکھتے ہو تو مجھے ہرگز قتل نہ کر سکو گے۔

زید بن سعنہ مسلمان ہونے سے پہلے بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہوا اور قرض کا مطالبہ کرنے لگا اس کے ساتھ ہی آپ کے کندھے سے کپڑا پکڑ کر زور سے کھینچنے اور سخت کلامی کرنے لگا۔ اُس نے کہا: اے بنی عبد المطلب! تم قرض ادا کرنے میں بہت سُست ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے ڈانٹا اور سخت الفاظ میں جواب دینا شروع کر دیا تو اس معلّمِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم ریز لہجے میں فرمایا: اے عمر! اس انتقامی گفتگو کی نسبت ہمیں نصیحت کی زیادہ ضرورت تھی آپ مجھ سے جلدی قرض ادا کرنے کے لیے کہتے اور اسے نصیحت کرتے کہ قرض کا مطالبہ اچھے طریقے سے کرنا چاہیے۔ اس کے بعد آپ نے زید بن سعنہ سے کہا کہ ادائیگی کی مقررہ میعاد میں تو ابھی تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیجیے اور اسے خوف زدہ کرنے کے عوض بیس صاع زیادہ دیجیے۔ یہی واقعہ زید بن سعنہ کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے نبوت کی تمام نشانیاں نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں

---

[1] فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

دیکھیں اور پہچان لی تھیں۔ صرف دو امور باقی رہ گئے تھے جن کی مجھے تجربہ نہ تھی۔ ایک یہ کہ آپ کے حوصلے اور بُردباری کو جہل پر سبقت ہے۔ دُوسرے یہ کہ آپ کے ساتھ جاہلانہ سلوک کرنا آپ کے صبر و تحمل کو زیادہ ہی کرتا ہے۔ جب میں نے اس طرح امتحان لیا تو آپ کو ویسا ہی پایا جیسے کہ مجھے خبر دی گئی تھی۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلم، صبر اور عفو کا بیان طاقت سے باہر ہے صحاح اور دیگر کتبِ احادیث سے بطریقِ تواتر ثابت ہونے کے باعث یہ امر یقین کا درجہ رکھتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش نے آپ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی لیکن آپ نے اُن حوصلہ شکن تکالیف کے مقابلے میں صبر ہی سے کام لیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے مقابلے میں آپ کو فتح و ظفر سے نوازا اور وُہ آپ کے زیرِ فرمان آگئے حالانکہ وُہ اپنی قوت و شوکت اور چہل پہل کی بربادی کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ کامیاب ہونے پر آپ نے بانیانِ ظلم و ستم کے ساتھ عفو و درگزر ہی سے کام لیا اور اُنھیں مخاطب کیا کہ آیا تم بتا سکتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ اب کیسا سلوک کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی اُمید ہے کیونکہ آپ ایک شریف بھائی اور شرفاء کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تنعیم سے اسّی آدمی آئے تاکہ صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دیں۔ وہ سارے گرفتار کرکے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیے گئے تو آپ نے سب کو چھوڑ دیا۔ اس موقع پر باری تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی:

هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ	وہی (اللہ) ہے جس نے ان کے ہاتھ
عَنكُمْ[1]	تم سے روک دیے۔

وُہ ابُوسفیان جو بار ہا لشکرِ جرار لے کر آپ پر حملہ آور ہوتا رہا، آپ کے محترم چچا (امیر حمزہ) اور کتنے ہی

---

[1] پ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۴

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کیا، شہادت کے بعد بعض حضرات کے حُلیے تک بگاڑ دیے، لیکن جب فتح مکہ کے وقت اُسے بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے معاف فرما دیا اور اُس کے ساتھ بڑی نرمی سے شفقت آمیز گفتگو کی اور اُسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابُوسفیان! کیا تجھ پر ابھی تک یہ واضح نہیں ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ تو بہت بڑے حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاذ و نادر ہی کبھی غصّے میں آتے تھے اور جب ایسا اتفاق ہوتا تو جلد ہی راضی ہو جاتے تھے۔

جُود و کرم اَخلاقِ کریمہ کے لحاظ سے دیکھا جاتے تو آپ جیسا دُوسرا نظر نہیں آتا۔ جس نے بھی آپ کو جانا اور پہچانا وہی آپ کا مدح خواں ہو کر رہ گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس چیز کا سوال کیا گیا، آپ نے کبھی اُس کا جواب نفی میں نہیں[1] دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ سخی تھے۔ رمضان المبارک میں تو آپ بہت ہی خیرات کیا کرتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو آپ کو چلنے والی ہوا سے زیادہ سخی دیکھتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اُس وقت اتنی بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ بھری ہُوئی تھی، آپ نے اُسے وُہ ساری بکریاں عطا فرما دیں۔ جب وُہ اپنے قبیلے میں پہنچا تو اہلِ قبیلہ سے کہنے لگا: بھائیو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اتنی سخاوت کرتے ہیں کہ مال کے ختم ہو جانے کا ذرا سا اندیشہ بھی دل میں نہیں لاتے۔

---

[1] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے تو اعلان کیا تھا: ؎

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، مُنہ مانگی پائیں گے

سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

کتنے ہی مواقع پر آپ نے سو سو اُونٹ تک عطا فرما دیے تھے۔ حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ سو اُونٹ مرحمت فرمائے، اتنے ہی دوسری دفعہ اور اتنے ہی تیسری مرتبہ۔ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی آپ کی سخاوت کا یہی عالم تھا۔

قبیلہ ہوازن کو آپ نے اُن کے چھ ہزار جنگی قیدی واپس فرما دیے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا سونا مرحمت فرما دیا جسے وُہ اُٹھا بھی نہ سکے۔ آپ کے پاس ایک مرتبہ نو ہزار درہم لائے گئے تو آپ نے انھیں چٹائی پر رکھوا لیا اور تقسیم فرمانے لگے۔ جو بھی مانگنے والا آتا آپ اُسے عنایت فرماتے جاتے اور آخر تک کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ تقسیم کے بعد ایک شخص نے آکر سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ تم ہمارے نام پر مطلوبہ چیزیں خرید لو، جب کسی جانب سے مال آئے گا تو ادائیگی ہم کر دیں گے۔ اُس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہُوئے کہ یا رسول اللہ! جس کام کی آپ میں طاقت نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر لازم تو نہیں ٹھہرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مشورہ پسند نہ فرمایا۔ کوئی دوسرے صحابی، جو گروہِ انصار سے تعلق رکھتے تھے، بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہُوئے کہ یا رسول اللہ! آپ راہِ خدا میں سخاوت فرماتے رہیے اور یہ خطرہ بھی دل میں نہ لائیے کہ عرش کا مالک کبھی مال کی قلت سے آپ کو دوچار کرے گا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی بات سُن کر تبسم فرمایا اور بشاشت کے آثار آپ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک طباق تر کھجوریں اور کچھ چھوٹی ککڑیاں بارگاہِ رسالت میں پیش کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُنھیں ہتھیلی کے بھراؤ کے برابر سونا مرحمت فرما دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی آنے والی کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت اُبوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ نے کسی سے آدھا وسق قرض لے کر اسے مرحمت فرما دیا۔ جب وہی آدمی قرض

ادا کر وانے کی نیت سے حاضرِ بارگاہ ہُوا تو آپ نے پُورا وسق اسے مزید دے کر فرمایا کہ آدھا تو قرض کے بدلے میں ہے اور باقی نصف انعام۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جُود و کرم میں بے شمار روایات ہیں۔

شجاعت و دلیری

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شجاعت و دلیری میں جو شہرۂ آفاق مقام ہے وُہ کسی پر مخفی نہیں۔ آپ انتہائی خطرناک مقامات پر بھی بے دھڑک تشریف لے جاتے اور متعدد نامی گرامی پہلوان آپ سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے جبکہ آپ ثابت قدم رہتے بلکہ آگے ہی بڑھتے چلے جاتے اور پیچھے کبھی نہ ہٹے۔ کوئی ایسا بہادر دیکھا نہ گیا جس نے آپ کے مقابلے پر آکر شکست نہ کھائی ہو۔ حالانکہ آپ نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ حنین کی لڑائی میں تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ڈٹے رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفید رنگ کے خچر پر سوار دیکھا، جس کی باگ ابوسفیان بن حارث نے تھام رکھی تھی، آپ اُس وقت میدانِ جنگ میں بار بار یہ فرما رہے تھے: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ (میں نبی ہُوں، یہ جھُوٹی بات نہیں)۔ دُوسرے راوی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ آپ اُس وقت یہ بھی فرما رہے تھے: اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)۔ اُس روز ہم نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دلیر نہیں دیکھا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کے مابین لڑائی ہُوئی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اُس وقت سواری کو ایڑھ لگا کر کفار کی جانب بڑھ رہے تھے۔ میں سواری کی لگام پکڑ کر روک رہا تھا مبادا تیزی سے زیادہ آگے نہ نکل جائے۔ ابوسفیان بن حارث رکاب کو پکڑے ہوئے تھے۔ آپ برابر آگے بڑھتے اور مسلمانوں کو جوش دلانے کی خاطر بار بار للکارتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی غصے کا اظہار فرماتے تو صرف حقوق اللہ کے سلسلے میں اور اپنے کسی ذاتی معاملے کی بنا پر تو کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ بہادر اور سخی نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کا میدان شدت اختیار کر جاتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پناہ لیا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر تمام مجاہدین کی نسبت آپ دشمنوں کے زیادہ نزدیک ہوتے تھے۔ جنگِ بدر میں ہم آپ کی پناہ میں تھے حالانکہ آپ کفار کے بالکل قریب پہنچے ہوئے تھے۔ اُس روز آپ نے سارے مجاہدین سے بڑھ کر جنگ آزمائی کی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب لشکرِ کفار عین سر پر آ پہنچا اُس وقت جو مجاہد آپ کے قریب ہوتا اُسے بہادر شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے حسین، سب سے بہادر اور سب سے سخی تھے۔ ایک روز اہلِ مدینہ بہت گھبرائے کیونکہ شہر سے باہر ایک ہولناک آواز سُنی گئی تھی۔ کتنے ہی حضرات اُس آواز کی جانب بھاگے دوڑے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُنہیں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ گلے میں تلوار لٹکا کر اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر حالات کا جائزہ لینے سب سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر آپ نے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لشکرِ کفار جب نزدیک آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جنگِ اُحد میں اُبیّ بن خلف نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ اگر آج وہ بچ کر نکل گئے تو میری خیر نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اس سے پہلے وہ جنگِ بدر میں قید ہوا اور فدیہ لے کر اُسے بھی چھوڑ دیا گیا تھا، تو اُس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں نے لڑائی کے لیے ایک گھوڑا رکھا ہوا ہے، جسے ہر روز چار سیر دانہ کھلاتا ہوں، اُسی پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تجھے میں قتل کروں گا۔ اُحد کی جنگ میں اُبیّ بن خلف اُسی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ پر سخت حملہ کیا۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُس کے حملے پر آ گئے، لیکن آپ نے اُنہیں درمیان سے ہٹ جانے کا حکم دیا اور حارث بن صمہ کا

نیزہ لے کر پہلے اُسے خوب حرکت دی۔ جب صحابۂ کرام درمیان سے ہٹ گئے تو آپ اُبی بن خلف کے مقابلے پر معرکہ آرا ہو گئے اور اُس کی گردن پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس کی پسلی توڑ دی۔ جب وُہ لشکرِ کفار میں واپس پہنچا تو کہنے لگا، کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ کافر اُسے تسلی دیتے ہُوئے کہتے تھے کہ تمہیں کون سا کاری زخم آ گیا ہے؟ اُبی بن خلف نے کہا کہ اگر تمام لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا جو میرے ساتھ ہوا ہے تو وہ سب کو قتل کر دیتے۔ کیا اُنھوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مَیں تجھے قتل کروں گا۔ خدا کی قسم، اگر وُہ کسی پر تھوک بھی دیں تو ہلاک کرنے کے لیے یہی کافی ہے۔ چنانچہ مکّہ مکرمہ کی جانب لوٹتے وقت وہ سرف کے مقام پر دم توڑ گیا تھا۔

حیا اور چشم پوشی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سب سے بڑھ کر صاحبِ حیا تھے اور عورتوں سے بھی زیادہ چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ	بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی،
فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ۔ (الآیہ) [1]	پھر بھی وُہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابُوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم شرم و حجاب میں کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر تھے۔ جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو ہم چہرے کے آثار سے پہچان لیتے تھے۔ آپ لطیف اور نرم و نازک بُشرہ والے تھے۔ اگر کوئی کراہت والی بات دیکھتے تو حیا اور کریم النفسی کے باعث اُس سے اس سلسلے میں گفتگو نہ فرماتے۔ جب کسی کی ناگوار گفتگو آپ تک پہنچتی تو آپ یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ جو یہ کچھ کہتا ہے، بلکہ یُوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے جبکہ وُہ ایسا کرتے یا کہتے ہیں گویا اُس ناپسندیدہ فعل سے منع فرما دیتے اور فاعل کا نام تک ظاہر نہ کرتے تھے۔

---

[1] پ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۵۳

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے پاس ایک ایسا شخص آیا، جس کے جسم پر زرد نشان لگا ہُوا تھا۔ آپ نے اُس سے کچھ نہ کہا، کیونکہ کسی کی ناپسندیدہ بات دیکھ کر آپ اسے مخاطب نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اُس سے کہہ دینا، اُس رنگ کو اپنے جسم یا کپڑوں سے دھو ڈالے۔ صحیح حدیث میں ہے، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیہودہ الفاظ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے، نہ تکلّف فرماتے، نہ بازاروں میں چلاتے اور نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیتے۔ توریت شریف میں بھی آپ کے یہ اوصاف مذکور ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے روایت ہے کہ حیا کے باعث آپ کسی کی جانب ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھتے تھے۔ جس سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے اور اُس سے کسی خاص وجہ سے کلام کرنا ضروری ہو جاتا تو اشاروں کنایوں میں گفتگو کرتے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آپ کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

حُسنِ معاشرت

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے معاشرت میں جو اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا اُس کے متعلق بے شمار احادیثِ صحیحہ منقول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی مدح و ثنا میں فرمایا ہے کہ آپ سب لوگوں سے بڑھ کر وسیع القلب، گفتگو میں سچے، نرم طبیعت والے اور ذرہ نواز تھے۔ ابو داؤد نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہمارے پاس تشریف لائے۔ پھر پُورا واقعہ بیان کیا اور آخر میں فرمایا کہ جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو والد ماجد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری پر کپڑا ڈالا اور آپ کے نزدیک لے آئے۔ جب آپ سوار ہو گئے تو والدِ محترم نے فرمایا: اے قیس! تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی سوار ہونے کے لیے فرمایا۔ میں نے ازراہِ ادب انکار کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ یا واپس ہو جاؤ۔ مجبوراً میں واپس لوٹ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سے نفرت نہ کرتے بلکہ تالیفِ قلوب

فرمایا کرتے تھے۔ ہر قوم کے معزز افراد کا اکرام فرماتے اور ایسے ہی اشخاص کو اُن پر حاکم مقرر کرتے،
لوگوں کو خوفِ خدا سے ڈراتے، عام لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرتے لیکن کسی کے ساتھ بد اخلاقی
سے پیش نہ آتے۔ اپنے اصحاب کے ہاں بھی تشریف لے جاتے۔ ہر شریکِ مجلس کو اُس کی
شان کے مطابق حق دیتے۔ شمعِ رسالت کا ہر پروانہ یہی گمان کرتا تھا کہ خصوصی نظرِ کرم
میری ہی جانب ہے۔ جب آپ کسی کو اپنے پاس بٹھاتے یا کوئی شخص اپنی حاجت لے کر آتا
تو آپ اُس وقت تک وہیں ٹھہرے رہتے جب تک وہ شخص خود اجازت حاصل نہ کرتا۔ اگر کوئی حاجت
پیش کرتا تو اُسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ کچھ بھی میسّر نہ آتا تو دل نواز سخن سے مالا مال فرما دیتے۔
آپ تمام لوگوں سے وسیع القلب اور وسیع الاخلاق تھے۔ آپ سب کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے اور
سب کے حقوق آپ کی نظر میں یکساں تھے۔ اِسی لیے ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی
توصیف کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ پھول کی مانند کھلے رہتے،
خوش اخلاق اور نرم خو تھے۔ آپ بد اخلاق، سنگدل، بازاروں میں آواز بلند کرنے والے،
گالی گلوچ سے کام لینے والے، دوسروں میں کیڑے نکالنے والے، اور چاپلوس وغیرہ ہرگز
نہیں تھے۔ جس چیز کی ضرورت نہ ہوتی اُس کی جانب توجہ نہ فرماتے۔ کوئی طلبگار اس بارگاہِ بیکس پناہ
سے مایوس نہ لوٹتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔¹ (الآیہ) — تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔

دوسرے مقام پر اسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ یوں ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ۔² — سب سے اچھی بھلائی سے بُرائی کو دفع کرو۔

اگر کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو ضرور قبول فرماتے۔ ہدیہ اگرچہ کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہوتا،

---

¹ پ ۴، سورہ آلِ عمران، آیت ۱۵۹

² پ ۱۸، سورہ المؤمنون، آیت ۹۶

قبول فرما لیتے اور اُس کا بدلہ دیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی لیکن مجھے آپ نے کبھی اُف تک نہ کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تُو نے ایسا کیوں کیا؛ اور اگر میں نے کوئی کام نہ کیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہ کیا؛ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہتر کسی کا اخلاق نہیں تھا۔ جب بھی آپ کے صحابہ یا اہلِ بیت میں سے کسی نے آپ کو بلایا تو فوراً تشریف لے جاتے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ~~ہوا~~ ہُوں کبھی مجھے آپ نے اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرمایا اور جب بھی مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو تبسّم فرماتے ہی دیکھا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی دلنوازی فرماتے، اُن سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرتے، اُن کے بچّوں کی دلجوئی کرتے اور انھیں گود میں اٹھا لیا کرتے تھے۔ ہر آزاد، غلام، لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرما لیتے۔ مدینہ منورہ کے کسی گوشے میں بھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو اس کی عیادت کرتے اور عُذر خواہ کا عُذر قبول فرما لیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص آپ کے گوشِ مبارک سے بات کرنے کی خاطر مُنہ لگاتا تو آپ سر کو ہرگز پیچھے نہیں ہٹاتے تھے، یہاں تک کہ وہ شخص خود ہٹ جاتا۔ جب بھی کسی نے آپ کے دستِ مبارک کو پکڑا تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ نہ چھڑایا جب تک وُہ خود نہ چھوڑتا۔ صحابہ کرام سے مصافحہ کرنے میں پہل کرتے۔ جب بھی کوئی شخص ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے پہلے سلام کرتے۔ اپنے اصحاب کے درمیان کبھی اِس طرح پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھے جس سے دُوسرے کو تنگی ہو۔ جو شخص آپ کے پاس حاضر ہوتا اس کی عزّت کرتے۔ بعض اوقات کپڑا پھیلا دیتے اور اپنا تکیہ عنایت فرما دیتے۔ اگر کوئی صحابی انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے بٹھاتے اور قسم تک دیتے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ پیارے پیارے ناموں سے پُکارتے، کسی کی بات کو نہ ٹوکتے۔ اگر کوئی کلام میں تجاوز کرتا تو اُسے روک دیتے یا خُود اُٹھ کر چلے جاتے۔ دوسری روایت میں متنبہ کرنے یا اُٹھ جانے کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ کوئی شخص کسی حاجت کے پیشِ نظر آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتا اور آپ اُس وقت نماز پڑھ رہے ہوتے تو نماز کو مختصر فرما دیتے تھے۔ اُس کی

ضرورت معلوم کرکے پہلے اُسے فارغ کرتے پھر نماز میں مشغول ہوتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
نزولِ قرآن، وعظ اور خطبے کے علاوہ آپ مُتبسّم اور ہشاش بشاش نظر آتے۔
حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے بڑھ کر تبسّم کا خوگر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

کان خدم المدینۃ یاتون النبی	جب آپ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ منورہ کے
صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی	خدّام اور بچّے اپنے اپنے برتن لے کر حاضر
الغداۃ بانیتھم فیھا المآء فما	ہو جاتے، جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا تھا۔
یاتونہ باٰنیۃ الا غمس یدہ فیھا	جو پانی کے برتن وُہ لاتے اُن میں آپ
ورُبما کان ذالک فی الغداۃ	دستِ مبارک ڈبوتے جاتے حالانکہ بعض
الباردۃ یریدون التبرک۔ (ص۲۵)	اوقات سخت سردی بھی ہوتی۔ اس طرح
	وہ برکت حاصل کرتے تھے۔

مخلوقِ خدا پر شفقت ورحمت

اس بارے میں خود باری تعالیٰ شانہٗ نے یُوں آپ کی تعریف بیان فرمائی ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ	جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ[1]	تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے
	والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ[2]	اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے
	جہان کے لیے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے مخصوص فضائل سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام آپ کو عطا فرمائے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ میرا محبوب ایمان والوں پر رؤف ورحیم ہے۔
اُمت پر آپ کس درجہ مہربان تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ جب قریش نے

---

[1] پ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸ — [2] پ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

آپ کی تکذیب کی اور پیغامِ الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس جواب کو سُن لیا ہے جو قوم کی طرف سے آپ کو ملا ہے۔ پروردگارِ عالم نے پہاڑوں کے نگران فرشتے کو بھیجا ہے، جو بھی آپ حکم فرمائیں گے یہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ مَلکِ جبال نے بارگاہِ بیکس پناہ میں سلام عرض کیا اور کہا کہ حضور! اگر آپ فرمائیں تو تعمیلِ ارشاد میں تمکہ مکرمہ کے پہاڑ کو اٹھا کر کافرانِ قریش پر رکھ دوں۔ یہ سماعت فرما کر اُس مجسمۂ رحمت نے صفحۂ تاریخِ عالم پر یہ عظیم الشان فیصلہ ثبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اِن کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور صرف ایک خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کریں گے۔ میں اِس بارے میں پُر امید ہوں۔

ابن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرتِ رُوح الامین علیہ السلام نے بارگاہِ مصطفوی میں عرض پیش کی کہ اللہ ربّ العزت نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو حکم فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی اُمت کے بارے میں دُور رس نتائج پر نظر رکھے ہُوئے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے[1]۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دُو امور میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم ملا تو آپ آسان ہی کو اختیار فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پریشان خاطر ہونے کے خوف سے گاہے بگاہے ہماری دلجوئی فرماتے رہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز میں ایسے اُونٹ پر سوار ہو گئی جس میں شدت تھی۔ مَیں نے اُسے اِدھر اُدھر دوڑانا شروع کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔

وفا، ایفائے عہد، صلہ رحمی

ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن ابی حسا سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

[1] ؎ خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا (حالیؔ)

اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے ساتھ خرید و فروخت کی تھی۔ آپ کا کچھ مال میرے ذمے باقی رہ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ابھی لے کر حاضر ہوتا ہوں، آپ اسی جگہ تشریف رکھیں۔ میں اِس وعدے کو بھول گیا اور تین روز کے بعد مجھے یاد آیا تو مال لے کر آپ کی جانب چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اُسی جگہ انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا، میں یہاں تین روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جب ہدیہ پیش کیا جاتا تو فرماتے: اِسے فلاں عورت کے گھر پہنچا دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی ہے اور اُن سے محبت کیا کرتی تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جتنا غبطہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیا کرتی اِتنا کسی دوسری عورت پر نہیں کیا کیونکہ میں سُنتی تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اُن کا تذکرہ فرماتے۔ آپ بکری ذبح کرتے تو اُن کی سہیلیوں کے لیے ہدیہ بھیجتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ نے ایک دفعہ دروازے پر اجازت طلب کی تو آپ اُن کی آواز سُن کر بیحد خوش ہوئے اور اُن کی جانب لپکے۔ اسی طرح ایک عورت آپ کے پاس آئی تو بڑے احسن طریقے سے اُس کا حال دریافت فرمایا اور جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ خدیجہ کے زمانے میں آیا کرتی تھی اور حُسنِ عہد ایمان کی نشانی ہے۔

بعض حضرات نے آپ کے اوصاف میں بیان کیا ہے کہ آپ ذی رحم میں صلہ رحمی فرماتے لیکن اُن میں افضلیت کا لحاظ ضرور کرتے تھے۔ آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اٹھا کر نماز پڑھی۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو اُنھیں زمین پر اُتار دیتے اور جب قیام کرتے تو پھر اُٹھا لیتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نجاشی (شاہِ حبشہ) کا وفد آیا تو آپ نے اُن کی خود خاطرداری فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! خدمت کے لیے ہم کافی ہیں۔ تاجدارِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِن لوگوں نے اپنے مُلک میں ہمارے ساتھیوں کی دِل کھول کر خاطر و مدارات کی تھی، مَیں اُس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔

قبیلہ ہوازن کے قیدیوں میں آپ کی رضاعی ہمشیرہ شیما بھی تھیں۔ آپ نے

اُنھیں پہچان لیا اور اُن کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ اِس کے بعد فرمایا کہ اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہتی ہو تو بڑے اعزاز و اکرام سے رکھا جائے گا اور اگر واپس جانا چاہو تو مع اپنے ساز و سامان واپس جا سکتی ہو۔ انھوں نے اپنی قوم میں واپس جانا پسند کیا تو آپ نے کافی سامان دے کر اُنھیں واپس بھیج دیا۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی۔ جب قریب ہُوئی تو آپ نے اُس کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ وُہ بیٹھ گئی۔ میں نے پُوچھا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ ہے۔

عمرو بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ایک روز تشریف فرما تھے کہ آپ کا رضاعی باپ آگیا، تو آپ نے اُن کے لیے کپڑا بچھا دیا، جس پر وُہ بیٹھ گئے۔ اِس کے بعد رضاعی والدہ آگئیں، اُن کے لیے کپڑے کا دُوسرا حصہ پھیلا دیا، جس پر وُہ بیٹھ گئیں۔ اِن کے بعد آپ کا رضاعی بھائی آگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اُنھیں اپنے سامنے بٹھایا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی رضاعی والدہ ثُوَیبہ کے لیے کپڑے بھیجا کرتے تھے، جنھیں ابُو لہب نے آزاد کر دیا تھا۔ جب وُہ فوت ہو گئیں تو آپ نے اُن کے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا، تو معلوم ہُوا کہ اُن کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہُوئے کہا تھا کہ آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رُسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، عاجزوں سے بوجھ دُور ہٹاتے، غرباء کو مال مرحمت فرماتے، مہمان نوازی کرتے اور حقوق اللہ میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے بھی نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہی اوصاف بیان کیے تھے جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اظہار فرمایا ہے۔

تواضع اور انکساری

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے زیادہ متواضع تھے۔ اِس بارے میں طالبِ حقیقت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ نبی بادشاہ ہونا چاہتے ہیں یا نبی عبد۔ آپ نے نبی عبد بننے کو پسند فرمایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اس وقت کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اِس

تواضع کے باعث یہ مقرر فرمایا ہے کہ قیامت میں جملہ بنی آدم کے سردار آپ ہوں گے، سب سے پہلے آپ قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے اور سب سے پہلے آپ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔

ابو داؤد نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصائے مبارک پر ٹیک لگاتے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم تعظیم بجالانے کی خاطر کھڑے ہوگئے۔ فرمایا: عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہُوا کرو جو آپس میں ایک دُوسرے کی غایت درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہُوں۔ جیسے دُوسرے بندے کھاتے ہیں مَیں بھی کھاتا ہُوں اور جس طرح دُوسرے بیٹھتے ہیں ویسے ہی مَیں بیٹھتا ہُوں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گدھے کی سواری بھی فرمالیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ سواری پر دوسرے کو بٹھا بھی لیتے تھے۔ مساکین کی تیمارداری کرتے اور غریبوں کی مجلس میں بیٹھ جاتے۔ غلاموں کی دعوت بھی قبول فرمالیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اکثر مجالست رکھتے اور مجلس میں اُن کے درمیان جہاں جگہ ملتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہیں بیٹھ جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تعریف میں اِس قدر مبالغہ نہ کرنا جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا تھا (یعنی اُنھیں خُدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے) میں تو خدا کا بندہ ہُوں۔ میرے متعلق یہی کہنا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئی اور کہنے لگی کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! بیٹھ جاؤ، مدینہ منورہ میں جہاں بھی آپ کا کام ہوگا، پُورا کر دُوں گا (اِن شاء اللہ تعالیٰ)۔ جب تک اُس عورت کی حاجت پُوری نہ ہوگئی اُس وقت تک بیٹھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اُس وقت تک وہیں تشریف فرما رہے[1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ

[1] وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا (حالیؔ)

عنہ ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گدھے پر بھی سواری فرما لیا کرتے تھے اور غلاموں تک کی دعوت قبول کرنے میں تامّل نہیں ہوتا تھا۔ جس روز بنی قریظہ قتل ہوئے اُس روز آپ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کی رسیوں کا پالان تھا۔ اگر جَو کی روٹی یا رنگ بدلی ہوئی چربی سے پکایا ہوا کھانا کھانے کے لیے بھی آپ کو بلایا جاتا تو انکار نہ کرتے۔

اُن سے ہی روایت ہے کہ حج کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے کجاوے پر جلوہ افروز تھے جس کے اُوپر معمولی سی چادر تھی، جس کی قیمت صرف چار درہم تھی۔ اُس موقع پر آپ نے دُعا کی کہ اے پروردگار! یہ فریضۂ حج ریاکاری سے قطعاً خالی رہے۔ اِس موقع پر بہت فتوحات ہوئیں۔ ایک سَو اُونٹوں کا ہدیہ بھی آپ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تھا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکرِ اسلام کو لے کر فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو تواضع سے سواری پر اپنا سرِ اقدس اِتنا جھکایا ہوا تھا کہ گھٹنوں سے لگتا تھا۔ آپ کی تواضع کا حال تو یہ ہے کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور انبیائے کرام میں سے ایک کو دُوسرے پر فضیلت نہ دو اور مجھے موسٰی علیہ السلام سے نہ بڑھاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام سے ہم شک کے زیادہ حقدار ہیں۔ جتنی تکالیف یوسف علیہ السلام کو زنداں میں اٹھانی پڑیں اگر میں اُن سے دوچار ہوتا تو داعیِ اجل کو لبیک کہہ جاتا۔ ایک شخص نے مخاطبے کے وقت آپ کو یَاخَیْرَ الْبَرِیَّۃِ (اے ساری مخلوق سے بہتر) کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اِس کے مصداق ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

یہ تمام ارشادات تواضع کے طور پر فرمائے ہیں ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ آپ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ، امام حسن، ابُو سعید اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی روایات میں آپ کی افضلیت مذکور ہے۔

بعض حضرات کے ارشادات میں آپ کی تواضع کا مزید بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گھریلو کاموں میں بھی مشغول ہو جاتے، اپنے کپڑے کی اصلاح کر لیتے، بکری دوہتے، کپڑے کو پیوند لگا لیتے، نعلین مبارک کی سلائی کر لیتے، اپنا ذاتی کام خود کرتے، گھر کا انتظام کرتے، اُونٹ کو خود باندھتے، اُونٹنی کے آگے چارہ ڈال دیتے۔

نوکر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے بلکہ اُس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے اور بازار سے اپنا سودا سلف خود اُٹھا کر لے آتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مدینہ کی لونڈیوں میں سے اگر کوئی آپ سے اعانت و مدد کی طلبگار ہوتی تو آپ اُس کی اعانت فرماتے، جہاں وُہ لے جانا چاہتی وہاں تشریف لے جاتے، حتیٰ کہ اُس کی حاجت پُوری ہوجاتی۔ ایک شخص حاضرِ بارگاہِ رسالت ہُوا تو آپ کی ہیبت سے اُس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھ، میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوں؛ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہُوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ بازار گیا، آپ نے شلوار کے لیے کپڑا خریدا۔ رقم گننے والے سے فرمایا کہ قیمت ادا کردو بلکہ کچھ زیادہ دے دو۔ حضرت ابُوہریرہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور اُس میں یہ بھی فرمایا کہ وُہ دُکاندار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے دستِ کرم کو بوسہ دینے کے لیے لپکا تو آپ نے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہُوئے فرمایا کہ یہ تو اہلِ عجم کا وطیرہ ہے۔ وُہی اپنے بادشاہوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہُوں بلکہ میں بھی تم میں سے ایک فرد ہُوں۔ اِس کے بعد آپ نے کپڑا اٹھا لیا۔ میں اٹھانے کے لیے بڑھا تو آپ نے فرمایا کہ مالک اپنی چیز کو اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔

عدل، امانت، عفت، صداقت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر امین اور قول کے سچّے تھے۔ آپ کے مخالفین و اعداء کو بھی اِس امر کا اعتراف تھا چنانچہ وہ اعلانِ نبوّت سے پہلے آپ کو امین کہا کرتے تھے۔ ابواسحٰق کا قول ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اخلاقِ صالحہ کا مجموعہ بنایا تھا، بایں وجہ آپ کو امین کہا جاتا تھا۔ اکثر مفسرین نے مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ[1] سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مُراد لی ہے۔

---

[1] پ ۳۰، سورہ التکویر، آیت ۲۱ — (ترجمہ) اُس کا حکم مانا جاتا ہے اور وُہ امانت دار ہے۔

تعمیرِ کعبہ کے وقت جب قریش میں اختلاف رُونما ہوا۔ وجہِ اختلاف یہ تھی کہ حجرِ اسود کو اُٹھا کر کون اُس کی جگہ پر رکھے گا۔ آخر سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ (کل) جو بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہو وہی حجرِ اسود کو رکھے گا۔ چنانچہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے داخل ہُوئے حالانکہ یہ آپ کے اظہارِ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے، چنانچہ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی اِس اعزاز کا اوّلین حق دار ٹھہرایا اور مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہُوئے کہنے لگے کہ ہم اِس قدرتی فیصلے پر دِل و جان سے راضی ہیں۔

ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طلوعِ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں لوگ آپ سے فیصلے کروایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں آسمانوں اور زمین میں امین ہُوں۔ ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابُوجہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب تو نہیں کرتے ہاں جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں اُسی کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہُوئی: کہ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ[1] (الآیہ)۔ دُوسری روایت میں ہے کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے اور نہ ہم میں کوئی آپ کو جھٹلانے والا ہے۔ اخنس بن شریق جنگِ بدر کے موقع پر ابُوجہل سے مِلا اور کہنے لگا کہ اے ابُوالحکم! (دورِ جاہلیت میں یہ قوم کی جانب سے ابُوجہل کا لقب تھا) یہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی ہماری گفتگو سُننے والا نہیں، لہٰذا اِس خلوت میں مجھے حقیقت سے مطلع فرمائیے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) سچے ہیں یا جھُوٹے؛ ابُوجہل نے کہا، خدا کی قسم محمد سچے ہیں۔ جھُوٹ تو محمد نے کبھی بولا ہی نہیں۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

ہرقل (شاہِ روم) نے ابُوسفیان سے پُوچھا کہ اُن (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اعلانِ نبوّت سے پہلے کیا تم نے یہ دیکھا کہ اُن پر جھُوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو؟ ابُوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا تو قطعاً نہیں ہُوا۔ نضر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش سے

---

[1] پ ۷، سورہ الانعام، آیت ۳۳

(ترجمہ) تو وُہ تمہیں نہیں جھٹلاتے

کہا کہ تمہارے درمیان محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کم عمر تھے تو اُن کی گفتگو تمہیں سب سے پیاری لگتی تھی اور تُم اُن کی ہر بات کو سچّی جانتے اور اُنھیں سب سے بڑا امانت دار (امین) کہتے تھے لیکن جب وُہ پختگی کی عمر کو پہنچے اور تمہارے پاس کلامِ الٰہی لے کر آئے تو اُنھیں جادُوگر بتانا شروع کر دیا حالانکہ خدا کی قسم وُہ جادُوگر ہرگز نہیں ہیں۔

حدیث شریف میں اِن سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ اقدس سے کسی اجنبی عورت کو کبھی نہیں چھُوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توصیفِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم گفتگو میں سب سے سچّے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اعتراض کیا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، اگر مَیں انصاف نہ کروں تو انصاف اور کون کرے گا؟ اگر مَیں انصاف سے کام نہ لُوں تو سراسر میرا ہی نقصان ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دُو میں سے ایک کام کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان ہی کو اختیار فرمایا جبکہ اُس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو ورنہ آپ اُس سے کوسوں دُور رہتے۔

ابو العباس مبرّد نے کہا کہ کسریٰ (شاہِ ایران) نے اپنے دنوں کی تقسیم کر رکھی تھی۔ جس روز ہوا چلتی وُہ سونے کا دن تھا، مطلع ابر آلُود ہو اُس روز شکار، بارش کے دن مَے نوشی اور عیش وعشرت کے لیے اور جس روز مطلع صاف ہوتا وُہ دن کام کاج یعنی اُمورِ مملکت انجام دینے کے لیے مقرر تھا۔ ابن خالویہ نے کہا کہ وُہ دنیاوی سیاست سے بھی بے بہرہ نکلا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ — جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیاوی

لہ ۔۔۔ خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دِل میں گھر کرنے والا

(حالی)

الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ۝ [1] — زندگی اور وہ آخرت سے پورے بےخبر ہیں۔

لیکن ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دن کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہوا تھا ایک حصہ عبادتِ الٰہی کے واسطے، دوسرا اہل وعیال کے لیے اور تیسرا اپنے واسطے تھا۔ اپنے وقت کو بھی اپنی ذات اور لوگوں کے مابین تقسیم کیا ہوا تھا نیز خاص لوگوں کو عوام الناس کی دستگیری کا حکم دے رکھا اور تلقین فرمائی تھی کہ جو شخص اپنی حاجت ہماری بارگاہ تک نہ پہنچا سکے اُس کی حاجت روائی کرو کیونکہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے خطراتِ محشر سے امن دے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی شخص کو دُوسرے کی غلطی کے بدلے نہ پکڑتے تھے اور نہ کسی کی دوسرے سے تصدیق کرواتے تھے۔ ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ میں نے زمانۂ جاہلیت کے کسی معمول کا کبھی قصد بھی نہیں فرمایا، ماسوائے دو مواقع کے لیکن اُن دونوں موقعوں پر جب میں نے ارادہ کیا تو مشیّتِ خداوندی درمیان میں حائل ہوگئی۔ اِس کے بعد مَیں نے کبھی کسی ناپسندیدہ کام کا قصد بھی نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پروردگارِ عالم نے مجھے نبوت و رسالت کے ساتھ معزز و مکرم فرمایا۔ وُہ دو چیزیں جن کا میں نے قصد کیا تھا یہ ہیں کہ ایک لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز میں نے اُس سے کہا کہ آج میری بھی بکریوں کی نگرانی کرنا کیونکہ میں مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں نوجوانوں میں بیٹھ کر دل لگی کی باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ اسی مقصد کے تحت میں شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ مکہ مکرمہ کے پہلے ہی مکان سے دف اور مزامیر بجائے جارہے تھے کیونکہ شادی کی تقریب تھی۔ مَیں سُننے کے لیے نزدیک ہی بیٹھ گیا لیکن حیران تھا کہ میری قوتِ سامعہ جواب دے گئی تھی اور اِس کے بعد مجھے نیند آگئی یہاں تک کہ سورج کی گرمی نے ہی مجھے بیدار کیا۔ غرضیکہ جیسا میں آیا تھا ویسا ہی واپس لوٹ گیا اور کچھ بھی نہ سُن سکا۔ اِسی قسم کا

---

[1] پ ۲۱، سورہ الروم، آیت ۷

واقعہ دوسری مرتبہ پیش آیا۔ اِن کے علاوہ کبھی میں نے کسی بُرے کام کا ارادہ تک نہیں کیا۔

وقار، خاموشی، سنجیدگی، مروّت اور حُسنِ سلوک

ابو داؤد نے خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مجلس میں کبھی پاؤں نہ پھیلاتے بلکہ سب سے زیادہ باوقار نظر آتے تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء فرمایا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر آپ اسی طرح بیٹھتے تھے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دُوسری میں ڈال کر دونوں گھٹنوں کا گھیرا کر لیتے اور زانوؤں کو کھڑا رکھتے۔ (اسی کو احتباء کہتے ہیں)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار زانو بھی بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کبھار دونوں گھٹنوں اور زانوؤں کو پیٹ سے ملا کر بھی بیٹھتے تھے۔

آپ عموماً خاموش رہتے اور ضرورت کے بغیر کلام نہ فرماتے۔ اگر کوئی شخص سنجیدگی سے گفتگو نہ کرتا تو اس کی جانب سے مُنہ پھیر لیتے۔ آپ کا ہنسنا تبسّم تک محدود تھا۔ کلام واضح ہوتا۔ اُس میں کوئی بے مقصد بات ہوتی نہ کسی قسم کی کمی۔ آپ کی تعظیم اور اتباع کے باعث صحابۂ کرام کا ہنسنا بھی بارگاہِ مصطفوی میں صرف تبسّم کی حد تک رہتا تھا۔ آپ کی محفل حلم و حیاء اور خیر و خُوبی کا مرقع ہوتی۔ بارگاہِ مصطفوی میں آوازیں بلند کرنے یا کسی کے خلاف الزام تراشی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب وُہ معلّمِ کائنات اپنی زبانِ حق ترجمان سے علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے گوہر لُٹاتا تو سامعین حضرات اپنے سر جُھکا لیتے اور اس طرح ہمہ تن گوش ہو کر سُنتے گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہُوئے ہیں۔

آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آگے کی جانب قدرے جُھک کر آرام سے چلتے تھے، جیسے چڑھائی سے اُترائی کی جانب آتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ چلتے وقت ہوشیار رہتے تھے کیونکہ اِس سے کسی قسم کی تنگی اور سُستی نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھی ہدایت محمد رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم نورِ مجسم، فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں آہستگی اور ترتیل تھی۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاموشی حلم، احتیاط، تدبر اور تفکر کی آئینہ دار ہوتی تھی۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی آپ کے کلمات کو شمار کرنا چاہے تو شمار کر سکتا تھا۔

آپ کو خوشبو سے محبت تھی اور اس کا بکثرت استعمال کرتے تھے۔ خوشبو کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے کہ تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے یعنی عورتوں اور خوشبو کی، لیکن میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپ کی مروت کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک مارنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور اپنے سامنے سے کھانے کی تلقین فرمایا کرتے۔ مسواک کرنے، ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو صاف رکھنے اور خصائلِ فطرت کو معمول بنانے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ براجم اور رواجب سے مراد انگلیوں کی گرہیں (گانٹھیں) ہیں، ہتھیلی کے اندر اور باہر دونوں جانب سے صفائی رکھنی چاہیے اور فطرتی یا پیدائشی خصائل دس ہیں، جن میں سے مونچھوں کا کٹوانا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زہد کے بارے میں طالبِ حقیقت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دنیا کے مال و متاع اور اس کی آرائشوں سے آپ نے ایسی حالت میں بھی اجتناب فرمایا جبکہ وہ آپ کے قدموں میں بکھری پڑی تھی، اور پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ اسی بے رغبتی کی حالت میں آپ نے دنیا کو خیرباد کہا اور اس وقت خانگی اخراجات کے باعث آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ آپ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم) کو اتنا رزق دے کہ وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن

کھانا نہیں کھایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جَو کی روٹی نہیں کھائی، حالانکہ اگر آپ چاہتے تو باری تعالیٰ شانہٗ اتنا عطا فرماتا رہتا کہ وہم و گمان بھی اس کا اندازہ نہ کر سکتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آلِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی، یہاں تک کہ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بوقتِ وصال نہ تو ترکے میں درہم و دینار چھوڑے اور نہ اُونٹ بکری وغیرہ۔ حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا، وصال کے وقت آپ کے جنگی ہتھیار تھے، ایک خچر تھا اور کچھ زمین تھی لیکن یہ تمام چیزیں صدقے کے طور پر لوگوں کو عنایت فرما دی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جُدائی کے وقت میرے گھر میں صرف تھوڑے سے جَو تھے جنھیں مَیں نے کُٹھلیا میں ڈالا ہوا تھا، اِن کے علاوہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا:

انّی عرض علیّ ان تجعل لی بطحاءُ مکۃ ذھبًا فقلت لا یارب اجوع یومًا واشبع یومًا۔ فامّا الیوم الذی اجوع فیہ فاتضرع الیك و ادعوك واما الیوم الذی اشبع فیہ فاحمدك و اثنی علیك۔ (ص ۳۳)	میرے سامنے یہ پیشکش رکھی گئی کہ میرے لیے مکۂ مکرمہ کی وادی سونے کی بنا دی جائے۔ میں نے گزارش کی: اے رب! میں ایک روز بھوکا اور دُوسرے روز شکم سیر رہنا چاہتا ہُوں کیونکہ جس روز مَیں بھُوکا رہوں گا تو تیری بارگاہ میں گریہ و زاری پیش کروں گا اور دستِ دعا دراز کیا کروں گا اور جس روز سیر ہُوں گا تو تیری حمد و ثنا بیان کیا کروں گا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ:

ان اللّٰہ تعالیٰ یقرءك السلام ویقول لك أتحب ان اجعل هٰذا الجبال ذهبا وتكون معك حيثما كنت فاطرق ساعة ثم قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یا جبریل ان الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له قد یجمعها من لا عقل له فقال له جبریل علیه السلام ثبتك اللّٰہ یا محمد بالقول الثابت۔ (ص۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے اس پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے اور جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوں یہ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے تھوڑی سی دیر سر جھکائے رکھا پھر فرمایا: اے جبرئیل! دنیا اُس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور اُس کا مال ہے جس کے پاس حقیقی دولت نہیں۔ اِسے وہی شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل و خرد کا توڑا ہو۔ جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ اے ممدوحِ پروردگار! اللہ تعالےٰ نے آپ کو حقیقت آشنائی والے مقام پر ثابت قدم رکھا ہوا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم ایسے آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں کہ بعض اوقات سارا مہینہ گزر جاتا لیکن ہمارے گھر میں آگ روشن کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ صرف کھجوروں اور پانی پر ہی گزر اوقات ہوتی رہتی۔
حضرت عبد الرحمٰن بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پردہ فرمانے تک کبھی سیر ہو کر جَو کی روٹی بھی نہ کھائی اور یہی حالت آپ کے گھر والوں کی رہی۔ اسی

[1] مجدّدِ مأتہ حاضرہ نے یوں نذرِ عقیدت پیش کی ہے:

کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

طرح حضرت عائشہ صدیقہ، ابو امامہ اور ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اہل وعیال بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر اس لیے بھوکے گزار دیتے کہ گھر میں شام کے کھانے کے لیے بھی کوئی چیز نہ ہوتی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ امراء کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھاتے۔ آپ کے لیے چپاتی کبھی نہیں پکائی گئی اور بکری کا بھُنا ہوا گوشت تناول فرمانا بھی ناپسند تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا، جسے ہم دوہری کرکے بچھا دیا کرتے اور آپ اُس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک رات ہم نے اُس کی چار تہہ کرکے بچھا دیا۔ صبح ہوتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج رات میرے لیے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ اُسی چادر کی چار تہیں کردی تھیں۔ فرمایا: اُسے پہلی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج اِس کی نرمی نے مجھے نماز سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ جب کبھی چارپائی پر آپ آرام فرما ہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسّی سے بُنی ہوئی ہوتی تو اُس سے آپ کی کروٹوں میں نشان پڑ جایا کرتے تھے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اِس امر کا کسی سے کبھی تذکرہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا۔ جب کبھی آپ رات کو بھوکے سوتے تو اگرچہ ساری رات بھوک کے مارے بے قرار رہتے لیکن یہ حالت بھی دن کو روزہ رکھنے کے ارادے میں حائل نہ ہو سکتی۔ اگر آپ چاہتے اور اپنے ربِ کریم سے سوال کرتے تو وہ مُنعمِ حقیقی آپ کو بے بہا زمین کے خزانے اور وافر پھل وغیرہ مرحمت فرماتا رہتا، جن کے باعث آپ آرام سے زندگی بسر فرماتے رہتے۔ آپ کے فاقہ کشی کی حالت کو دیکھ کر بعض اوقات میں رو پڑتی تھی۔

اِدھر آنکھوں سے قطار اندر قطار آنسو گر رہے ہوتے اور اُدھر آپ کے شکمِ اطہر پہ ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں آپ دنیا سے کم از کم اتنا حصہ تو قبول فرمایا کریں جس سے فاقے کی اذیت نہ اٹھانی پڑے تو آپ زبانِ حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اِس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا، حتّٰی کہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جب باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صبر و قناعت کے باعث وہ عزت و شرف سے نوازے گئے اور اجرِ عظیم پایا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے اُن سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے یقیناً ندامت کا باعث ہوگا۔ مجھے خدا کے اُن دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اِس کے بعد آپ صرف ایک ماہ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

خوفِ خدا و کثرتِ عبادت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے رب سے ڈرنا، اُس کے احکام کی اطاعت میں کوشاں رہنا اور کثرت سے عبادت کرنا، یہ اُس مخصوص علم کے باعث تھا، جو باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مرحمت فرمایا تھا اسی لیے تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً کم ہنستے اور زیادہ روتے سنن ترمذی میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں تفصیلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّی ما لا ترون واسمع ما	میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے
لا تسمعون اطت السماء وحق	اور میں وہ بھی سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔
لہا ان تطما فیہا موضع اربع	آسمان چرچراتے ہیں اور یہ درست ہے
اصابع الا وملك واضع	کیونکہ اُن پر چار انگشت جگہ بھی ایسی
جبھتہ ساجد اللہ تعالیٰ	نہیں جہاں کسی فرشتے نے اللہ تعالیٰ

واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً وما تلذذتم بالنساء علی الفرش ولخرجتم الی الصعدات تجأرون الی اللہ تعالیٰ۔ (صفحہ ۳۴)

کے لیے اپنی پیشانی سجدے میں رکھی ہُوئی نہ ہو۔ خدا کی قسم، جو مَیں جانتا ہوں اگر تُم بھی جانتے تو یقیناً تمہارا ہنسنا گھٹ جاتا اور رونا بڑھ جاتا اور فرشِ زمین پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دیتے اور باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے جب بارگاہِ رسالت میں یہ گزارش کی گئی کہ حضور! آپ اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے، تو اُس فخرِ انسانیت نے جواب دیا، کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ معمولات میں ہمیشگی ہوتی تھی۔ دُوسرا کون شخص ہے جو ایسی طاقت رکھتا ہو؟ آپ فرماتی ہیں: سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزے رکھنے شروع کر دیتے تو ہمیں گمان گزرتا تھا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے اور افطار کرتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب روزے نہیں رکھیں گے۔ اسی کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے وُہ فرماتے ہیں کہ اگر تُو چاہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہُوئے دیکھوں تو یقیناً اُنھیں نماز پڑھتے ہُوئے پائے گا اور اگر تیری خواہش یہ ہو کہ آرام فرمانے کی حالت میں آپ کو دیکھوں تو آرام فرماتے ہُوئے ہی نظر آئیں گے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ نے مسواک کی، پھر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے نماز میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی اور اس طرح کہ رحمت کی آیت پر ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے۔ اسی طرح عذاب کی آیت پر ٹھہر جاتے اور عذابِ الٰہی سے پناہ مانگتے۔ سورۂ بقرہ اِس طرح پڑھتے ہُوئے جب ختم ہُوئی تو آپ نے رکوع کیا اور رکوع کی حالت میں اُتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام کیا تھا۔ رکوع کی حالت میں یہ کہتے تھے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَ الْعَظَمَۃِ[1]۔ پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی پڑھتے رہے۔ دُوسری رکعت میں سورۂ آلِ عمران کی تلاوت کی، تیسری میں اُس سے اگلی اور چوتھی میں اُس سے اگلی پڑھی۔ قرأت کا طریقہ وہی تھا جو مذکور ہُوا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے میں بھی اُتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام کیا تھا اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی اسی قدر بیٹھے رہے آپ نے قیام کے دوران سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ پڑھی تھیں۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک رات نماز پڑھنے میں مصروف ہُوئے اور ساری رات ایک آیت کی بار بار تلاوت ہی میں گزار دی۔ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو اُس وقت آپ نماز پڑھنے میں مصروف تھے اور آپ کے شکم مبارک سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی کھولتی ہے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اکثر غمناک اور دائم الفکر رہتے تھے۔ آپ کو آرام وراحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے ایک سو مرتبہ بخشش و مغفرت کی دُعا کرتا ہُوں۔ دُوسری روایت میں ستّر مرتبہ کا ذکر ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] پاک ہے وُہ ذات جو حقیقی طاقت، حکومت اور عظمت والی ہے۔

ہمیں اور تمہیں نیک توفیق دے۔ جملہ انبیاء و مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کمال تخلیق، حسنِ صورت، شرافتِ نسب، حسنِ اخلاق اور دیگر محاسنِ عالیہ میں یہی حالت تھی کیونکہ یہی اوصاف توصفاتِ کمال ہیں لہٰذا حضرات انبیائے کرام ہر کمال، بشری اوصاف اور جملہ فضائل سے بھرپور رہتے ہیں کیونکہ اُن کا مرتبہ سب سے بلند و بالا اور اُن کا درجہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے لیکن فضائل کے میدان میں اُنھیں بھی پروردگارِ عالم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے آخری پیغام میں فرمایا ہے کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1] یعنی یہ رسول ہیں ہم نے اِن کے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے۔ اِس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت احادیث نقل کی ہیں جو بعض انبیائے کرام کے فضائل و کمالات کو ظاہر کر رہی ہیں لیکن میں (تکرار کے خوف سے) اُن کے نقل کرنے کی اس جگہ ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

شمائل نبوی اور دیگر متعلقہ اوصاف

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ قارئین کرام سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت بخشے ہم نے آپ کے سامنے نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ، فضائل مجیدہ اور متعدد خصائلِ کمالیہ بیان کیے ہیں اور ان اخلاق و خصائلِ حمیدہ کا فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت و صحیح ہونا مبرہن کیا ہے اور اس سلسلے میں صرف بعض آثار نقل کرنے پر ہی قناعت کی ہے حالانکہ حقیقتِ نفس الامری نہایت وسیع ہے۔ آپ کے بارے میں اِس میدان کی وُسعت اِتنی ہے کہ اُس تک پہنچنے کی ہر طویل سے طویل تر رسّی بھی کوتاہ اور ناکافی ہو کر رہ جاتی ہے۔ آپ کے خصائص کے علم کا سمندر تو یقیناً ٹھاٹھیں مار رہا ہے جسے ڈول محدود نہیں کر سکتے لیکن (بخوفِ طوالت) ہم نے بعض معروف احادیث ہی پیش کی ہیں، جن میں سے اکثر صحیح بخاری اور دیگر مشہور تصانیف میں موجود ہیں، جبکہ اُن میں سے

[1] پ ۳، سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۳

بھی ہم نے ایک قلیل حصّے ہی پر اکتفا کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اِن فصلوں کو اُن احادیث پر ختم کریں جو امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جمع کی تھیں، کیونکہ حلیۂ مبارک کے بارے میں یہ بھی کافی ہیں۔

امام ترمذی اور دیگر محدثین نے امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: مَیں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کے متعلق دریافت کیا کیونکہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے میں یگانہ و معروف تھے اور میں خواہشمند تھا کہ حضورِ اقدس کے حلیہ شریف سے رُوشناسی حاصل کروں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دراز قامت تھے۔ آپ کا چہرۂ انور اِس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا دمکتا ہے۔ میانہ قد والوں سے آپ لمبے اور بلند قامت آدمی سے دیکھنے میں نیچے معلوم ہوتے تھے۔ سرِ اقدس بڑا اور بال شکن دار تھے لیکن کنگھی کرنے سے سیدھے بھی ہو جاتے تھے بصورتِ دیگر کانوں کی لَو سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آپ کا رنگ چمکدار، پیشانی کشادہ اور حاجب باریک اور لمبے تھے لیکن ایک دوسرے سے ملے ہُوئے نہ تھے۔ اُن کے درمیان ایک رگ تھی جو غصّے کے وقت اُبھر آتی تھی۔ بینی مبارک نورانی اور بلند تھی، جس نے اُسے غور سے نہ دیکھا ہوتا وہ باریک اور لمبی گمان کرتا۔ ریش مبارک بھاری، چشمانِ مبارک گہری سیاہ، جن میں ہلکی سی سُرخی کی جھلک تھی۔ صاف و شفاف رخسارِ مبارک، دہنِ اقدس مناسب کُھلا ہُوا، خوب صورت اور سفید دندانِ پاک، جو جُدا جُدا تھے۔ سینے پر بالوں کی باریک سی دھاری، گردن گویا چاندی کی صراحی یا خوب صورت اور سُرخی مائل سفید تصویر کی گردن کے مانند، درمیانہ قد، مضبوط بدن، شکمِ اطہر و سینۂ انور سامنے سے برابر تھے، سینہ فیض گنجینہ فراخ، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، گیسوئے مبارک گھنے، گردن کے نچلے حصّے اور ناف کے درمیان بالوں کی باریک سی دھاری تھی، جو خطِ ساد کھائی دیتی تھی، اُس میں بال کم اور نورانی تھے۔ چھاتی اور شکمِ اطہر بالوں سے خالی، اِن کے علاوہ بازوؤں اور کندھوں پر بال تھے۔ سینہ فراخ اور بلند، کلائی بڑی، ہتھیلی کشادہ، ہاتھ پیروں کی انگشتہائے مبارک

موٹی اور لمبی تھیں۔ پیٹھ صاف اور لمبے تھے، پاؤں درمیان سے اُبھرے ہوئے جو زمین سے اُٹھے رہتے۔ قدم انور صاف اور نرم تھے جن کے اُوپر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔ زمین سے اُٹھتے تو پُوری قوت کے ساتھ اور چلتے وقت آگے کی جانب قدرے مائل ہو کر چلتے، تیز چلتے تھے لیکن بڑے آرام سے۔ محوِ رفتار ہوں تو یُوں محسوس ہوتا کہ آگے کو گرنے والے ہیں۔ جب کسی جانب توجہ فرماتے تو مکمل طور پر اُدھر متوجہ ہوتے۔ نگاہیں نیچی رکھتے۔ آپ کی نظر آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ کا ملاحظہ فرما لینا ایک جھلک کی مانند ہوتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے چلتے اور جو ملتا اُسے پہلے سلام کرتے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرزِ تکلم کی خُوبیاں دریافت کیں تو اُنھوں نے بتایا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عموماً غمگین اور متفکر رہتے تھے۔ چونکہ آپ آرام سے زندگی نہیں گزار رہے تھے لہٰذا ضرورت کے بغیر کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ کلام میں ابتداء اور انتہا میں زیادہ وضاحت فرماتے۔ جامع کلمات کے ساتھ مفصل کلام کرتے لیکن اس میں ایک لفظ بھی زاید از ضرورت نہ ہوتا اور کسی ایک لفظ کو شامل کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی تھی۔ آپ تند خو نہیں بلکہ طبیعت کے نرم تھے۔ کسی کو حقیر نہیں جانتے تھے نعمت کی قدر کرتے اگر قلیل ہوتی اُدبواُس کی مذمت سے پُوری طرح گریز کرتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی قطعاً تعریف نہ کرتے کیونکہ یہ حرص کی ایک نشانی ہے اور نہ بُرائی بیان کرتے۔ جب حق کے درپے ہوتے تو اُس وقت تک غصہ و غضب دُور نہ ہوتا جب تک انتقام نہ لے لیتے، لیکن اپنی ذات کے لیے غیظ و غضب میں نہیں آئے اور نہ اپنی ذات کا کبھی انتقام لیا۔ جب اشارہ کرتے تو پُوری ہتھیلی سے فرماتے۔ جب تعجب فرماتے تو ہتھیلی کو اُوپر نیچے کرتے اور جب کلام فرماتے تو اُسے ملا دیتے اور دائیں انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے۔ جب غصے میں آتے تو مُنہ پھیر لیتے۔ خوش ہوتے تو نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا صرف تبسم کی حد تک تھا۔ کلام فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ بارانِ رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔[۱]

---

[۱] فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

ہیں نثار تیرے کلام پر، ملی یُوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اپنے بھائی حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کچھ عرصہ مخفی رکھنے کے بعد بیان کیا تو مجھے معلوم ہُوا کہ وُہ میرے بتانے سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے کیونکہ انھوں نے حضرت والدِ محترم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف لانے، باہر تشریف لے جانے، لباس، مجلس اور شکل وصورت کے متعلق دریافت کیا تھا تو انھوں نے ہر بات تفصیل کے ساتھ بتادی تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پُوچھا تھا کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح گھر میں تشریف لایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لانا اپنی مرضی پر منحصر تھا۔ گھر میں جتنا وقت تشریف رکھتے اس کے تین حصّے کیے ہُوئے تھے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے، دُوسرا اہل وعیال کی خاطر اور تیسرا اپنی ذات کے لیے تھا۔ پھر تیسرے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کیا ہُوا تھا۔ عام پر خاص کو ترجیح دیتے لیکن کسی کو روکتے نہ تھے اُمت کے حق میں یہ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ فضل کو ترجیح دیتے اور دین میں فضیلت کے لحاظ سے حاجت مندوں میں تقسیم فرماتے۔ اُن میں بعض ایک حاجت والے، بعض دو حاجتوں والے اور بعض بے شمار حوائج والے ہوتے تو اُن کا لحاظ رکھتے ہُوئے آپ اُن کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتے اور آپ کا یہ اشتغال اُن کی بھلائی کی خاطر ہوتا تھا۔ اُمتیوں کے حالات پُوچھتے اور جو اُن کے لائق ہوتا وہ مشورہ بھی دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ حاضرین کو چاہیے کہ یہ باتیں ان لوگوں تک بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں جو شخص اپنی حاجت مجھ تک نہیں پہنچا سکتا تو دوسروں کو چاہیے کہ غائب کی حاجت یہاں تک پہنچا دیا کریں کیونکہ جو شخص کسی مجبور کی حاجت حاکمِ وقت تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُسے ثابت قدم رکھے گا، اُس کے سامنے صرف اُسی بات کا ذکر آئے گا اور اُس کے سوا دوسرے کی بات قابلِ قبول نہ ہوگی۔

سفیان بن وکیع کی حدیث میں ہے کہ لوگ آپ کے پاس علم سے خالی آتے اور دولتِ علم سے ایسے مالامال ہوجاتے کہ فقیہہ بن کر نکلتے تھے[1]۔ میں نے سوال کیا کہ بیرونِ خانہ

---

[1] اسی لیے تو ظفر علی خاں دیوبندی نے کہا ہے؎

(باقی اگلے صفحہ پر)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حالت کیا ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر ضرورت کے کلام نہ فرماتے۔ لوگوں کو ملانے کی کوشش کرتے اور متفرق نہ ہونے دیتے۔ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے اور اُسی کو اُن پر والی (گورنر) بناتے۔ عام لوگوں سے علیحدہ رہتے لیکن کسی سے رُوگردانی نہ فرماتے۔ اپنے بعض اصحاب کی غیر موجودگی میں اُن کے حالات بھی دریافت فرماتے۔ اچھے کام پر حوصلہ افزائی کرتے اور بُرے کاموں کو ناپسند فرماتے۔ آپ کے معمولات میں اعتدال اور عدمِ اختلاف تھا۔ غفلت اور تساہل کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے تاکہ لوگ غافل اور کاہل نہ بن جائیں۔ ہر کام میں میانہ روی تھی۔ کسی کے حق میں کمی نہ کرتے اور غیر مستحق کو تجاوز نہیں کرنے دیا کرتے تھے۔ جو اشخاص آپ کا جتنا قُرب حاصل کر لیتے اُسی قدر دوسروں سے بہتر اور افضل شمار ہوتے۔ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح موافقت کرنے والے آپ کے نزدیک عظیم ٹھہرتے تھے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس کیسی ہوتی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور کوئی جگہ اپنے بیٹھنے کے لیے معین نہ فرماتے اور دُوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو مجلس کے آخری حصے میں بیٹھ جاتے اور دُوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اپنے ہم نشینوں کو علیٰ قدر مراتب نوازا کرتے تھے، جس سے ہر ایک یہی گمان کرتا تھا کہ آقائے دوجہاں کی سب سے زیادہ نظرِ کرم میرے ہی حال پر ہے۔ جو شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتا، یا کسی حاجت کے سبب آنا پڑتا، تو جب تک وُہ فارغ ہو کر چلا نہ جاتا اُتنی دیر آپ اُس کے پاس تشریف رکھتے۔ جس نے بھی آپ کی بارگاہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ارسطو کی حکمت ہے یثرب کی لونڈی

فلاطون طفلِ دبستانِ احمد

(نوٹ) موصوف چونکہ دیوبندی تھے لہٰذا لفظِ یثرب کو بیدھڑک استعمال کر گئے برادرانِ اہلسنت کو اس جگہ طیبہ پڑھنا چاہئے (اختر)

اپنی حاجت پیش کی، اُس کی ضرور آپ نے حاجت روائی فرمائی یا اُسے سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیا۔
آپ کی کرم نوازی اور اخلاقِ عالیہ کا دائرہ لوگوں کے درمیان بڑا وسیع تھا۔
آپ سب کے لیے باپ کی طرح تھے اور وُہ سارے آپ کے نزدیک حق میں ایک دوسرے سے قریب اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک دُوسرے پر فضیلت والے تھے۔ دُوسری روایت میں ہے کہ آپ کے نزدیک لوگ حق میں برابر تھے۔ آپ کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی محفل ہُوا کرتی تھی اُس میں نہ کوئی آواز بلند کرتا اور نہ کسی کی بدگوئی کی جاتی تھی نیز ادھر اُدھر دیکھ کر گفتگو نہیں کی جاتی تھی۔ یہ الفاظ پہلی دونوں روایتوں میں نہیں ہیں۔ صحابہ کرام بھی آپ کی مجلسِ مبارکہ میں تقویٰ کے لحاظ سے محبت کرتے اور تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وُہ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھتے، غریب کی حاجت روائی کرتے اور مسافروں کی حالت پر ترس کھایا کرتے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ ہم نشینوں کے بارے میں دریافت کی تو اُنھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش مزاج، کریم الخلق اور نرمی سے سلوک کرنے والے تھے۔ بدخُلق اور سخت طبیعت والے نہ تھے اور نہ بازاروں میں آواز بلند کرتے اور نہ فحش باتیں کرتے، نہ کسی پر عیب لگاتے اور ایسا مزاح نہ فرماتے جو مقام ادب سے غافل کر دے یا جسے طبیعت نہ چاہے، کبھی مایُوس نہ ہوتے۔ تین چیزیں آپ کی سیرتِ مقدسہ میں قطعاً نہ تھیں (۱) ریاکاری (۲) بیکار گفتگو (۳) غیر مفید کام۔
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کو تین حالتوں میں رکھتے تھے۔ کسی کی مذمت نہ کرتے اور نہ کسی کا عیب تلاش کرتے۔ جس میں ثواب کی اُمید ہوا سی کام کا حکم دیتے۔
جب آپ زبانِ حق ترجمان سے کچھ ارشاد فرماتے تو اہلِ مجلس اپنے سروں کو اس طرح جُھکا لیا کرتے تھے جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ خاموش ہوتے اُس وقت صحابۂ کرام گفتگو کیا کرتے تھے۔ وُہ کسی بات پر آپس میں نہ جھگڑتے۔ جو شخص بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوتا، اُس کی التجا بڑی توجہ سے سُنی جاتی اور اُتنی دیر آپ خاموش رہتے، یہاں تک کہ وُہ

اپنی بات ختم کرکے فارغ ہوجاتا۔

آپ کلام کی ابتدا فرماتے تھے۔ آپ ہنستے تو وہ بھی ہنستے اور آپ تعجب فرماتے تو وہ بھی متعجب ہوتے۔ اجنبی آدمی کی سخت کلامی پر صبر فرماتے اور عام حکم تھا کہ جب کسی حاجتمند کو دیکھو تو اُس کی حاجت پُوری کرنے کی کوشش کرو۔ مکافات کرنے والے کی مدح وثنا قبول فرماتے کسی کی بات نہ کاٹتے اور اگر کوئی تجاوز کرتا تو اُسے روک دیتے یا وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

بعض روایات میں اِس سے زیادہ ہے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سکوت کے متعلق دریافت کیا تو جواب مِلا کہ آپ کی خاموشی چار باتوں پر منحصر تھی: (۱) حلم (۲) احتیاط (۳) اندازہ (۴) تفکر ـــــ آپ کا اندازہ یہ تھا کہ سب پر نظر رکھتے اور ہر ایک کی بات پُوری توجہ سے سماعت فرماتے۔ آپ کا تفکر فانی اور باقی چیزوں کی حقیقت کے بارے میں تھا۔ صبر کرنے میں آپ بہت حلیم تھے یہاں تک کہ بے قرار کر دینے والے مواقع پر بھی آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے۔ چار چیزوں میں آپ احتیاط فرماتے تھے: (۱) اچھی چیز اختیار فرماتے، تاکہ لوگ پیروی کریں۔ (۲) بُری باتوں سے دُور رہتے تاکہ لوگ اُن سے اجتناب کریں (۳) جس بات میں اُمّت کا فائدہ ہوتا اُس میں کوشاں رہتے (۴) جو چیز دنیا اور آخرت میں فائدہ دینے والی ہوتی اُس کا اہتمام فرماتے۔

فائدہ یہ مشکل الفاظ کی تشریح کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (المشذب) سے لمبا اور قدرے نحیف آدمی مراد ہے اور یہ دُوسری حدیث ہی کے موافق ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ بہت لمبے نہ تھے۔ (الشعر الرجل) سے وُہ بال مراد ہیں جو نہ زیادہ شکن دار ہوں اور نہ بالکل سیدھے، گویا دستِ قدرت نے شانہ کیا ہُوا ہے اور وہ اُلجھے ہُوئے نہ ہوں۔ (العقیقۃ) سے سر کے ایسے بال مراد ہیں کہ اگر آپ اُنھیں جُدا جُدا کرنا چاہتے تو وُہ علیحدہ علیحدہ ہوجاتے ورنہ مِلے رہتے۔ دوسری روایت میں اِس کے لیے لفظ عقیصتہ بھی استعمال ہُوا ہے (ازہر اللون) سے روشن رنگ مراد ہے یا خوبصورت رنگ جیسا کہ زہرۃ الحیاۃ الدنیا ہے۔ دُوسری حدیث میں اس کی تشریح یُوں ہے، لیس بالابیض الامھق ولا بالادم یہاں بھی امہق سے بالکل سفید اور آدم سے گندمی رنگ مراد ہے۔ ایک

اور حدیث میں ابیض مشرب ہے۔ یعنی ایسا سفید جس میں سرخی کی جھلک ہو (الحاجب الازج) ایسے قوس دار حاجب جن کے بال گھنے ہوں۔ (الاقنیٰ) لمبی ناک جو درمیان سے قدرے اُبھری ہوئی ہو۔ (الاشم) ناک کی لمبی پوری۔

(القرن) حاجبوں کے بالوں کا ملا ہوا ہونا مراد ہے۔ اس کی ضد بلج ہے یعنی جدا جدا ہونا۔ ام معبد والی حدیث میں آپ کی یہ تعریف لفظ قرن سے کی گئی ہے۔ (الادعج) سے آنکھ کے گہرے سیاہ بال مراد ہیں۔ دوسری حدیث میں اشکل العینین مذکور ہے، جس سے مراد ایسی آنکھیں ہیں جن کی سفیدی میں سرخی کی جھلک بھی ہو۔ (الضلیع) کا مطلب کشادہ ہے۔ (الشنب) سے دانتوں کی خوب صورتی یا اُن کے درمیان معمولی سا فاصلہ مراد ہے جیسا کہ عموماً نوجوان کے دانتوں میں ہوتا ہے۔ (الفلج) سامنے والے دانتوں میں فاصلہ ہونا۔ (دقیق المسربۃ) یعنی بالوں کی دھاری جو سینے سے ناف تک ہو۔ (بادنٌ) پُرگوشت۔ (متماسکٌ) معتدل اور مضبوط جسم والے۔ دوسری حدیث میں ہے: لَمْ یَکُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ یعنی آپ ڈھیلے اور نرم گوشت والے نہیں تھے۔ (مکلثم) چھوٹی ٹھوڑی کو بھی کہتے ہیں۔

(سوأ البطن والصدر) سے مراد یہ ہے اور شکم مبارک اور سینۂ اقدس سامنے سے ایک ہی سطح میں نظر آتے تھے۔ (مشیح) اگر یہ لفظ درست ہے تو اس کا مطلب اقبال ہے۔ اِس سے سینے میں کسی جانب ہونا بھی مراد ہوتا ہے اور اِس معنی سے سوأ البطن و الصدر کی تشریح بھی ہوتی ہے کیونکہ آپ کے سینۂ فیض گنجینہ سے شکم مبارک باہر کو نکلا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ممکن ہے یہ لفظ مَسِیح ہو یعنی سین اور میم مفتوحہ کے ساتھ، جس سے مراد چوڑا ہے۔ دوسری روایت میں الکرادیس یعنی ہڈیوں کے سر، جن سے جوڑ مراد ہیں۔ ایک اور حدیث میں جلیل المشاش والکتد ہے۔ مشاش سے کندھوں کے سرے اور کتد سے کندھوں کا اجتماع مراد ہے۔ (ششن الکفین والقدمین) سے ہتھیلیوں اور قدموں کا پُرگوشت ہونا مراد ہے۔ (الزندان) کلائیوں کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ (سائل الاطراف) یعنی لمبی انگلیاں۔ (رحب الراحۃ) وسیع ہتھیلی کو کہتے ہیں یا انتہائی سخی۔ (خمصان اخمصین) یعنی ایسے قدم جو درمیان سے اونچے اور زمین سے اُٹھے ہوئے ہوں۔ (مسیح القدمین)

سے صاف قدم مراد ہیں۔ اسی لیے ینبو عنہما الماء فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت ہیں اِس کا خلاف مذکور ہُوا ہے کیونکہ اُس میں یہ ہے کہ جب آپ قدم مبارک کو زمین پر رکھتے تو پُورا قدم زمین سے لگ جاتا اور اُس میں جھکاؤ یا اُبھار نہ تھا۔ یہ مفہوم مسیح القدمین والی روایت کی تائید کرتے ہیں اور اسی وجہ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ابن مریم کہا گیا ہے کیونکہ اُن میں جھکاؤ نہ تھا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قدموں پر زیادہ گوشت نہ تھا اور یہ مفہوم شثن القدمین کے خلاف ہے۔ (التقلع) کا مطلب قوت سے قدم اٹھانا ہے۔

(التکفؤ) آگے کی جانب جُھک کر چلنے کو کہتے ہیں۔ (الھون) سے نرمی اور وقار مراد ہے۔ (الذریع) لمبے قدم اٹھانے کو کہتے ہیں۔ یعنی جلدی کے ساتھ اور کافی آگے قدم رکھنا، لیکن متکبر کی چال اِس کے برخلاف ہوتی ہے۔ آپ منزل کی جانب متوجہ رہتے۔ آپ کا تیز چلنا مشقت اور عجلت کے بغیر آسانی کے ساتھ تھا، جیساکہ مذکور ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا گویا آپ نشیب کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔ (یفتتح الکلام و یختمہ باشداقہ) یعنی دہن شریف کشادہ تھا۔ اہل عرب مُنہ کی فراخی کو خوبی شمار کرتے اور چھوٹے مُنہ کو مذموم گردانتے تھے۔ (اشاح) اعراض کرنا۔ (حب الغمام) اولے (ژالہ) اور فرمان (فیرد ذٰلک بالخاصۃ علی العامۃ) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک وقت مقرر فرمایا ہُوا تھا، جس میں صرف خاص حضرات ہی بارگاہِ رسالت میں باریاب ہو سکتے تھے اور آپ کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہو کر اُنھیں عام حضرات تک پہنچاتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ اُس خاص وقت کو عام لوگوں کے لیے بھی بدل دیا جاتا تھا۔

(یدخلون رواداً) سے محتاجوں اور تشنگانِ علم و عرفاں کی آمد مراد ہے۔ (ولا ینصرفون الا عن ذواق) اور وُہ اپنی تشنگی بجھائے بغیر واپس نہیں لوٹتے تھے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا لہٰذا اسے ظاہر مفہوم پر ہی محمول کرنا چاہیے۔ (العتاد) تیار شدہ۔ (المعاذرۃ) المعاونۃ لا یوطن (الاماکن) یعنی نماز کے لیے کوئی جگہ معین نہ فرماتے اور دُوسری حدیث میں ایسا کرنے سے تفصیلی طور پر منع فرمایا ہُوا ہے۔ (صابرہ) سے مراد ہے کہ ساتھی کے ارادے

کے مطابق ٹھہرے رہتے۔ (لا تؤبن فیہ الحرم) یعنی مجلس میں عورتوں کی بدگوئی نہ کی جائے۔ (لا تنثی فلتاتہ) یعنی اِدھر اُدھر دیکھ کر کلام نہ فرماتے، اگرچہ کسی سے کوئی بات چھپانے والی ہو۔ (یرفدون) مدد کرتے۔ (الصخاب) بہت چلّانے والا۔ (لا یقبل الثناء (لا مکافی) یعنی جس مدح وثنا میں مبالغہ ہو اُسے پسند نہ فرماتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہر ایک مسلمان کے متعلق ہے اور بعض کا قول احسان کا بدلہ دینے والے کے بارے میں ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انعام فرمایا ہو۔ (یستفزہ) یعنی ہلکا جانتے ہوں۔ دوسری حدیث میں منجملہ آپ کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ منہوس العقب یعنی ایڑیاں زیادہ پُرگوشت نہ تھیں۔ (اھدب الاشفار) یعنی آپ کے حاجبوں کے بال لمبے تھے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

خصائصِ مصطفیٰ

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشفاء کے تیسرے باب میں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین منصب کے بیان میں صحیح اور مشہور احادیث نقل فرمائی ہیں، جن سے واضح ہو رہا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کیا ہے اور وہ آپ کی کرامت وعظمت کے روشن بیانات ہیں، جن عظمتوں کے ساتھ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو دونوں جہانوں میں سب سے ممتاز اور مخصوص فرمایا ہے[1]۔ (والحمد للہ علیٰ ذٰلک)

لاخلاف انہ صلوات اللہ	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم
وسلامہ علیہ اکرم البشر	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے
وسید ولد ادم وافضل	معزز بشر، جملہ اولادِ آدم کے سردار،

[1] فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ؎

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے رُوحِ امیں
تُو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

الناس منزلة عند الله عزّ وجلّ و اعلاهم درجة واقربهم زلفیٰ۔ (ص ۳۹)	اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلحاظ مرتبہ تمام انسانوں سے افضل، سب سے اونچے مرتبے والے اور اللہ عزّوجلّ کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہیں لیکن ہم (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ) نے صرف صحیح اور مشہور احادیث ہی پر اکتفا کیا ہے۔ پس باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک آپ کا جو منصب ہے اور آپ کی شانِ اصطفاء اور رفعتِ ذکر اور فضیلتِ عظمیٰ اور سیادتِ بنی آدم اور جن بلند مراتب کے باعث آپ کو دنیا میں خاص فرمایا اور آپ کے اسمِ مبارک کی برکت کے بارے میں جو احادیثِ صحیحہ مشہورہ وارد ہیں، اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہتر حصے میں رکھا۔ اُن میں سے ایک گروہ کا نام اللہ تعالیٰ نے اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ رکھا ہے اور دوسرے کا اَصْحَابُ الشِّمَالِ۔ پس میں اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ سے ہوں اور ان میں سب سے بہتر ہوں۔ پھر اس گروہ کے تین حصے کیے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ اَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃِ مَا اَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃ ـــــ وَ اَصْحَابُ الْمَشْئَمَۃِ مَا اَصْحَابُ الْمَشْئَمَۃ ـــــ وَ السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ میں سابقون میں سے ہوں اور ان میں بہتر ہوں۔ پھر اُن کے قبیلے بنا دیے اور مجھے بہتر قبیلے میں رکھا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: اِنَّا جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ (الآیہ) پس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے متقی و مکرم ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا پھر قبائل کو مختلف گھروں میں تقسیم فرمادیا تو مجھے بہتر گھر میں رکھا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے پلیدی کو دُور کر دے اور تمھیں پاک صاف فرمادے ـــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابۂ کرام بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے:

یارسول اللہ متٰی وجبت لك النبوة قال وآدم بين الروح والجسد ۔ (ص ۳۹)	یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: جب آدم علیہ السلام روح اور بدن کے درمیان تھے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چُنا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو، بنی کنانہ سے قریش کو، ان سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ محض فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی روایت میں ہے کہ میں جملہ اولین وآخرین سے زیادہ بزرگ ہوں اور فخر یہ نہیں کہتا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ جبریل نے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور! میں نے زمین کے مشرق ومغرب اور شمال جنوب تک ہر گوشے کو چھان مارا لیکن آپ سے افضل کسی کو نہ دیکھا اور بنی ہاشم سے بہتر کسی باپ کی اولاد نہ پائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ معراج کی رات میں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں براق پیش کیا گیا۔ جب آپ نے سوار ہونے کا عزم فرمایا تو براق اُچھلنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اے براق! تو نبی آخرالزمان کی بارگاہ میں ایسی حرکتیں کر رہا ہے حالانکہ ان سے زیادہ بارگاہِ خداوندی میں مکرم ومعزز اور کون ہے جو تجھ پر سوار ہوتا۔ یہ سُن کر براق مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے اُن کی پشت مبارک میں زمین پر اُتارا اور حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک کے اندر کشتی میں رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھا کہ مجھے بھی دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح ہر دور کے اندر مجھے نیک پشتوں سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اپنے والدین کریمین

کے گھر جلوہ آرائے گیتی ہُوا اور یہ کبھی زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکے تھے اور اسی طرح آپ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق اپنے مشہور قصیدے میں اشارۃً فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ جب آدم اور حوا علیہما السلام اپنے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپ رہے تھے، اُس سے پہلے آپ گھنے سایوں میں مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنا وقت گزار رہے تھے۔

۲۔ پھر ان کے ساتھ آپ بھی زمین پر تشریف لے آئے حالانکہ آپ نہ تو قبل ازیں بشر تھے اور نہ انسان کی بنیاد کے مانند آپ مضغہ اور علق رہے تھے۔

۳۔ ظہورِ بشریت کے بعد آپ نطفہ کی شکل میں محفوظ مقامات میں سوار کی مانند متمکن رہے۔ گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھا ہُوا تھا۔ اگلی منزل پر پہنچے اور پچھلی رُوپوش ہو جاتی۔

۴۔ آپ صلب سے رحم کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دُوسرا شروع ہو جاتا۔

۵۔ آپ کا ایسا ہر محافظ مسکن اگرچہ خندق اور بلند چٹانوں وغیرہ سے گھرا ہُوا تھا لیکن آپ ایسے مقامات میں بھی کائنات کی زبان بن کر رہے۔

۶۔ جب آپ رونق افزائے دہر ہُوئے تو تشریف آوری سے زمین پُر نُور ہو گئی اور فضائیں جگمگا اُٹھیں۔

۷۔ ہم آپ کی ضیا پاشی اور نورانیت کے صدقے[1] ہی میں تو راہِ ہدایت پر گامزن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر کئی صحابۂ کرام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں اور بعض روایات میں چھ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر

---

[1] حضرت اختر الحامدی الرضوی مدظلہٗ رقمطراز ہیں: ؎

چاند تاروں میں ہے تجھ سے تابندگی ، زندگی میں ترے دم سے ہے زندگی
یعنی جان آفریں ہے تری ہر ادا ، یا نبی مصطفیٰ ، یا نبی مصطفیٰ

رُعب طاری ہوجانے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی (۲) تمام زمین نماز پڑھنے کی خاطر میرے لیے پاک ٹھہرائی گئی تاکہ میرے کسی اُمّتی کو جس جگہ موقع ملے وُہ وہیں نماز پڑھ سکے۔ (۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال فرما دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنائم حلال نہیں فرمائے گئے تھے۔ (۴) میں تمام انسانوں کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا ہُوں۔ (۵) مجھے شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے ہر گورے اور کالے انسان کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رُعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے اور میں جامع کلمات دیا گیا ہُوں اور مَیں خواب کی حالت میں تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے سپرد کر دیں اور نبوّت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرما دیا گیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی فرط لکم علی الحوض و	میں تمہارے لیے حوضِ کوثر پر آگے
وانا شہید علیکم و انی و	جانے والا ہوں اور تمہارے اوپر گواہ
اللہ لا نظر الی حوضی الاٰن و	ہُوں۔ خدا کی قسم یقیناً میں اپنے حوض کو
انی قد اعطیت مفاتیح خزائن	اب بھی دیکھ رہا ہُوں[۱]۔ زمین کے خزانوں
الارض و انی و اللہ ما اخاف	کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں اور
علیکم ان تشرکوا بعدی	خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم، مجھے یہ ہرگز
ولکنی اخاف علیکم ان	خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرنے
تنافسوا فیہا۔ (صنا)	لگو گے ہاں مجھے تمہارے دنیا سے رغبت
	رکھنے کا خطرہ ضرور ہے۔

---

[۱] امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں: ؎

اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چُھپا، تم پہ کروڑوں درود

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہی اُمّی نبی ہوں جس کا نام نامی واسمِ گرامی محمد بتایا گیا تھا۔ میں جامع کلمات اور خاتمیت دیا گیا ہوں۔ میں دوزخ کے نگران فرشتے کو جس کا نام خازن ہے اور عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے فرشتوں کو جانتا ہوں۔

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا، باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ:

سل یا محمد فقلت یا رب ما اسأل اتخذت ابراهیم خلیلاً وكلمت موسیٰ تكلیمًا و اصطفیت نوحاً و اعطیت سلیمان ملكاً لا ینبغی لاحد من بعده فقال الله تعالیٰ ما اعطیتك خیر من ذٰلك اعطیتك الكوثر وجعلت اسمك مع اسمی ینادی به فی جو السماء وجعلت الارض طهوراً لك ولامتك وغفرت لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر فانت تمشی فی الناس مغفوراً لك ولم اصنع ذٰلك لاحد قبلك وجعلت قلوب امتك مصاحفها وخبأت لك شفاعتك ولم اخبأها لنبی غیرك۔ (ص۴)

اے سب سے زیادہ تعریف کیے گئے محبوب! مجھ سے جو چاہو مانگو۔ میں عرض گزار ہوا، اے رب! میں تجھ سے کس چیز کا سوال کروں جبکہ تُو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اور موسیٰ علیہ السلام سے تُو نے کلام کیا اور نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی جو اُن کے سوا دوسرے کے لائق نہیں۔ ارشاد ربانی ہوا: میں نے جو تمھیں مرحمت فرمایا وُہ اس سے بڑھ کر ہے۔ میں نے تمھیں حوضِ کوثر بخشا، تمھارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جس کی ندا فضاؤں میں سُنی جاتی ہے اور میں نے زمین کو تمھارے لیے اور تمھاری اُمت کے لیے پاک ٹھہرا دیا اور تمھارے باعث تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیے اور تم لوگوں کے درمیان بخشوانے والے کی حیثیت سے جلوہ افروز ہو حالانکہ قبل ازیں یہ سلوک میں نے کسی کے ساتھ نہیں کیا اور تمھارے اُمتیوں کے دلوں کو صحیفے بنا دیا اور حقِ شفاعت کو تمھارے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا جو کسی دوسرے نبی کے لیے چھپا کر نہیں رکھی گئی۔

دوسری حدیث میں ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ سب سے پہلے میری امت کے جو اشخاص میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اُن کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار مزید ہوں گے۔ ان میں سے کسی کا حساب نہیں لیا جائے گا اور مجھ پر یہ کرم بھی فرمایا کہ میری امت قحط سالی سے نہیں مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ مجھے نصرت، عزت اور رُعب عطا فرمایا جو ایک ماہ کی مسافت تک اثر انداز ہے۔ میرے لیے اور میری امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دے دیا اور ہم سے پہلے لوگوں پر جو سختی فرمائی گئی تھی وہ ہم سے اٹھالی گئی ہے اور ہم سے دین میں حرج اٹھالیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کو معجزات دیے گئے، جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے۔ مجھے قرآن مجید عطا فرمایا گیا ہے جس سے بہتر معجزے پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ میں بھی نبی ہوں اور دیگر انبیائے کرام کی طرح میری جانب بھی وحی آتی ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار قیامت میں سب سے زیادہ ہوں گے۔

محققین حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک آپ کا یہ معجزہ بھی رہے گا۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزے وقتی تھے بعد میں ان کی کوئی نشانی بھی نظر نہیں آئی، صرف اسی وقت کے لوگوں نے انھیں دیکھا لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک موجود رہے گا اور ہر کوئی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی طرح محض ایک خبر ہو کر نہیں رہ جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو اُس کی اُمت سے سات نجیب عطا فرمائے گئے اور تمھارے نبی کو چودہ مرحمت ہوئے، جن میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور سب نبیوں سے آخری نبی ہوں حالانکہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی۔ میں ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور

عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے آسمانی مخلوق پر اور جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ آسمانی مخلوق پر آپ کو کس طرح کی فضیلت حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آسمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝..... (الآیہ) [1]	اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو۔

اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ [2]	بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی۔

صحابہ کرام نے پوچھا، یا رسول اللہ! انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ کو کیا فضیلت حاصل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ۔ [3]	اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے۔

اور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ [4]	اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت عرض گزار ہوئی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہمیں اپنے متعلق کچھ بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، جن کی دعا کا

---

[1] پ ۱۷، سورۂ الانبیا، آیت ۲۹
[2] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت پہلی
[3] پ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۴
[4] پ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۲۸

ذکر باری تعالیٰ شانہٗ نے یوں فرمایا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ[1] — اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول، انھیں میں سے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میری والدہ ماجدہ نے، جب میں ان کے شکم مبارک میں جلوہ افروز تھا، دیکھا کہ اُن کے جسم سے ایک نور خارج ہوا اور اُس سے سرزمینِ شام اور بصریٰ کے محلات تک نظر آگئے۔ میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ اُسی دوران میں جب ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ تھا کہ دو شخص آئے جنھوں نے بہت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس سونے کا ایک طشت تھا، جو برف کی طرح ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اُنھوں نے سینے سے فمِ معدہ تک میرا پیٹ چیرا، دل نکالا اور اُسے بھی چیر کر اس سے ایک سیاہ ٹکڑا نکالا، پھر میرے دل اور پیٹ کو اُس برف سے دھویا اور بالکل صاف کر دیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے کوئی چیز پکڑی، دیکھا تو وہ نور کی ایک مُہر تھی جو نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اُنھوں نے اُس سے میرے دل پر رحمت کی مُہر لگائی اور دل کو اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد دوسرے آدمی نے اپنا ہاتھ میرے چِرے ہوئے سینہ پر پھیرا تو وہ درست ہو گیا۔
ایک روایت میں ہے کہ آپ کا قلبِ انور بڑا مضبوط تھا۔ اُس میں دو آنکھیں تھیں جو کائنات کا مشاہدہ کرتی تھیں اور دو کان تھے جو کانِ سماعت تھے۔ ازاں بعد اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اِن کی اُمت کے دس آدمیوں کے ساتھ اِن کا وزن کرو۔ جب ایسا کیا گیا تو میں بھاری تھا پھر کہا، ایک سو کے ساتھ وزن کرو۔ جب وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ کہا، ایک ہزار کے ساتھ وزن کرو۔ تب بھی میں بھاری ثابت ہوا۔ آخر میں اُس نے اپنے ساتھی سے کہا، چھوڑیئے اگر ساری اُمت کے ساتھ اِن کا وزن کیا جائے تو بھاری یہی رہیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُنھوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اے محبوب آقا! گھبرائیے

---

[1] پ ا، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۹

نہیں، اگر آپ جانتے ہیں، جو ہم آپ کے ساتھ کرنے والے ہیں، تو یقیناً اُس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اِس حدیث کے باقی حِصّے میں یہ بھی ہے کہ اُن فرشتوں نے بارگاہِ رسالت میں یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ! باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک کس قدر عزّت و وقار اور فضیلتؐ کرامت والے ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اُس کے فرشتے آپ کے معاون و مددگار ہیں۔

حضرت ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب وُہ فرشتے چلے گئے تو میری یہ حالت تھی گویا نبوت و رسالت کی حقیقت مجھ پر بخوبی واضح ہے۔ حضرت ابو محمد مکی اور ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہما کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش (ظاہری) کے وقت بارگاہِ ایزدی میں دُعا کی، اے باری تعالیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میری غلطی معاف فرما دے۔ ارشادِ ربّانی ہُوا، اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کس طرح پہچانا؟ عرض گزار ہُوئے کہ جنّت میں ہر جگہ یہی لکھا ہوا دیکھا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اِس کے دیکھنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کا سب سے معزّز و مکرم بندہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور انھیں بخش دیا اور یہ مذکورہ دونوں حضرات کے نزدیک فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ (۱) کی تاویل ہے۔ (یعنی القائے کلمات سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑنے کی تلقین کرنا مراد ہے)

دُوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہُوئے، اے پروردگار! میں نے جب تیرے عرش کی جانب دیکھا تو اُس پر یہ لکھا ہوا پایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں نے یہ دیکھ کر یقین کر لیا تھا کہ تیرے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رُتبے کا نہیں ہے کیونکہ اُن کے نام کو تُو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی جانب وحی فرمائی کہ اے آدم! مجھے اپنی عزّت اور جلال کی قسم، وُہ اگرچہ تمہاری اولاد سے ہوگا اور سب سے آخری نبی ہوگا لیکن اگر اُس محبوب کو پیدا نہ کرتا تو تمھیں بھی

---

(۱) پس سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے (پ ۱، سورہ البقر، آیت ۳۷)

پیدا نہ کرنا۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی کنیت ابو محمد رکھ لی تھی جبکہ بعض کے نزدیک ان کی کنیت ابوالبشر ہے۔

حضرت سریج بن یونس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور جس گھر میں کوئی محمد یا احمد نام کا آدمی رہتا ہو اُس میں ٹھہر جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کے ہر دروازے پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے جو دنیا میں اس بات (توحید و رسالت) کا قائل ہوگا اُسے عذاب نہیں دُوں گا۔ بعض ذکر کرتے ہیں کہ پُرانے پتھروں پر مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُّصْلِحٌ سَیِّدٌ اَمِیْنٌ لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ علامہ سمنطاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خراسان کے علاقے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے ایک پہلو پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دُوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا۔ علامہ موصوف کا بیان ہے کہ اُنھوں نے خود بھی اُس بچے کو دیکھا اور مذکورہ امر کا مشاہدہ کیا تھا۔ بعض حضرات نے یہ خبر دی ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں گلاب کے پھول پر سفید رنگ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا گیا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد محترم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا، اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، تم میں سے جس کا نام محمد یا احمد ہے، وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اس حکم سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کی عظمت دکھانا چاہے گا۔ ابن قاسم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سماع میں اور ابنِ وہب علیہ الرحمہ نے اپنی جامع میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ والوں سے سُنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں محمد نامی کوئی آدمی رہتا ہو وہ گھر برکت والا ہے اور اُس کے ہمسایوں کو بغیر کسی خاص مشقت کے رزق ملتا رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر گھر میں ایک، بلکہ دو، بلکہ تین شخص ایسے ہونے چاہییں جن کا نام محمد ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دِلوں کو دیکھا تو اُن میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قلب کو مخصوص فرما لیا اور اُنھیں خلعتِ رسالت

پہنا کر مبعوث فرمایا۔ نقاش علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ حبیب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ	اور تمھیں حق نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو
اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ	ایذا دو اور نہ یہ کہ اُن کے بعد کبھی اُن کی
مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا۔ (۱)	(ازواجِ مطہرات) بیبیوں سے نکاح کرو۔

تو آپ منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور خطاب فرمایا کہ اے مسلمانو! باری تعالیٰ شانہٗ نے تم پر مجھے واضح فضیلت دی ہے اور میری ازواجِ مطہرات کو تمھاری بیویوں پر ظاہر فضیلت دی ہے۔

معراج شریف

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے واقعۂ اسراء و معراج بھی ہے۔ یہ واقعہ آپ کے بلند ترین مقام کی نشان دہی کرتا ہے اور قرآنِ عزیز نے اِس کی تصریح فرمائی ہے اور احادیثِ صحیحہ میں اس کی تشریح و تفصیل موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا	پاکی ہے اُسے، جو اپنے بندے کو راتوں رات
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ	لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی
الْاَقْصَا۔ (۲)	تک۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ	اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم، جب
وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝	معراج سے اُترے۔ تمھارے صاحب نہ
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ	بہکے، نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی
الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَ	خواہش سے نہیں کرتے، وُہ تو نہیں مگر وحی،
هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝	جو اُنھیں کی جاتی ہے۔ اُنھیں سکھایا سخت
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى	قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اُس جلوہ نے

---

(۱) پ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۵۳

(۲) پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱

إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ (۱)	قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔ اور پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اُتر آیا تو اُس جلوے اور اِس محبوب میں دو ہاتھ فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو، جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انھوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا تھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اور اُس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری۔ نہ حد سے بڑھی۔ بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

اس سیر کی صحت میں کسی مسلمان کے لیے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ بنصوصِ قرآنی سے ثابت ہے اور واقعہ معراج کی تفصیل اور اُس میں جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا ان کی تشریح نیز جو خصوصیات اس سلسلے میں آپ کو مرحمت ہوئیں اُن کے شرح و بیان میں احادیث صحیحہ کثیرہ وارد و موجود ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس براق لایا گیا، جو سفید رنگ کا جانور تھا وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ وہ اتنا تیز رفتار ہے کہ جتنی دور ایک عام انسان کی نظر پہنچتی ہے اتنی دور اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس پر سوار ہو کر

(۱) پ ۲۷۔ سورۃ النجم، آیت ۱ تا ۱۰

بیت المقدس گیا اور اُسی پتھر کے ساتھ اُسے باندھا جس کے ساتھ دیگر انبیائے کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ اِس کے بعد مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی اور باہر نکل آیا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے کر حاضر ہوئے، ایک میں شراب تھی اور دُوسرے میں دُودھ۔ میں نے دُودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فطرت کو پسند فرمایا ہے۔

اِس کے بعد وہ ہمیں لے کر آسمان تک جا پہنچا۔ جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کے دروازے پر دستک دی۔ پُوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا، میں جبریل ہُوں۔ پُوچھا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا، میرے ساتھ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ مزید پوچھا: کیا اُنھیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ دیکھا کہ وہیں آدم علیہ السلام بھی تشریف فرما ہیں۔ اُنھوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دُعائیں دیں۔ اِس کے بعد بُراق ہمیں دوسرے آسمان تک لے گیا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو آواز آئی، آپ کون ہیں؟ جواب دیا، میں جبریل ہوں۔ پوچھا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا، میرے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ مزید پوچھا، کیا اُنھیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔ تو دروازہ کھول دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، دونوں خالہ زاد بھائی یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام وہاں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعا دی۔

اِس کے بعد بُراق ہمیں تیسرے آسمان تک لے گیا اور پچھلے آسمانوں والا معاملہ وہاں بھی پیش آیا۔ آخر کار جب دروازہ کھول دیا گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے جنھیں نصف حُسن عطا فرمایا گیا تھا۔ اُنھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دُعا مانگی۔ ازاں بعد بُراق ہمیں چوتھے آسمان تک لے گیا اور وہاں بھی مثل سابق معاملہ ہوا۔ دروازہ کُھلنے پر دیکھا کہ حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ اُنھوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دُعائیں دیں۔ اِن کے بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ [1] اور ہم نے اس کو بلند مکان پر اُٹھا لیا۔

---

[1] پ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۵۷

پھر بُراق ہمیں پانچویں آسمان تک لے گیا۔ وُہی واقعہ پیش آیا اور دروازہ کُھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام جلوہ افروز تھے اُنھوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دُعائیں دیں۔ پھر بُراق ہمیں چھٹے آسمان تک لے گیا یہاں بھی ویسے ہی سوال جواب ہُوئے اور دروازہ کُھلنے پر دیکھا کہ وہاں مُوسیٰ علیہ السلام رونق افروز ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دُعائیں دیں۔ اِس کے بعد بُراق ہمیں ساتویں آسمان تک لے گیا اور حسبِ سابق معاملہ درپیش ہُوا۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں اور بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائی ہُوئی ہے۔ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جس فرشتے کی وہاں ایک مرتبہ باری آجاتی ہے دوبارہ قیامت تک باری نہیں آئے گی۔ اِس کے بعد بُراق مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا، جس کے پتّے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں اور پھل اِتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے حکم نے ڈھانپ رکھا ہے اور مجھے بھی اُس امرِ الٰہی نے ڈھانپ لیا یعنی خاص رحمتِ خداوندی نے آغوش میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اُس کے حسن و کمال کے وصف کو بیان کر سکے۔ یہاں باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر جو چاہی وحی فرمائی اور روزانہ پچاس نمازیں فرض فرمادیں۔ جب میں فارغ ہو کر واپسی میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام سے مِلا تو انہوں نے پُوچھا یا سیّد المرسلین! اللہ ربّ العزت نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا، روزانہ پچاس نمازیں۔ کہنے لگے، حضور! واپس جا کر تخفیف کروائیے کیونکہ آپ کی امت میں یہ طاقت نہیں ہے، میں قبل ازیں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہُوں۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں واپس لوٹا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کے لیے عرض گزار ہُوا۔ اللہ جل شانہٗ نے پانچ نمازیں معاف فرمادیں۔ میں نے واپس لوٹتے وقت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا کہ پانچ نمازیں معاف ہوگئی ہیں۔ اُنھوں نے کہا: حضور! آپ کی اُمت میں اتنی طاقت نہیں ہے، واپس جا کر تخفیف کروائیے۔ سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر لوٹتا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کا مسئلہ پیش کرتا رہا یہاں تک کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا:

اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہاری اُمت پر روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنا فرض ہے بر شمار میں پانچ وقت کی نمازیں ہوں گی لیکن میں اِن کا ثواب اُتنا ہی عنایت فرماؤں گا جتنا پچاس نمازوں کا ہے۔ علاوہ بریں تمہارے کسی اُمتی نے اگر نیکی کا ارادہ کیا اور اسے کر نہ سکا تو اُس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اُسے کر لیا تو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اِس کے برعکس جس نے کسی بدی کا قصد کیا اور اُسے کر نہ سکا تو اُس معاملے کو کالعدم شمار کیا جائے گا اور اگر اُس بُرائی کا مرتکب ہوگیا تو ایک ہی بُرائی لکھی جائے گی۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ واپس لوٹتے وقت جب میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو اِس امر کی اطلاع دی۔ وُہ کہنے لگے، حضور! بارگاہِ خداوندی سے اور تخفیف کروائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس سلسلے میں اب بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہُوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں ہے کہ ہر ایک نبی نے آپ سے کہا تھا، مرحبا نبی صالح اور بھائی صالح، لیکن حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا، مرحبا نبی صالح اور فرزند صالح۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر بُراق مجھے اور اوپر لے گیا یہاں تک کہ میں مستوی پر چلا گیا اور قلموں کے چلنے کی آوازیں سُننے لگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر بُراق مجھے اُوپر لے گیا حتیٰ کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا، جو ایسے مختلف رنگوں میں غرق تھا کہ اپنی عقل سے میں اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا تو وہ رو پڑے۔ ندا آئی کہ اے موسیٰ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ عرض کرنے لگے، اے پروردگار! تُو نے اِس نوجوان کو میرے بعد دنیا میں بھیجا لیکن اس کی اُمت میری اُمت سے زیادہ تعداد میں داخلِ جنّت ہوگی۔

حضرت ابُو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ میں انبیائے کرام کی جماعت میں تھا کہ نماز کی تیاری ہوگئی۔ میں نے نماز میں اُن کی امامت کا فریضہ انجام دیا۔ آگے کسی کہنے والے نے کہا، اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یہ مالک نامی دوزخ کا منتظم ہے اسے سلام کر لیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ابھی اُس کی جانب متوجہ ہی

ہُوا تھا کہ اُس نے مجھے سلام کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ چل پڑے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ بُراق سے اُترے اور اُسے ایک پتھر سے باندھ دیا، پھر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعض فرشتوں نے سوال کیا، اسے جبرئیل! آپ کے ساتھ یہ کون بزرگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، جو خاتم الانبیاء ہیں۔ دریافت کیا، کیا انھیں منصبِ رسالت مل چکا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ اُن فرشتوں نے آپ کو سلام عرض کیا اور کہا، مرحبا ایسا بھائی اور خلیفہ کیونکہ یہ بہترین بھائی اور بہترین خلیفہ ہیں۔ اِس کے بعد انبیائے کرام کی ارواحِ مقدسہ سے ملاقات ہُوئی۔ اُنھوں نے اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کی۔ اُنھوں نے ہر ایک نبی کے ارشاداتِ عالیہ کا ذکر کیا، جن میں سے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام بھی ہیں۔ اُن کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرموداتِ گرامی کا ذکر بھی کیا۔ اِس کے بعد ارواحِ انبیائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ حضرات نے اللہ جل شانہٗ کی حمد و ثنا بیان کی، اب مَیں بھی اُس وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں :

الحمد للّٰہ الذی ارسلنی رحمۃ	سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے
للعٰلمین وکافۃ للناس بشیرًا و	مجھے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا
نذیرًا وانزل علی الفرقان فیہ	اور تمام انسانوں کے لیے نبی بنایا ہے لوگوں کو
تبیانًا لکل شیئٍ وجعل امتی	بشارتیں دُوں اور ڈراؤں اور مجھ پر فرق
خیر امۃ وجعل امتی امۃ	بتانے والی کتاب نازل فرمائی، جس میں ہر چیز
وسطًا وجعل امتی ھم الاوّلون و	کا کامل بیان ہے اور میری اُمت کو بہتر
ھم الاٰخرون وشرح لی صدری	اور راہِ اعتدال پر چلنے والی اُمت بنایا، میرے
ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری	اُمتی ہی سب سے پہلے اور آخری ہیں۔ میرے
وجعلنی فاتحًا و خاتمًا۔	سینے کو کھولا اور مجھ سے بوجھ اتارا، میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے فاتح اور آخری نبی بنایا۔

(ص۴۴)

یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام گویا ہُوئے کہ اسی سبب سے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سب سے افضل ہیں۔ اس مقدس حدیث کے اگلے الفاظ یہ ہیں کہ پھر بُراق آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے گیا۔ اسی طرح ایک آسمان سے دُوسرے پر جاتے رہے اور ہر جگہ خیر مقدم ہوتا رہا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے۔ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے اور اُس کے اوصاف بیان کرنے کے بعد سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس وقت باری تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا، اے حبیب! جو چاہو مُجھ سے مانگ لو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہُوئے، اے پروردگار! تُو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور اُنھیں بہت بڑی شہنشاہی عطا فرمائی، موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، داؤد علیہ السلام کو بھی زبردست شاہی عنایت فرمائی اور اُن کے لیے لوہے کو نرم اور پہاڑوں کو مطیع بنا دیا، سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی مرحمت فرمائی کہ جِنّ و انسان اور شیاطین تک اُن کے زیرِ فرمان کر دیئے اور ایسی عظیم بادشاہی عطا فرمائی جو اُن کے بعد اور کسی کے لائق نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو توریت اور انجیل کا علم بخشا اور اُنھیں گونگوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا، نیز اُنھیں اور اُن کی والدہ محترمہ کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھا تاکہ وہ ملعون ان پر کسی طرح کا قابُو نہ پاسکے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا، اے حبیب! میں نے ساری کائنات میں سے تمھیں اپنا حبیب ٹھہرایا اور توریت میں یُوں لکھا ہُوا ہے کہ محمد حبیب الرحمٰن ہیں اور تمھیں تمام انسانوں کیلئے رسول بنایا اور تمھاری اُمت کو یہ شرف بخشا کہ وہ فضیلت میں سب سے اوّل اور بلحاظ زمانہ سب سے آخری ہے۔ اُن کا خطبہ پڑھنا اُس وقت تک درست نہیں جب تک یہ شہادت نہ دیں کہ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمھیں سارے نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں مبعوث فرمایا۔ تمھیں سبع مثانی یعنی سات آیتوں والی سُورت دی، جو صحیح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ ہے اور وُہ تمھارے سوا کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی۔ تمھیں سورۂ بقرہ کی آخری آیات دیں جو عرشِ اعظم کے

۱؎ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

لا یمکن الثناءُ کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نیچے کا خزانہ ہیں اور یہ بھی کسی اور نبی کو عطا نہیں فرمائیں نیز تمہیں فاتح اور آخری نبی بنایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین چیزیں مرحمت فرمائی گئیں (۱) نماز پنجوقتہ (۲) سورہ بقرہ کی آخری آیات (۳) اُمتِ محمدیہ کا جو فرد کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے اُسکی مغفرت ہو جائے گی اور اُس کے مہلک گناہ تک بخش دیے جائیں گے۔

حضرت شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اِس کے بعد بُراق آپ کو ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ پر لے گیا اور اُس سے بھی آگے ایسے مقام تک پہنچے جس کے متعلق باری تعالیٰ شانہٗ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بزار نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اذان کی تعلیم کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام کو ایک جانور دے کر اپنے حبیب کی بارگاہ میں بھیجا، اُس جانور کو بُراق کہتے ہیں۔ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر سوار ہونے کا قصد فرمایا تو بُراق اچھلنے کودنے لگا۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا؛ اے بُراق! تسلی رکھ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارگاہِ خداوندی میں اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہے جو تجھ پر سواری کرتا۔ اس کے بعد آپ سوار ہو گئے اور آخر کار حجاب تک جا پہنچے جو اللہ رب العزت کی خاص تجلیات کے نزدیک ہے۔ اسی دوران میں ایک فرشتہ حجاب سے نکلا تو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ حضور! مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں لحاظ مکان ساری مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں لیکن اپنی پیدائش سے لے کر اِس وقت سے پہلے میں نے اِس فرشتے کو نہیں دیکھا۔ اُس وقت اُس فرشتے نے کہا، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ حجاب کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے نے ٹھیک کہا ہے، واقعی میں بہت بڑا ہوں۔ اِس کے بعد فرشتے نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پردے کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے نے سچ کہا ہے، واقعی میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی طرح باقی

ل؎ آپ سے پائی ہے معراج نے معراجِ کمال
منزلِ اوج ہے ممنونِ کفِ پائے حضور
(اختر الحامدی)

اذن کا ذکر کیا لیکن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الفَلَاح کے جواب کا کوئی ذکر نہیں۔ اِس کے بعد اُس فرشتے نے سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کو پکڑا اور ساری آسمانی مخلوق کی امامت کرنے کے لیے کہا۔ اُن میں حضرت آدم اور نوح علیہما السلام بھی تھے۔ اِس حدیث کے راوی محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری مخلوق پر خواہ وہ فرشی ہو یا عرشی فضیلت و شرف حاصل ہے اور اِس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا کامل و اکمل ہونا ساری ارضی و سماوی مخلوق پر دکھا دیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس حدیث میں حجاب کا لفظ نہیں ہے اور ویسے بھی وہ صرف مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے لیے۔ مخلوق سے چیزیں چھپ سکتی ہیں لیکن باری تعالیٰ شانہٗ اِس سے پاک ہے کہ اُس سے کوئی چیز چھپی ہوئی رہ جائے حجاب بے شک جو اس کا احاطہ کرتا ہے لیکن وہ مخلوق کی بصارت پر ہوتا ہے یعنی اُن کی نگاہ اور ادراک سے جب چاہے، جیسے چاہے اور جہاں چاہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو محجوب کر دیتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۝[1] ہاں ہاں، بیشک وہ اُس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔

اور اِس حدیث میں جس حجاب کا ذکر ہے اُس کے بارے میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ حجاب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے رکھا ہے "تاکہ وہ اُس کی عظیم سلطنت، عظمت، عجائبِ ملکوت اور شانِ جبروتی پر عین الیقین کے ساتھ اطلاع پانے سے حجاب میں رہیں۔

نیز اِس حدیث میں جبرئیل علیہ السّلام کا یہ قول کہ میں باری تعالیٰ شانہٗ کے قرب میں رہتا ہوں، بھی ہے۔ اِس سے یہی مراد ہے کہ میں دوسروں سے عرشِ الٰہی کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ۝[2] گاؤں سے پوچھ۔

---

[1] پ ۳۰، سورہ المطففین، آیت ۱۵

[2] پ ۱۳، سورہ یوسف، آیت ۸۲

یہاں بھی گاؤں سے مراد اُس میں بسنے والے ہیں۔ معراج و اسراء کے بارے میں اہلِ حق کا نظریہ یہ ہے:

وذهب معظم السلف والمسلمين الى ان الاسراء به صلى الله عليه وسلم اسراء بالجسد وفى اليقظة وهذا هوالحق وذكر ادلة ذلك والقائلين۔ (ص ۴۵)

اکابر سلف سے عام مسلمانوں تک کا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جسمانی معراج ہوئی اور بحالتِ بیداری ہوئی اور حق بھی یہی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے دلائل نقل کیے اور جو حضرات اِس کے قائل ہیں، اُن کا ذکر کیا ہے۔

رویتِ الٰہی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رویتِ الٰہی کے بارے میں اختلاف ہے کہ (معراج میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے) باری تعالیٰ شانہٗ کو چشمِ سر سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے؛ جہاں تک رویت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے اور انھوں نے بدلائلِ کثیرہ اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دو قول نقل کر کے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے سر کی آنکھوں سے دیکھنے کو مقدم رکھا ہے اور کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے اور اُن تک اِس روایت کے متعدد طُرق ہیں جیسا کہ حاکم، نسائی اور ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ، ابراہیم علیہ السلام کو خلّت کے ساتھ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رویت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اِس کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ — دل نے جھوٹ نہ کہا، جو دیکھا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ [1]
تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فرمایا ہے، عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ رب العزت کی قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے[2]۔ اس کی روایت ابو عمر مقری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے اور بعض متکلمین نے اس مذہب کی حکایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں دیکھا ہے۔ نقاش نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حکایۃً بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے بالکل متفق ہوں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، دیکھا ہے اور بار بار ان الفاظ کا اعادہ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا سانس بند ہو گیا[3]۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ راجح وہ ہے جو

---

[1] پ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۱۱ تا ۱۳

[2] امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

[3] حضرت اختر الحامدی فرماتے ہیں:

ارضِ حرم سے عرشِ علیٰ تک، عرشِ علیٰ سے قصرِ دنیٰ تک
راہ گزارِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اکثر علمائے کرام کا یہی مذہب ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ اسریٰ میں اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگرچہ اس امر کا ثبوت سماع کے بغیر ممکن نہیں لیکن سماع بھی تو اس طرح ثابت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ آگے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا نفیس فیصلہ یوں نقل فرمایا ہے:

وانکار عائشۃ وقوعھا ای الرؤیۃ لم یکن لحدیث رؤتہ ولو کان لحدیث ذکرتہ بل احتجت بقولہ تعالیٰ لا تدرکہ الابصار قلنا المراد بالادراک الاحاطۃ اذ ذاتہ تعالیٰ لا تحاط و لا یلزم من نفی الاحاطۃ نفی الرؤیۃ بدونہا ثم ذکر فی الشفاء فی ذالک ابحاثاً شریفۃ و فوائد جمۃ۔

(ص ۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رویت کے وقوع سے انکار کرنا کسی حدیث کی بنا پر نہیں ہے۔ اگر اُن کے علم میں ایسی کوئی حدیث ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کیا جاتا، اسی لیے تو اُنھوں نے آیت لا تدرکہ الابصار سے دلیل پکڑی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے احاطہ کرنے والا ادراک مراد ہے حالانکہ ذات باری تعالیٰ کا احاطہ ممکن نہیں۔ لہٰذا احاطے کی نفی سے رویت کی نفی تو لازم نہیں آتی۔ اس کے علاوہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفا میں عمدہ ابحاث اور کثیر فوائد لکھے ہیں۔

شفاعت و دیگر فضائل

نبی آخر الزماں، سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلحاظ ساری مخلوق سے بزرگ ہونے کے جن خصوصیات اور فضیلتوں کا قیامت کے روز اظہار ہو گا، اُن کے سلسلے میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تک اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضے سے اُٹھوں گا،

جب وُہ ایک وفد کی صورت میں اکٹھے ہو جائیں گے تو اُن کا خطیب مَیں ہُوں گا، جب وُہ مایوس ہو جائیں گے تو اُنھیں بشارت دینے والا مَیں ہُوں گا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ مَیں اپنے رب کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرّم ہُوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب لوگ قبروں سے اُٹھیں گے تو سب سے پہلا مَیں ہونگا اور جب وُہ اکٹھے ہو جائیں گے تو اُن کا قائد مَیں ہُوں گا اور جب وُہ خاموش ہوں گے تو اُن کا خطیب مَیں ہُوں گا اور جب اُنھیں جنّت میں جانے سے روک دیا جائے گا تو اُن کی شفاعت کرنے والا مَیں ہُوں گا اور جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو انھیں خوشخبری دینے والا میں ہُوں گا۔ لواء الحمد اُس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں جملہ اولادِ آدم علیہ السلام سے زیادہ عزّت والا ہُوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔ اُس روز ایک ہزار خادم میرے گرد اگرد پھر رہے ہوں گے جو اُن موتیوں کی مانند ہیں جنھیں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کی واکسی نے تصیح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے جنّت کے حُلّوں میں سے ایک حُلّہ پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہو جاؤں گا۔ مخلوق میں سے میرے سوا وہاں کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا۔ ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کی تحسین کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار مَیں ہُوں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام یا دوسرا کوئی نبی ایسا نہیں جو اُس روز میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار میں ہُوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی منظورِ بارگاہِ ایزدی ہوگی۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے روز

لواء الحمد میں نے اُٹھایا ہوا ہوگا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں، اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور وُہ میں ہُوں جو سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، پس میرے لیے جنّت کا دروازہ کھول دیا جائیگا اور میں جنّت میں داخل ہوجاؤں گا، میرے ساتھ غریب مسلمان بھی جنّت میں داخل ہوں گے اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز و مکرم ہُوں اور یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے)

صحیح مسلم کے اندر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، سب سے پہلے میں لوگوں کی جنّت کے لیے شفاعت کروں گا اور میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بخاری اور مسلم والی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار میں ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو یہ کیونکر ہوگا؟ (پھر خود فرمایا) اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے انسانوں کو جمع کرے گا۔ اِس سے آگے حدیثِ شفاعت بیان فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اُمید کرتا ہُوں کہ قیامت کے روز تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے میں ثواب میں زیادہ ہُوں گا۔ دُوسری حدیث میں ہے: کیا تم خوش نہیں ہوگے کہ قیامت کے روز حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تم میں ہوں؟ اس کے بعد فرمایا کہ بروزِ قیامت وُہ میری اُمّت میں ہوں گے۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آپ میری دُعا اور اولاد ہیں۔ رہا عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو جُملہ انبیائے کرام علیہم السّلام آپس میں علاتی بھائی ہیں یعنی اُن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں۔ میرے اور اُن کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ میں دُوسروں کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں۔

آپ کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں قیامت کے روز جملہ انسانوں کا سردار ہُوں گا، حالانکہ آپ دنیا میں بھی سب لوگوں کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی سب کے سردار رہیں گے لیکن صرف قیامت کی سرداری کا تذکرہ اِس لیے فرمایا ہے کہ وہاں آپ کی سیادت و

شفاعت منفرد[1] مقام رکھتی ہوگی اور آپ کے سوا لوگوں کو اور کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ سردار تو وہی ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنی حاجتیں لے کر جانے پر مجبور ہوں، اُس روز دُوسرا کوئی آپ کا مدِ مقابل نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا دعوٰی ہی کرے گا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ[2] — آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ سب پر غالب کی۔

حالانکہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالٰی ہی کی بادشاہی ہے لیکن آخرت میں اُن لوگوں کے دعوے بھی منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں اپنے عارضی اختیار کے باعث بادشاہی کرتے تھے۔ چونکہ قیامت میں سارے ہی انسان سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے محتاج[3] ہوں گے اور آپ ہی کی پناہ ڈھونڈیں گے، لہٰذا آخرت میں آپ سب انسانوں کے سردار ہوں گے (کیونکہ آپ کی سرداری کا انکار کرنے کی کسی کو کوئی گنجائش ہی نظر نہیں آئے گی)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے روز جنّت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کے لیے کہوں گا تو خازنِ جنّت پُوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دُوں گا کہ محمّد ہُوں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔ وُہ کہے گا کہ مجھے یہی حکم ملا ہے کہ صرف آپ کے لیے دروازہ کھولوں اور آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے۔

---

[1] اسی لیے مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے بتایا ہے: ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

[2] پ ۲۴، سورہ المؤمن، آیت ۱۶

[3] اسی لیے اعلٰی حضرت نے منکرینِ استمداد کو سمجھایا ہے: ؎

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے، اُس کے کنارے برابر ہیں اور پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے، اُس کی خوشبو مشک سے زیادہ مہک دار اور اُس کے آبخورے آسمان کے تاروں کی طرح بکثرت ہیں، جو ایک مرتبہ اُس کا پانی پی لے گا اُسے پھر کبھی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حوضِ کوثر کے بارے اور بھی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔

محبّت و خلّت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبت اور خلّت میں دُوسروں پر فضیلت دے کر ممتاز فرمایا ہے۔ اِس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ منقول ہیں اور مسلمانوں کی زبانوں پر آپ کا لقب حبیبِ خدا جاری و ساری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کے سوا میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ مُسلمانو! تمہارا نبی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔ امام ترمذی اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو اپنا خلیل بنایا ہے۔

دارمی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے انتظار میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئے۔ جب آپ نزدیک پہنچے تو اُن میں سے ایک نے کہا تھا کہ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کو مخلوق سے اپنا خلیل بنایا تھا۔ دُوسرے نے کہا: یہ اِس سے عجیب تو نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کسی اور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السّلام تو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ اور اُس کی جانب کی رُوح ہیں۔ آخری صاحب نے فرمایا: آدم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا تھا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نزدیک

پہنچ گئے اور فرمایا: میں نے تمہاری گفتگو سُن لی ہے اور تمہارا تعجب کرنا بجا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا اور اِس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب کی رُوح ہیں اور آدم علیہ السلام کے صفی اللہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہُوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور قیامت کے روز لواالحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور وُہ بھی میں ہُوں کہ سب سے پہلے جس کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی اور وُہ بھی مَیں ہُوں گا جس کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور وُہ میں ہُوں جو سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور جس کے لیے جنّت کا دروازہ کُھلے گا، پس میں جنّت میں داخل ہوجاؤں گا اور میرے ساتھ میرے غریب اُمتی ہوں گے، یہ فخر یہ نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزّز ومکرّم ہُوں، یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہتا۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معراج شریف والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا: مَیں نے تمھیں اپنا خلیل ٹھہرایا اور توریت میں تمھارے متعلق لکھا ہُوا ہے کہ آخری نبی حبیب الرحمٰن ہے۔ مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الشفاء کے ایک پُرانے نسخے پر مطلع ہوا، جس میں یہ مرقوم ہے کہ میں نے تمہیں اپنا حبیب ٹھہرایا۔ علمائے کرام کا اِس میں اختلاف ہُوا کہ حبیب کا درجہ بلند ہے یا خلیل کا؟ اکثر حضرات کا اسی پر اتفاق ہُوا کہ حبیب کا درجہ خلیل سے بلند تر ہے کیونکہ ہمارے آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اُن کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے بڑھ کر ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

امام ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ نے محبّت اور خلّت کے بارے میں متکلمین کا کلام نقل کرتے ہوئے کافی طویل بیانات نقل کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محبّت کا مقام خلّت کے مقام سے افضل ہے۔ ہم اُس بیان کا کچھ حصّہ نقل کرتے ہیں جس سے دُوسرے بیانات خودبخود

واضح ہو جائیں گے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ خلیل واسطے اور وسیلے سے باریاب ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی، آسمانوں اور زمین کی۔

اور حبیب بغیر کسی وسیلے کے براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى [2]	تو اُس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ خلیل وُہ ہے جس کو مغفرت کی حد درجہ طمع ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ [3]	اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔

اور حبیب وُہ ہوتا ہے جس کی مغفرت یقین کے آخری درجے تک یقینی ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ [4]	تاکہ اللہ تمہارے سبب سے تمہارے اگلے پچھلوں کے گناہ معاف فرما دے۔

نیز خلیل وُہ ہوتا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں یُوں عرض گزار ہو:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ [5]	اور مجھے رُسوا نہ کرنا، جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔

اور حبیب وہ ہستی ہے جس سے یہ فرمایا جائے:

---

[1] پ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۷۵
[2] پ ۲۷، سورۂ النجم، آیت ۹
[3] پ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۸۲
[4] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۲
[5] پ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۸۷

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ ۱؎ — جس دن اللہ رُسوا نہ کرے گا نبی اور اُن کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔

یعنی سوال کرنے سے پہلے ہی رُسوائی سے دُور رکھنے کی بشارت سُنادی گئی۔ اسی طرح خلیل وُہ ہے جو بوقتِ مصیبت کہے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ۔ ۲؎ — میرے لیے اللہ کافی ہے۔

لیکن حبیب وُہ ہے جس سے خود باری تعالیٰ شانہٗ یہ فرمائے:

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ۔ ۳؎ — اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! اللہ تمھیں کافی ہے۔

خلیل وُہ ہوتا ہے جس کو بارگاہِ الٰہی میں یُوں عرض گزار ہونا پڑے:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ۔ ۴؎ — اور میری سچی ناموری رکھ۔

لیکن حبیب وُہ ہے جس کے بارے میں پروردگارِ عالم خود یُوں فرمائے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ ۵؎ — اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کیا۔

گویا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ذکرِ مبارک کو بغیر سوال کے بلند فرما دیا۔ علاوہ بریں خلیل وُہ ہوتا ہے جو عرض کرے:

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ ۶؎ — اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پُوجنے سے بچا۔

لیکن حبیب وُہ ہوتا ہے جس کے گھر والوں کے بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ خود یُوں بشارت دے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ — اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمھیں

۱؎ پ ۲۸، سورۂ التحریم، آیت ■
۲؎ پ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۱۲۹
۳؎ پ ۱۰، سورۂ الانفال، آیت ۶۴
۴؎ پ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۸۴
۵؎ پ ۳۰، سورۂ الانشراح، آیت ۴
۶؎ پ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۳۵

تَطْهِیْرًا۔ [۱] پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

(صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞)

شفاعت و مقامِ محمود اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو شفاعت اور مقامِ محمود کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ [۲] قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب تمھاری حمد کریں۔

بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بروزِ قیامت تمام لوگ مایوسی کی حالت میں بیٹھے ہوں گے۔ ہر اُمت اپنے نبی کی بارگاہ میں عرض گزار ہوگی کہ حضور! ہماری شفاعت فرمائیے۔ یا نبی اللہ! ہماری شفاعت کیجیے۔ آخر کار معاملہ ہمارے آقا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جا پہنچے گا۔ اُس روز اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو مقامِ محمود عطا فرمائے گا یعنی ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جس کو دیکھ کر سب چھوٹے اور بڑے انسان اُن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں گے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقامِ محمود کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ مقامِ محمود تو شفاعت کرنے کی جگہ ہے۔ اسی مسندِ احمد میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز جب سارے انسان جمع ہوں گے تو میں اپنی اُمت سمیت ایک بلند ٹیلے پر ہوں گا۔ مجھے سبز رنگ کا جنتی حلہ پہنایا جائے گا، پھر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے کا اِذن مل جائے گا اور میں کچھ کہوں گا یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی کہوں گا اور اِسی جگہ کا نام مقامِ محمود ہے۔

---

[۱] پ ۲۲، سورۃُ الاحزاب • آیت ۳۳

[۲] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی کئی روایات نقل کی ہیں، منجملہ اُن کے امام احمد کی یہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ سرورِ کون و مکاں، شفیعِ مجرماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرشِ معلّٰی کے بائیں جانب تشریف فرما ہوں گے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں کسی دُوسرے کو کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اس پر غبطہ کریں گے یہی جگہ مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ چاہو تو تمہاری آدھی اُمت جنت میں داخل کردی جائے اور چاہو ان کی شفاعت کرلینا۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں پرہیزگاروں کی شفاعت کرونگا؟ شفاعت تو گنہگاروں اور خطاکاروں کی ہوگی۔ بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور حاکم نے اُس کی تصحیح کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جس نے سچے دل سے کہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور اُس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرتی ہوگی۔

بیہقی اور حاکم نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد میری اُمت جو کچھ کرے گی مجھے اُس کا علم دیا گیا ہے۔ وہ آپس میں خونریزی کریں گے اور اِس طرح اِن کا حال بھی وہی ہوجائے گا جو گزشتہ اُمتوں کا ہُوا تھا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمت کی شفاعت کا سوال کیا تو باری تعالیٰ شانہ نے میرے سوال کو شرفِ قبولیت بخشا۔

بیہقی اور نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ایک صاف میدان میں جمع کرے گا، جہاں ایک شخص اپنی آواز سب لوگوں تک پہنچا سکے اور انھیں دیکھ سکے گا۔ وہ اپنی پیدائش کی طرح ننگے ہوں گے، سب خاموش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا دی جائے گی تو آپ عرض کریں گے: اے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تمام بھلائیاں تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور بُرائیاں تیری جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ راہِ ہدایت پر وُہ ہے جس کو تُو نے ہدایت دی۔ تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ میں تیرے لیے ہی ہُوں اور تیری ہی جانب سے ہُوں۔ تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ اور کوئی جائے نجات نہیں۔ اے ربِ کعبہ! تیری ذات بابرکت، بلند اور پاک ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کھڑے ہو کر آپ اِس طرح حمدِ الٰہی بیان کریں گے، وہی مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی روایات نقل فرمائی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شفاعت کرنے کے مقام کا نام مقامِ محمود ہے اور یہی تمام صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور آئمۂ مسلمین کا مذہب ہے۔ ازاں بعد قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حدیثِ شفاعت کو پُورے طور پر نقل کیا ہے، علاوہ بریں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ ذکر کیا کہ سارے انسان مل کر فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔ پلصراط قائم کیا جائے گا۔ اُس پُل کے اُوپر سے جو حضرات سب سے پہلے گزریں گے وہ بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اُن کے بعد گزرنے والے ہوا کی مانند، بعض پرندوں کی طرح، بعض دوڑتے ہُوئے گزریں گے۔ مولائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پلصراط کے ایک سرے پر کھڑے ہو کر پُکار رہے ہوں گے: رَبِّ سَلِّمْ، رَبِّ سَلِّمْ[1]۔ یعنی اے رب! بچا۔ اے رب! بچا۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں پلصراط سے گزروں گا۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جملہ انبیائے کرام

---

[1] فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

رضا پُل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے رَبِّ سَلِّمْ صدائے محمّد

کے لیے منبر رکھے جائیں گے، جن پر وہ تشریف فرما ہوں گے اور میرا منبر خالی رہ جائے گا کیوں کہ میں اپنے منبر پر نہ بیٹھوں گا، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں خاموش کھڑا رہوں گا۔ باری تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائے گا: اے حبیب! تم اپنی اُمت کے بارے میں میرا کیا فیصلہ چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! ان کا حساب جلدی لے لیا جائے۔ پس جلد ہی میری اُمت کا حساب شروع ہو جائیگا۔ اُن میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا اور بعض میری شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا، حتیٰ کہ مجھے کچھ لوگوں کی کتبِ فیصلہ دکھائی جائیں گی، جن پر اُن کا دوزخی ہونا مرقوم ہوگا۔ جب میں اُن کی شفاعت کر رہا ہوں گا تو دوزخ کا داروغہ کہے گا، یا رسول اللہ آپ نے تو اپنی اُمت پر اللہ تعالیٰ کی ذرا سی ناراضگی نہیں رہنے دی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں زمین کے درختوں اور پتھروں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت اور مقامِ محمود کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث کتاب الشفا میں نقل کی ہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے فرمایا ہے، اگرچہ احادیث کے الفاظ مختلف ہیں لیکن اس بات پر اُن کے مضامین متفق ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت اور مقامِ محمود پر کھڑے ہونے کا معاملہ تھوڑی دیر کی بات نہیں بلکہ آپ کی شفاعت کا سلسلہ شروع سے آخر تک جاری رہے گا[1]۔ جب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ اُن کا سانس تک گھٹنے لگے گا۔ پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ سورج بالکل نزدیک ہوگا۔ کھڑے کھڑے بہت دیر ہو جائے گی یہاں تک کہ پریشانی کی انتہا ہو جائے گی۔ گویا اس حالت کو حساب سے پہلے ہی پہنچ گئے ہوں گے۔ اُس وقت آپ اس مقام سے نجات دلانے کے لیے شفاعت کریں گے۔ اس کے بعد پلصراط قائم ہوگا

---

[1] حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب حقیقت بیان فرمائی: ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ جلد از جلد اُن حضرات کو جنّت میں پہنچائیں گے جن کا حساب نہیں ہوگا۔ آپ ایسے لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے جن کے لیے عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، حتّٰی کہ اُن میں سے بعض دوزخ میں داخل بھی کر دیے ہوں گے۔ یہ تمام امور احادیثِ صحیحہ سے صریحاً ثابت ہیں۔ اِس کے بعد اُن لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے جنھوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اِس قسم کی شفاعت کرنے کا کوئی اور مجاز نہیں ہوگا۔

مشہور صحیح حدیث میں ہے کہ ہر نبی کو ایک ایک دُعا کرنے کا حق دیا گیا۔ اُنھوں نے وُہ حق استعمال کر لیا لیکن میں نے اپنا یہ حق محفوظ رکھا تھا، جو شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ قیامت کے روز میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا۔ وُہ دُعا جس کا ہر نبی کو حق دیا گیا تھا، اپنی اپنی اُمت کے متعلق تھی۔ دیگر انبیائے کرام کو اُن کی اُمتوں کی جانب سے جو باری تعالیٰ شانہٗ نے جزا دی، اللہ تعالیٰ ہمارے نبیِ پاک، صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُن سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کثیراً کثیراً۔

وسیلہ اور حوضِ کوثر

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنّت میں وسیلہ اور کوثر کے ساتھ فضیلت دی ہے اور اُنھوں نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابوداؤد میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم مؤذن کے کلمات سُنو تو اُس کی طرح ہی کہتے جاؤ، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر اپنی دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اِس کے بعد میرے لیے وسیلہ کی دُعا کرو۔ وسیلہ جنّت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ جو اِس مقام سے نوازا جائے گا، وُہ مَیں ہُوں۔ جو میرے لیے وسیلے کی دُعا کرے گا، اُس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

دُوسری حدیث میں ہے، جو ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ وسیلہ جنّت میں ایک اعلیٰ درجے کا نام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہر آئی، جس کے دونوں جانب موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے جبریل سے کہا: یہ کیا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہی تو وہ حوضِ کوثر ہے جو باری تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے اِس کی مٹی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور دکھایا کہ وہ مُشک ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی کچھ مروی ہے لیکن اُن کی روایتوں میں اتنی بات زیادہ ہے کہ نہر کوثر یاقوت اور موتیوں پر بہتی ہے۔ اُس کا پانی شہد سے شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ حوض زمین پر بہتا ہے اور اُس کی زمین میں گہرائی نہیں ہے۔ شفاعت کے دُولہا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمتِ مرحوم برات کی شکل میں اُسی حوضِ کوثر کے کنارے اُترے گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کوثر کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث نقل کی ہیں، جو اُن پر مطلع ہونا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ کتاب الشفا کا مطالعہ کرے۔

اسمائے نبی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس اور پیارے پیارے نام مع فضائل بیان کیے ہیں۔ وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔ میرا نام ماحی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا اور میرا نام حاشر ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کا حشر میرے قدموں میں کرے گا، اور میں عاقب ہوں یعنی سب سے آخری نبی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ کا اسمِ مبارک مُحَمَّدٌ اور اَحْمَدُ بتایا ہے۔ علاوہ بریں یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کے اسمائے مقدسہ میں مدح و ثنا بھی موجود ہے۔ اس طرح اسماء النبی کے بیان کرنے میں عظیم شکر گزاری رکھ دی گئی ہے۔ آپ کا اسمِ گرامی اَحْمَدُ، یہ اَفْعَلُ کے وزن پر حمد کا مبالغہ ہے یعنی خدا کی سب سے زیادہ حمد و ثنا کرنے والا اور مُحَمَّدٌ، یہ مُفَعَّلٌ کے وزن پر ہے گویا مبالغہ بوجہ کثرتِ حمد، یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا۔

پس سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کی تعریف کرنے میں سب سے بڑھ کر اور تعریف کیے گئے کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تمام انسانوں کی نسبت کثرتِ حمد کے باعث آپ سب تعریف کرنے والوں سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور اُن سب سے زیادہ تعریف کیے گئے ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لواء الحمد بھی تو بروزِ قیامت آپ ہی کے دستِ مبارک میں ہوگا تاکہ سب آپ کے منصب پر مطلع ہوکر شایانِ شان تعریف کریں اور حشر کے میدان میں چونکہ آپ نے سب کی شفاعت کی ہوگی لہٰذا سب لوگ آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوں گے۔ بروزِ قیامت اِس طرح محامد کا دروازہ صرف آپ کے لیے مفتوح ہوگا جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی جانب بھیجی ہوئی کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ کا نام حمّادین رکھا، کہ وہ لوگ خدا کی بہت زیادہ حمد و ثنا کرنے والے ہوں گے، لہٰذا فخرِ دوعالم علیہ السلام ہی اِس بات کے حقدار ہیں کہ آپ کا اسمِ مبارک ہی محمّد اور احمد رکھا جاتا۔ اِن دونوں ناموں میں جہاں عجیب خصائص اور بدیع آیات ہیں وہاں ایک نرالی بات یہ بھی ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے باری تعالیٰ شانہٗ نے جملہ انسانوں کو کسی مولود کا نام محمّد یا احمد رکھنے سے روکے رکھا۔

گزشتہ کتب سماویہ میں جو اسمِ احمد کا ذکر آیا ہے اور انبیائے کرام نے اُن کی آمد کی خوشخبری سُنائی، بایں وجہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اِن ناموں کے رکھنے سے روکے رکھا، تاکہ نہ کسی کا یہ نام رکھا جائے اور نہ کوئی اِس نام سے پکارا جائے اور اِس طرح کمزور دل والے بھی شک و شبہ کے مرض سے بچے رہیں گے (کیونکہ انھیں یہ شک ہو سکتا تھا کہ جس احمد کی بشارت دی گئی ہے شاید وہ یہی ہو) بایں وجہ آپ سے پہلے کسی عربی یا عجمی کا نام محمّد بھی نہیں رکھا گیا، حتّٰی کہ آپ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ پہلے یہ چرچا عام ہوگیا تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہونے والی ہے، جن کا اسمِ مبارک محمّد ہوگا۔ اِس شہرت کے پیشِ نظر آپ کی قوم میں کتنے ہی بچوں کے نام محمد اِس اُمید پر رکھ دیے گئے کہ شاید ہمارے ہی بچے کو وہ منصب مل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اُس نے رسالت کے منصب سے

کس کو سرفراز کرنا ہے۔ بہرحال جن بچوں کا نام محمد رکھ دیا گیا تھا، اُنھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے روکے رکھا حتیٰ کہ دُوسرے اشخاص بھی اُن کے متعلق ایسا دعویٰ نہ کر سکے اور نہ اُن سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو سکی جس کے باعث لوگوں کو آپ کی نبوت میں شک کرنے کی گنجائش مل سکتی یہاں تک کہ آپ کی جلوہ گری کے ساتھ آپ کے دونوں اسمائے طیبہ و مبارکہ کی علامتیں اور دلائل سامنے آئے اور اظہر من الشمس ہو گیا کہ وہی محمد اور احمد صرف اور صرف آپ ہی کی ذات بابرکات ہے اور اِس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کہ مَیں ماحی ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ حدیث نے خود اِس کی تفسیر کر دی ہے۔ رہا کفر کا مٹنا تو اِس سے مراد یا مکۂ معظمہ سے کفر کا مٹنا مراد ہے یا سارے جزیرۂ عرب سے یا جتنی زمین آپ کے لیے سمیٹ دی گئی ہے اور جس کا آپ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اُمتِ محمدیہ وہاں تک غالب ہوگی علاوہ بریں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ محو عام ہو، جو ظہور اور غلبہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ۔[1] تاکہ اِسے (اسلام کو) تمام ادیان پر غالب کرے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ پانچ بایں وجہ فرمایا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں آپ کے یہ پانچوں نام مذکور ہیں اور علمائے اُممِ سابقہ آپ کے اِن ناموں سے متعارف تھے ورنہ آپ سے دس نام بھی منقول ہیں، جن میں سے طٰہٰ اور یٰسین بھی ہیں۔ دُوسری حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: میرے دس نام ہیں۔ پانچ تو وہی جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں اور دوسرے پانچ کے بارے میں فرمایا کہ مَیں رَسُوْلُ الرَّحْمَةِ یعنی پیغمبرِ رحمت

---

[1] پ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۳۳

[2] بھلا ان لوگوں کی جرأت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے جنھوں نے عرب کی سرزمین میں ایک بُت پرست جواہر لال نہرو کا مئی ۱۹۵۵ء میں یَا رَسُوْلُ السَّلَام کے نعروں سے استقبال کیا تھا اِس کے باوجود وہ لوگ توحید کے علمبردار بنتے اور مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں۔ (اختر)

ہوں اور رَسُوْلُ الرَّاحَۃِ یعنی مخلوقِ خدا کو راحت پہنچانے والا رسول ہوں اور رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ ہوں اور مُقَفِّیْ ہوں کہ میری آمد سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور مَیں قَیِّمْ ہوں۔ یہ وُہی ہوتا ہے جو مخلوق کے تمام کمالات کا جامع ہو۔ دیگر انبیائے کرام کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہُوئے کہ اے پروردگار! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمارے لیے مبعوث فرما جو فترت کے بعد سنّت کو قائم کریں اور لفظ قیّم اِس معنی میں بھی مستعمل ہے۔

دوسری حدیث میں مُدَّثِّرْ، مُزَّمِّلْ اور عَبْدُ اللّٰہِ کا مزید ذکر ہے۔ ایک حدیث میں خَاتَمْ، ایک میں نَبِیُّ التَّوْبَہ، نَبِیُّ الْمَلْحَمَہ، نَبِیُّ الرَّحْمَۃ اور نَبِیُّ الرَّاحَۃِ مذکور ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ [۱]	اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وُہ لوگوں کا تزکیۂ نفوس کرتے ہیں (مُزَكِّیْ)، اُنھیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں (مُعَلِّمْ)، اُنھیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں (ھَادِیْ) اور وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں (رَءُوْفٌ، رَحِیْمٌ)۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمّت کا لقب اُمّتِ مرحومہ رکھا ہے اور اُس کی تعریف یُوں بیان فرمائی:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ۔ [۲]	اور اُنھوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں۔

---

[۱] پ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

[۲] پ ۳۰، سورۃ البلد، آیت ۱۷

نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اللہ رب العزت نے ان کے لیے نبی بھی ایسا مبعوث فرمایا جو اپنی امت کے لیے رحمت ہے اور ساری مخلوق کے لیے بھی رحمت ہے۔ وہ ایسا نبی ہے جو سب کے لیے اپنا دامنِ رحمت وسیع کیے ہوئے ہے اور بارگاہِ خداوندی سے بھی ان کے لیے رحم وکرم اور بخشش کی التجائیں کرتا رہتا ہے اور اُس کی اُمت رحم کرنے کے باعث سراہی گئی۔ اُنھیں ایک دُوسرے پر مہربانی کرنے کا حکم بھی دیا اور اِس خوبی کی وجہ سے اُن کی تعریف بھی کی۔ اسی لیے سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو دوست رکھتا ہے جو ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بھی بارانِ رحمت نازل کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

آپ کا اسمِ مبارک نَبِیُّ الْمَلْحِمَہ اسی لیے ہے کہ آپ قتال اور تلوار دے کر بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ حربی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ آپ قُثَمْ ہیں یعنی مجموعۂ خیر وبرکت کیونکہ قثوم بھلائی جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور آپ کا یہ اسم گرامی بھی کاشانۂ نبوت کے ہر فرد کو معلوم تھا۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد القاب بھی قرآنِ کریم میں مذکور ہوئے ہیں جن سے باری تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم میں آپ کی ذات مراد لی ہے اور وہ مذکورہ بالا اسماء النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے علاوہ ہیں جیسے النور، السراج، المنیر، المنذر، النذیر، المبشر، البشیر، الشاہد، الشہید، الحق المبین، خاتم النبیین، الرؤف الرحیم، الامین، قدم الصدق، رحمۃ للعالمین، نعمۃ اللہ، العروۃ الوثقیٰ، الصراط المستقیم، النجم الثاقب، الکریم، النبی الامی اور داعی اللہ وغیرہ جو اور بھی اسمائے جلیلہ متعدد اوصافِ کریمہ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں، انبیائے کرام کے صحیفوں اور احادیثِ نبوی میں مذکور رہے ہیں اُمتِ مرحومہ کی زبانوں پر آپ کے القاب میں سے کتنے ہی الفاظ اور جملے چڑھے ہوئے ہیں، جیسے مصطفیٰ، مجتبیٰ، ابوالقاسم، حبیبِ خدا، رسول اللہ، شفیع، مشفع، متقی، مصلح، طاہر،

مبین، صادق، مصدوق، ہادی، سرورِ انس وجاں، سید المرسلین، امام المتقین، قائد الغر المحجلین (یعنی پنج کلیانوں کے گروہ کا سردار)، اللہ کا خلیل، صاحبِ حوضِ کوثر، صاحب الشفاعت، صاحبِ مقامِ محمود، صاحب الوسیلہ، صاحب الفضیلہ، صاحبِ درجۂ رفیع، صاحبِ تاج و معراج، صاحب لواء الحمد و القضیب، راکبِ براق، ناقہ سوار، نجیب، صاحبِ حجت، شہنشاہِ دوجہاں، نبیِ آخر الزماں، صاحب معجزاتِ کثیرہ وافرہ اور صاحبِ المراوۃ و النعلین وغیرہ۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ و بارک وسلم۔

پہلی آسمانی کتابوں میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ اسمائے طیبہ بھی مذکور ہیں، المتوکل، المختار، مقیمِ سنّت، مقدس، روح القدس، روح الحق۔ اور انجیل میں جو فار قلیط کا لفظ آیا ہے اُس سے رُوح الحق ہی مراد ہے۔ ثعلب نے کہا کہ فار قلیط وہ ہے جو حق و باطل میں خطِ امتیاز کھینچ دے۔ پہلی کتابوں میں آپ کا ایک اسمِ گرامی ماذ ماذ بھی مذکور ہے جس کا مطلب طیّب، طیّب ہے۔ اِن کے علاوہ حمطایا، خاتم اور حاتم بھی مذکور ہیں۔ کعب احبار نے ذکر کیا کہ ثعلب کا قول ہے: خاتم سے یہ مراد ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور حاتم کا یہ مطلب ہے کہ آپ اخلاقِ عالیہ اور حسن و جمال کے لحاظ سے ممتاز ترین ہوں گے اور سریانی زبان میں حاتم کو مشفح منحمنا کہا جاتا ہے۔ توریت میں آپ کا نام اُحید بھی ہے اور ابن سیرین نے اِس کی روایت کی ہے۔ صاحبِ قضیب سے تلوار والا مراد ہے انجیل میں یہ وضاحت سے مذکور ہے کہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لائیں گے تو اُن کے ساتھ لوہے کی تلوار بھی ہوگی، جس کے ساتھ وہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کریں گے اور اُن کی اُمّت بھی ایسا ہی کرے گی۔ قضیب کے معنی ہیں طاقت ور اور مضبوط ہونے کا بھی احتمال ہے۔

ہراوہ سے مراد عصا ہے یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں لاٹھی ہوگی۔ اِس بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ شاید یہ اُس حدیثِ حوض کے پیشِ نظر ہے، جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں یمنی لوگوں کو حوضِ کوثر سے لاٹھی مار مار کر بھگا دُوں گا (کیونکہ وہاں کے بعض بدنصیبوں نے مسیلمہ کذاب کو نبی تسلیم کر لیا تھا۔

اور اسی عقیدے پر وُہ دنیا سے رُخصت ہُوئے تھے)[1]

اَلتّاج سے مراد عمامہ ہے۔ اُس وقت عربوں کے سوا اور کسی کے سر پر عمامہ نہیں ہوتا تھا عمامہ عربوں کا تاج ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ، القاب بلحاظ اوصافِ کریمہ کتابوں میں اور بھی مذکور ہیں لیکن ہم نے صرف انہی پر اکتفا کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم سب سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہُوئے تو جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر یُوں سلام عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا اِبْرَاهِیْمَ (اے ابو ابراہیم! آپ پر سلامتی ہو)

فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی عفا اللہ عنہ (مولفِ جواہر البحار) کہتا ہے کہ جُستجو اور تلاشِ بسیار سے میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آٹھ سو میں سے چند زیادہ اسمائے طیبہ معلوم کیے ہیں، جنھیں مَیں نے ایک قصیدے میں جمع کیا ہے، جس کا نام اَحْسَنُ الْوَسَائِلِ فِیْ اَسْمَآءِ النَّبِیِّ الْکَامِلِ ہے۔ اِس کے بعد مَیں نے اُنھیں نثر میں علیحدہ علیحدہ حروفِ تہجّی کے لحاظ سے لکھا ہے اور ساتھ ہی کچھ ضروری اور مناسب شرح بھی لکھ دی ہے۔ مذکورہ اسمائے گرامی کے متعلقہ اہم فوائد ایک علیحدہ مستقل کتاب میں لکھے ہیں، جس کا نام اَلْاَسْمَا فِیْمَا لِسَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَسْمَآءِ رکھا ہے۔ چونکہ اِس کتاب کی قصیدہ مذکورہ کے ساتھ طباعت ہو چکی ہے لہٰذا اُس کے مندرجات کو اِس کتاب میں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُن میں سے چند ایسے اسمائے طیبہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہُوں جو باری تعالیٰ شانہٗ کے

---

[1] جھُوٹے مدعیانِ نبوت کے پیروکاروں کے بارے میں یہ ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نظریہ۔ (اختر)

[2]
سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گُلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری — حیراں ہُوں میرے شاہا، میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اِس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے
(مجدد مأتہ حاضرہ)

اسمائے حُسنیٰ ہیں لیکن اُس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی مرحمت فرمائے اور ایسے کل اسمائے گرامی جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی زینت اور خوبصورتی بخشی، اُن میں سے مَیں اکاسی پر مطلع ہو سکا ہوں، جنھیں اپنی کتاب اَلاَسْنٰی مذکورہ کے مقدمہ میں چوتھے فائدے کے تحت بیان کر چکا ہوں۔

میں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علیہ الرحمہ) کہتا ہوں کہ مواہب لدنیہ میں امام خطیب قسطلانی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سارے اسمائے طیبہ اور القاب قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ ایک جماعت اِن کی تلاش و جستجو میں منہمک ہوئی، جو ایک خاص عدد تک پہنچی۔ بعض نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ننانوے نام تحریر فرمائے ہیں، گویا باری تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے حسنیٰ جو ایک حدیث میں مذکور ہیں اُن سے موافقت دکھائی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی ہے کہ اپنے تیس ناموں کے ساتھ آپ کو مختص فرمایا۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جتنی تعداد میں اسماء النبی مذکور ہوئے ہیں، کُل اتنے ہی نہیں بلکہ اِن سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ کے چھٹے مقصد میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ستر ناموں کے ساتھ آپ کو خاص فرمایا ہے، جیسا کہ آپ کے اسمائے مقدسہ سے واضح ہے۔

اِس کے بعد علامہ زرقانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ عنقریب اُن کا بیان آپ دیکھیں گے پھر حروفِ تہجی کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ آپ کے اسمائے طیبہ کا ذکر کیا ہے۔ اِس کے بعد مجھے خیال آیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول تینوں روایات کے ساتھ اُن کو جمع کروں جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد میں وارد ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے اسماء کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے، اُن تمام مرویات کو میں نے اپنی کتاب اَلْاِسْتِغَاثَۃِ الْکُبْرٰی بِاَسْمَآءِ الْحُسْنٰی میں جمع کیا ہے۔ مَیں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی) نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ جو مذکورہ کتاب میں حروفِ تہجی کے لحاظ سے جمع کیے گئے ہیں اُن میں سے اکاسی نام ایسے ہیں جو باری تعالیٰ شانہٗ کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں روایات سے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔

ایسے اسمائے حسنہ یہ ہیں: الاول، الآخر، الاحد، الاکرم، البصیر، الباطن، البرّ، البدیع، البرہان، الجبّار، الجلیل، الجامع، الحکم، الحلیم، الحفیظ، الحکیم، الحق، الحمید، الحی، الحافظ، الخافض، الخبیر، ذوالفضل، ذوالقوۃ، الرافع، الرقیب، الرؤف، الرشید، الرحیم، السلام، السمیع، السریع، الشاکر، الشکور، الشہید، الشہید، الصادق، الصبور، الظاہر، العزیز، العلیم، العدل، العظیم، العلی، العفو، العالم، الغفور، الغنی، الفتّاح، الفرد، القوی، القریب، القائم، الکریم، الکافی، الکفیل، الملک، المومن، المھیمن، المجیب، المجید، المتین، المحی، الماجد، المقدم، المقسط، المغنی، المبین، المنیب، الملیک، المعطی، المنیر، النور، الھادی، الوہاب، الواسع، الوکیل، الولی، الواحد، الوالی، الوافی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم)

فائدہ قاضی ابوالفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے ناموں کی آخری نبی جناب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پوشاک پہنائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اِس فصل میں ایک نکتہ بیان کیا جائے اور اُس پر اِس قسم (باب) کو ختم کروں گا۔ اُس نکتے سے ہر کم عقل اور بدفہم کا وہ اشتباہ دُور ہو جائے گا جو اُسے گزشتہ بیان میں ایک حدیث سے پیدا ہو گیا ہوگا۔ یہ نکتہ اُسے شُبہ کی کٹھن راہوں سے بچائے گا اور جھوٹ کی ملاوٹ سے دُور رکھے گا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کو اپنی عظمت، کبریائی، بادشاہی، اسمائے حسنیٰ اور اعلیٰ صفات میں مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں اور نہ مخلوق کا کوئی فرد اُس کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جن الفاظ کا اطلاق شریعتِ مطہرہ میں خالق اور مخلوق دونوں پر ہُوا ہے، حقیقت میں مشابہت وہاں بھی نہیں ہے کیونکہ ذاتِ قدیم کی صفات اور مخلوق کی صفات بالکل مختلف ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور مخلوق میں کوئی مماثلت نہیں، اسی طرح باری تعالیٰ شانہٗ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں بھی کوئی مشابہت نہیں ہے، کیونکہ مخلوق کی صفات کو عرض و غرض سے جُدائی نہیں جبکہ

اللہ تبارک و تعالیٰ اِن سے پاک اور منزّہ ہے۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ اور صفات بھی اُس کی ذات سے جُدا نہیں ہوتے نہ ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد کافی و وافی ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ [1] اُس جیسا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اُن عارف اور محقق علمائے کرام کو شاداں و فرحاں رکھے جنھوں نے فرمایا ہے کہ توحید سے مراد ایک ایسی ذات کا اثبات ہے جو کسی بھی ذات کے مشابہ نہ ہو اور اپنی صفات سے کبھی معطل نہ ہو۔ واسطی علیہ الرحمہ نے اِس پر اضافہ کرتے ہوئے بیان کیا اور اسی آیت سے یہ دلیل پکڑی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مانند کوئی ذات نہیں، اس کے نام کی طرح کسی کا نام نہیں، اُس کے فعل جیسا کسی کا فعل نہیں، اُس کی صفات جیسی کسی میں کوئی صفت نہیں۔ اگر بظاہر الفاظ کی خالق اور مخلوق کے ناموں میں مطابقت نظر آئے تو یہ صرف الفاظ ہی کی مناسبت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات اِس سے منزّہ ہے کہ اُس کی کوئی صفت حادث ہو اور اِسی طرح مخلوق میں صفتِ قدیمہ کا پایا جانا محال ہے۔ یہی اہلِ حق و صداقت یعنی اہلسنت وجماعت کا مہذّب مذہب ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس بیان کو مزید واضح کرنے کی خاطر اِس کی تفسیر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکایت توحید کے جامع مسائل پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق یعنی حادث کی ذات کے مشابہ کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ ذاتِ باری تعالیٰ تو اپنے وجود میں مستغنی بالذات ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق کے افعال کی مانند کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ یہ کسی فائدے کے حصول یا نقص کو دفع کرنے کے لیے ہے، اُس میں خواہش کی تکمیل یا اغراض کو حاصل کرنے کا فعل نہیں اور اُس میں کسی قسم کی مباشرت یا اسباب کی اعانت نہیں جبکہ مخلوق کے افعال اِن اُمور سے خالی نہیں ہوتے۔

ہمارے دُوسرے بعض مشائخِ عظام نے فرمایا ہے کہ تم جو کچھ اپنے وہم و گمان یا عقل سے معلوم کر لیتے ہو وہ تمھاری ہی طرح حادث ہے۔ امام ابو المعالی جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[1] پ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۱

فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لینے پر ہی مطمئن ہو جائے اور اُس کے فکر کی یہی آخری حد ہو تو جان لینا چاہیے کہ وہ مُشبّہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی سے تشبیہ دینے والا ہے، جیسے ابن حزم و ابن تیمیہ وغیرہ اور اُن کے پیروکار) اور جو شخص خدا کے سوا دوسروں کی نفی کرنے پر ہی مطمئن ہو جائے وہ مُعطّل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کو بے بس سمجھنے والا) اور جو اُس کے وجود کا یقین رکھتا ہو لیکن ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کو معلوم کر لینے سے عاجزی کا اقرار کرے وُہ اصلی مُوَحِّد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر یقین کرے کہ اشیاء پر اُس کی قدرت بغیر چارہ جوئی اور اسباب کے ہے۔ اُس کا صنع مزاج کے دخل اور علت سے خالی ہے۔ ہر چیز اُس کا صنع ہے اور وُہ اپنے صنع کے لیے علت کا محتاج نہیں۔ جو چیز تیرے وہم میں سما سکے ذاتِ باری تعالیٰ اُس سے ورای ہے۔ یہ کلام عجیب، نفیس اور محققانہ ہے۔ اِس کا آخری حصہ اللہ رب العزت کے اِس ارشاد کی تفسیر ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ دُوسرا حصہ اِس فرمانِ الٰہی کی تفسیر ہے:

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ۔[1] — اُس (خدا) سے نہیں پُوچھا جاتا جو وہ کرے۔

اور تیسرا حصہ باری تعالیٰ شانہٗ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ فَیَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○[2] — جو چیز ہم چاہیں اُس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں، ہو جا، وُہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اثباتِ توحید اور تقدیس و تنزیہہ کے عقیدے پر ثابت قدم رکھے اور تشبیہہ و تعطیل سے بچائے جو ضلالت اور گمراہی کے راستے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ و بارک وسلّم۔

---

[1] پ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۲۳

[2] پ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۴۰

معجزاتِ سیّد المرسلین

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء کی القسم الاوّل کے چوتھے باب میں فرمایا ہے اور یہ باب اُنھوں نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات اور خصائص وکرامت ہی کے لیے مختص کیا ہے کہ اِس باب میں ہم اُن مشہور معجزات کا ذکر کریں گے جو دیگر کتنے ہی معجزات کے سرچشمے ہیں تاکہ یہ باب اظہر من الشمس ہو جائے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ خداوندی میں کیسی عظیم قدر و منزلت ہے۔ اِس سلسلے میں ہم تحقیق شدہ اور صحیح احادیثِ مقدسہ ہی پیش کریں گے، جن میں سے اکثر تو حدِّ یقین کو پہنچی ہوئی ہیں اور بعض اُن کے قریب تر ہیں۔ کچھ ایسی روایات بھی ہم نے پیش کی ہیں جو مشہور اکابر یعنی آئمۂ دین کی تصانیف میں موجود ہیں یعنی اُنھوں نے جن سے استناد کیا ہے۔

جب ایک منصف مزاج آپ کے اُن حالات میں غور و فکر کرے، جو ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خوشنما نقوشِ قدم، قابلِ تعریف سیرت، علمی رفعت، عقلی کمالات، حلم اور جملہ کمالاتِ عالیہ وخصائلِ محمودہ اور ارشاداتِ مقدسہ کے بارے میں بیان کیا ہے، تو اُسے آپ کی نبوّت اور دعوت کی صداقت وصحت کے بارے میں کسی شک و شُبہ کی گنجائش نہیں ملے گی اور یہی ایک بات مسلمان ہونے اور آپ پر ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔ ہم نے ترمذی اور ابن قانع وغیرہما سے اُن کی اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مَیں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو مجھے دیکھتے ہی یقین حاصل ہو گیا کہ جھوٹے آدمی کا ایسا چہرہ نہیں ہو سکتا۔[1]

---

[1] ؎ جو حسینانِ عالم سے ہے خوب رُو
جس پہ حُسن آفریں کو بھی پیار آ گیا
(اختر شاہجہانپوری)

ابورمثہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرا لڑکا بھی تھا۔ مجھے آپ کی زیارت کرنے کا موقع دیا گیا تو اُس معجز نما ہستی کو دیکھتے ہی یقین آگیا کہ وہ سچا نبی ہے۔ امام مسلم اور بعض دُوسرے محدثین نے روایت کی ہے کہ جب ایک شخص ضماد نامی آپ کی خدمت میں بصورتِ وفد حاضر ہُوا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس وفد کے سامنے فرمایا:

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لآ اِلٰہَ اِلاّ اللہ وحدہٗ لا شریک لہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ (صہ)	بیشک سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم اُسی کی حمد بجالاتے ہیں اور اُسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جو گمراہ ہو جائے اُسے کون ہدایت دے؟ میں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا شریک کوئی نہیں اور بے شک محمد اُس کا بندہ اور اُس کا رسول ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ضماد نے یہ کلماتِ مقدسہ سُنے تو کہنے لگا: آپ بار بار یہ کلمات دُہراتے رہیے، یہ تو بحرِ حقیقت کی تہہ کے موتی ہیں۔ آپ ہاتھ آگے بڑھائیں، میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ جامع بن شداد کا بیان ہے کہ ہم میں طارق نامی ایک آدمی تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اُسی دوران میں نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے پُوچھا: کیا تمھارے پاس فروخت کرنے والی کوئی چیز ہے؟ ہم نے جواب دیا: یہ اُونٹ ہے۔ آپ نے قیمت پُوچھی تو ہم نے کچھ وسق کھجور اُس کی قیمت بتائی۔ آپ نے اُونٹ کی مُہار پکڑی اور لے کر چلے گئے۔ ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ایک اجنبی شخص کے ہاتھوں اُونٹ فروخت کردیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اِس سفر میں ہمارے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ وُہ

کہنے لگی: آپ کے اونٹ کی قیمت کی ضامن میں ہوں۔ میں نے اونٹ خریدنے والے شخص کا چہرہ انور دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ ایسا شخص تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کر سکتا۔ صبح ہوتے ہی ایک آدمی کھجوریں لے کر آیا اور کہنے لگا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے پاس یہ کھجوریں دے کر بھیجا ہے۔ ان کا وزن کر کے قیمت پوری کر لو۔ چنانچہ ہم نے اس طرح مطلوبہ کھجوریں وصول کر لیں۔

جلندی شاہِ عمان کے بارے میں منقول ہے کہ اُسے جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اُسے اسلام کی دعوت دے رہا ہے تو اُس کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، مجھے اِس اُمّی نبی کے برحق ہونے پر اِس بات نے دلالت کی کہ وُہ اس وقت تک کسی بھلائی کا حکم نہیں دیتے جب تک خود اُس پر عمل کر کے نہ دکھائیں اور اُس وقت تک کسی بُرے کام سے منع نہیں کرتے جب تک خود اُس سے اجتناب نہ کریں۔ جب وہ کسی پر غلبہ پالیتے ہیں تو مغرور نہیں ہوتے اور جب مغلوب ہو جاتے ہیں تو مایوس نہیں ہوتے۔ ایفائے عہد کرتے ہیں، وعدے کا لحاظ رکھتے ہیں اس لیے میں گواہی دیتا ہوں کہ وُہ سچے نبی ہیں۔ ارشادِ ربانی:

یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ [1]

قریب ہے کہ اُس کا تیل بھڑک اُٹھے اگرچہ اُسے آگ نہ چھوئے۔

کی تفسیر میں نفطویہ نے کہا کہ یہ ایک مثال ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بیان فرمائی ہے، یعنی اے حبیب! خواہ تم قرآنِ کریم کی تلاوت کر کے کسی کو نہ بھی سُنا رہے ہو گے، اُس وقت بھی تمہاری رویت ہی تمہاری نبوّت پر دلالت کر رہی ہو گی۔ اسی طرح ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: ؎

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيْهِ اٰيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ
فَكَانَ مَنْظَرُهٗ يُنَبِّئُكَ بِالْخَبَرِ

معجزات و قرآنِ کریم قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

[1] پ ۱۸، سورۂ النور، آیت ۳۵

معجزات کو اچھے پیرائے میں اور مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ ابتداء اعجاز القرآن سے کی ہے۔ اعجاز القرآن کے بکثرت وجوہ بیان فرمائے ہیں، جن پر مطلع ہونے کے بعد ایک منصف مزاج یہ یقین کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے کسی میں یہ طاقت اور صلاحیت نہیں ہے کہ قرآن کریم کی کسی چھوٹی سی سورت جیسی سورت بنا کر لے آئے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد مختلف معجزات کا ذکر کیا ہے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو کر زمین کے قریب آنا اور واپس چلا جانا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ عصر ادا کروانے کے لیے سورج کو غروب ہونے سے واپس بلانا، انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہونا، آپ کی برکت سے پانی جاری ہو جانا، آپ کے مَس کرنے اور دعا کرنے سے چیزوں کا نامعلوم طریقے پر بڑھ جانا، آپ کی برکت اور دُعا سے کھانے پینے کی چیزوں کا زیادہ ہو جانا، درختوں کا کلام کرنا اور آپ کی نبوت کی گواہی دینا، درختوں کا آپ کے بلانے پر حاضر ہو جانا، حنّانہ ستون کا واقعہ، جمادات و حیوانات سے متعلق جو معجزات ظاہر ہوئے، مُردوں کا زندہ کرنا، بیماروں کو تندرست کر دینا، دعاؤں کا فوراً قبول ہونا، یہ ایک وسیع اور انوکھا باب ہے (یعنی ایمان افروز باب ہے)، موجودات خارجیہ جنھیں آپ نے مَس کیا، اُن کا آپ کی برکت و کرامت سے ماہیت تبدیل کر لینا نیز:

وما اطلع علیہ من الغیوب	اور جو آپ غیوب پر مطلع ہیں، اُن میں سے
فیما کان وما یکون والاحادیث	یہ بھی ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو چکا اور جو ہونے والا
فی ھٰذا الباب بحر لا یدرک قعرہ	ہے۔ اس بات کے ثبوت میں اتنی احادیث
ولا ینزف غمرہ و ھٰذا المعجزۃ	موجود ہیں کہ گویا سمندر ہیں جس کی تہہ نہیں
من جملۃ معجزاتہ صلی اللہ علیہ	مل سکتی اور نہ اُس کا پانی نکالا جا سکتا ہے۔
وسلم المعلومۃ علی القطع الواصل	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ
الینا خبرھا علی التواتر لکثرۃ	معجزات جن کا علم ہمیں قطعی طور پر ہے اور
رواتھا واتفاق معانیھا علی	کثیر التعداد راویوں کے ذریعے ہمیں تواتر

الاطلاع علی الغیب حتیٰ ان کان بعضهم یقول لصاحبه اسکت فو اللہ لو لم یکن عنده من یخبره لاخبرته حجارة البطحاء۔ (ص۵)

کے طور پر پہنچے ہیں اور جن کے مفہوم و معانی پر اتفاق ہے، اُن میں سے آپ کا غیب پر مطلع ہونے کا معجزہ بھی ہے۔ صحابۂ کرام کا اس پر یہاں تک یقین تھا کہ جب کوئی اپنے ساتھی سے بات کرتا، تو دوسرا کہتا: خاموش رہو۔ خدا کی قسم اگر حضور کے پاس اور کوئی خبر دینے والا نہ ہوا تو بطحا کے پتھر بھی اُنھیں بتا دیں گے۔

اِس کے علاوہ قیامت کی نشانیاں بتانا نیز حشر و نشر اور قیامت کے حالات بتانا، حالانکہ اِس فصل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، جو کتنے ہی اجزاء پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں لوگوں کے شر سے باری تعالیٰ شانہٗ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو محفوظ رکھنا اور اُن کی اذیتوں سے آپ کو بچائے رکھنا (یعنی دشمن آپ کو ختم کرنا چاہتے تھے لیکن نہ کر سکے) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اقسام کے بے شمار معجزات کا ذکر کیا ہے، حتیٰ کہ فرمایا:

ومن معجزاته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الباهرة ما جمعه اللہ له من المعارف والعلوم وخصه به من الاطلاع علیٰ جمیع مصالح الدنیا والدین ومعرفته بامور شرائعه و قوانین دینه وسیاسة عباده ومصالح امته وما کان فی الامم قبله وقصص الانبیاء والرسل والجبابرة والقرون الماضیة من لدن آدم علیه السلام الیٰ زمنه وحفظ شرائعهم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بہت بڑے معجزات میں سے یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم و معارف کا خزانہ بنا دیا اور آپ کو خصوصیت بخشی کر دین و دنیا کے تمام مصالح پر آپ کو مطلع فرمایا نیز شریعتوں کے امور اور اپنے دین کے قوانین کی معرفت عطا فرمائی اور اپنے بندوں کی سیاست اور اپنی امت کے مصالح اور گزشتہ اُمتوں کے حالات، انبیاء و مرسلین کے حالات، آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے عہدِ مبارک تک کے جابر بادشاہوں اور گزرے ہوئے زمانوں کے قصے اور اُمم سابقہ کی شریعتوں، اُن کی

وكتبهم ووعي سيرهم وسرد انباءهم و
ايام الله فيهم وصفات اعيانهم و
اختلاف ارائهم والمعرفة بمددهم
واعمارهم وحكم حكمائهم ومحاجة
كل امة من الكفرة و معارضة
كل فرقة من اهل الكتاب بين
لما في كتبهم واعلامهم باسرارها
ومخبآت علومهم واخبارهم بما
كتموه من ذلك وغيره والى الاحتواء
على لغة العرب وغريب الفاظ فرقها
والاحاطة بضروب فصاحتها والحفظ
لايامها وامثالها وحكمها ومعاني
اشعارها والتخصيص بجوامع
كلمها الى المعرفة بضرب
الامثال الصحيحة والحكم
البيّنة بتقريب التفهيم للغامض
والتبيين للمشكل الى تمهيد
قواعد الشرع الذي لا تناقض
فيه ولا تخاذل فيما انزل
علينا مع اشتمال شريعته
صلى الله تعالى عليه و
سلم على محاسن الاخلاق
ومحامد الآداب وكل

کتابوں اور سیرتوں کو ذہن میں محفوظ کر لینا، اور
اُن کی خبروں، اُن پر اللہ تعالیٰ کے انعام یا عذاب کے
واقعات، اُن کے سرگروہوں کے اطوار، اُن کا
اختلافِ آراء، اُن کی مدتوں، عمروں اور اُن کے
حکماء کے اقوال کو جان لینا اور ہر اُمت سے کافروں
کے جھگڑوں اور اہلِ کتاب کے ہر فرقے کے ساتھ
اُس کی مسلّمہ کتابوں کے ذریعے معارضے کی صلاحیت
ہونا، اُن کی کتابوں کے اسرار اور چھپائے ہوئے
علوم واخبار کو ظاہر کرنا (یعنی جن باتوں کو اہلِ کتاب
مخصوص مصلحتوں کے تحت چھپائے رکھتے تھے)،
عربی زبان کی مہارت حاصل ہونا اور ہر جماعت اور
قبیلے کے خاص الفاظ اور اُن کی فصاحت کے جملہ
اقسام کا احاطہ کر لینا، اُن کے واقعات وحوادث،
مثالیں، حکمتیں اور اُن کے اشعار کے معانی حفظ
کر لینا، سارے جامع کلمات کو معرفت کی جانب
خاص کر دینا اور صحیح محاورات وضرب الامثال کی
معرفت ہونا اور حکم کو واضح اور عام فہم لفظوں میں
بیان کرنا اور ہر مشکل بات کو ایسے آسان لفظوں
میں واضح بیان کرتے کہ اُن کے فہم کے نزدیک ہوتی
چلی جاتی۔ وہ شریعتِ مطہرہ جس میں کوئی تناقض
نہیں ہے اُس کے شروع میں قواعد کو آسان
طریقے سے بیان کیا ہے اور شریعت میں کوئی کمزوری
بھی نہیں ہے جو کہ ہمارے لیے نازل ہوئی۔ شریعتِ مجید

شیئ مستحسن مفصّل لم ینکر منہ ملحد ذو عقل سلیم شیئًا الا من جہۃ الخذلان بل کل جاحد لہ وکافر من الجاھلیۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمع مایدعوا الیہ صوبہ واستحسنہ دون طلب اقامۃ برھان علیہ۔ (ص۵۶)

تو اچھے اخلاق اور قابلِ تعریف آداب پر مشتمل ہے اور اِس کی ہر بات واضح پسندیدہ ہے، جس کا عقلِ سلیم رکھنے والا ایک ملحد بھی انکار نہیں کرسکتا لیکن اُس شخص کا معاملہ ہی دیگر ہے جس کو بدبختی اور رُسوائی نے جکڑ رکھا ہو، یہاں تک کہ دورِ جاہلیت میں کسی منکر اور کافر نے بھی جب نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس پیغام کو سُنا تو اُس کو بھی تصویب وتحسین کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا اور آپ کی حقانیت پر دوسری کسی دلیل کا مطالبہ تک نہیں کیا۔"

اِس کے ساتھ ہی طیبات کو اپنی اُمت کے لیے حلال اور خبائث کو حرام ٹھہرایا اور مسلمانوں کی جان، مال اور عزت وآبرو کو دوزخ سے بچانے کی خاطر تعزیرات اور حدود قائم کرکے محفوظ فرمایا۔ ایسی باتوں کا اہتمام وہی ماہر شخص کرسکتا ہے، جس نے علم حاصل کیا اور کتابوں کو پڑھا ہو نیز مختلف علوم وفنون کی تحصیل میں مہارت حاصل کی ہو جیسے طب، خوابوں کی تعبیر، میراث و وراثت، حساب، انساب اور دیگر ایسے ہی علوم۔ حالانکہ اِن علوم کے ماہرین نے جب آپ کے ارشاداتِ عالیہ میں غور وفکر کیا تو اُنھیں اپنے تجربات کی بنیاد اور اصل الاصول پایا۔

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد چند وہ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن کا تعلق مذکورہ بالا علوم وفنون سے ہے۔ اِس کے بعد فرشتوں اور جنوں کے متعلق آپ نے جو خبریں دیں، اُنھیں نقل فرمایا نیز آپ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں کا ذکر کیا اور احبار ورہبان اور علمائے اہلِ کتاب نے آپ کی اور اُمتِ محمدیہ کی جو صفات، اسماء اور علامات بیان کی ہیں، اُنھیں نقل کیا اور مہرِ نبوت کا تذکرہ کیا جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور جس کا ذکر گزشتہ موحدین کے اشعار میں بھی پایا جاتا ہے نیز کاہن جس کی خبر دیا کرتے تھے اور غائب جنوں، بتوں اور تصویروں کے اندر سے بارہا آوازیں سُنی گئیں، اِسی طرح قدیم زمانے کے

طریقہ ہائے تحریر میں پتھروں اور قبروں پر آپ کا اسمِ گرامی اور آپ کی رسالت کی گواہی لکھی ہوئی پائی گئی
اِس سلسلے کے اکثر واقعات مشہور و معلوم ہیں لیکن اسی شخص کے لیے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی سیرتِ مقدسہ پر مطلع ہے اور ہم (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب
حجۃ اللہ علی العالمین میں اس موضوع پر شرح و بسط سے لکھا ہے۔

معجزاتِ ولادت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادتِ مقدسہ کے وقت جو نشانیاں اور خرقِ عادت باتیں دیکھی گئی ہیں جیسا کہ آپ کی
والدۂ ماجدہ اور جو افراد وہاں موجود تھے، اُنھوں نے عجائب بیان کیے ہیں کہ ولادت کے بعد
آپ کا آسمان کی جانب ٹکٹکی لگا کر دیکھنا، اور وہ نور جو آپ کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے
بوقتِ ولادت آپ کے ساتھ نکلتے دیکھا، حتیٰ کہ اُس کی روشنی میں بصرے کے محلات نظر
آگئے تھے، جیسا کہ امام احمد اور بیہقی نے حضرت عرباض بن ساریہ اور ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے روایت کی ہے اور جو عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت
ستاروں کو آتے ہوئے اور نور کو ظاہر ہوتے ہوئے دیکھا، حتیٰ کہ اُس نور کے وقت اور کچھ نظر
ہی نہیں آتا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ، جو آپ کی دایہ تھیں، اُن کا بیان ہے کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِس دنیا پر جلوہ افروز ہوئے اور میرے ہاتھوں میں دیے گئے
تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا کہ "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے" اُس وقت
میرے لیے مشرق و مغرب روشن ہو گئے حتیٰ کہ میں نے روم کے محلات دیکھ لیے، اِسی طرح آپ کو
دُودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ اور اُن کے خاوند نے جو آپ کی برکتیں دیکھیں کہ اُن کے دُودھ کا
جوش مارنا، اُن کی بوڑھی اُونٹنی کا دوبارہ دُودھ دینے لگنا، اُن کی بکریوں کا بہت بڑھ جانا،
آپ کا تیزی سے نوجوان ہو جانا اور حسین نشو و نما پانا معروف ہے۔

نیز آپ کی پیدائش کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے جیسا کہ بیہقی نے روایت
کی ہے، اِس کے علاوہ کسریٰ کے محلات کا تزلزل میں آجانا اور اُن کے کنگروں کا گر پڑنا،
بحیرۂ طبریہ کا خشک ہو جانا، آتشکدۂ فارس کی آگ کا بُجھ جانا جبکہ ایک ہزار سال سے وہ بُجھی
نہیں تھی اور یہ کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچپن میں جب اپنے چچا ابو طالب اور اُن کے

اولاد کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سیر ہو جاتے اور جب وُہ آپ کی عدم موجودگی میں کھانا کھاتے تو سب بھُوکے رَہ جاتے، ابُو طالب کی اولاد جب سو کر صُبح اُٹھتی تو اُن کے بال بکھرے ہُوئے ہوتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیدار ہوتے تو گیسوئے مبارک گویا شانہ کیے ہوئے، چہرہ خوشبودار اور آنکھیں سُرگیں ہوتیں۔

اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کی خدمت کرنے والی تھیں، اُن کا بیان ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی بھُوک اور پیاس کی شکایت کرتے ہُوئے نہیں سنا، آپ کے معجزات سے آسمانی آگ اور شعلوں کے گرنے کی بندش اور شیطانوں کے چوری کرنے کے راستوں کا ختم ہونا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی کہ بُتوں سے عداوت اور امورِ جاہلیت سے نفرت آپ کی فطرت میں شامل فرما دی حتّٰی کہ ستر (جسم ڈھانپنے) کے بارے میں آپ کی حالت یہ تھی، جیسا کہ مشہور خبر ہے، جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، جیسا کہ بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُس دوران میں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ازار مبارک کو آپ کے کندھے پر رکھ دیا گیا، تو یوحجیا آپ زمین پر گر پڑے، یہاں تک کہ اُسے واپس کیا گیا۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پُوچھا کہ تمھیں کیا ہو گیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں ننگا ہونے سے منع کیا گیا ہُوں۔

اللہ تعالیٰ کا آپ پر سفر میں بادلوں سے سایہ کرنا جیسا کہ ترمذی اور دیگر کتبِ احادیث میں ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ اُنھوں نے اور اُن کی برادری کی کتنی ہی عورتوں نے دیکھا کہ جب آپ شام کی جانب سے آئے تو دو فرشتوں نے آپ پر سایہ کیا ہُوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے غلام میسرہ سے اِس کا تذکرہ کیا تو اُس نے جواب دیا کہ مَیں تو اِس قسم کے تعجب خیز واقعات اُسی وقت سے دیکھ رہا ہوں جب سے ان کا ہم سفر ہوا تھا۔ روایت کی گئی ہے کہ جب آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہتے تھے تو اُنھوں نے بادل کو آپ کے اُوپر سایہ کرتے دیکھا۔ اِس کی روایت آپ کے رضاعی بھائی (دُودھ شریک بھائی) نے کی ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ اعلانِ نبوّت سے پہلے آپ کسی سفر میں ایک خشک درخت کے

نیچے آرام فرما ہوئے تو اُس درخت کے اردگرد سبزہ نمودار ہوگیا اور وُہ درخت بھی سرسبز ہو کر لہلہانے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی شاخیں پھیل کر لٹکنے لگیں، یہاں تک کہ وُہ خُوب سایہ دار ہوگیا۔ دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اُس نے آپ پر اچھی طرح سایہ کردیا۔ یہ جو عام مشہور ہے کہ:

کان لا ظل لشخصه فی شمس و لا قمر لانه کان نورًا و ان الذباب کان لا یقع علی جسده و لا ثیابه۔ (صلا)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا سایہ سُورج اور چاند کی روشنی میں بھی نہیں ہوتا تھا کیوں کہ آپ سرتاپا نُور ہی نُور تھے اور مکھی کی یہ مجال نہیں تھی کہ کبھی بھی وُہ آپ کے جسمِ اطہر یا آپ کے کپڑوں پر بیٹھے۔

جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ آپ کے معجزات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو تنہائی پسند رکھا گیا اور وحی آنے یعنی قرآن کریم نازل ہونے تک آپ کی یہی کیفیت رہی جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے اور بخاری و مسلم میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ کو وصال کی خبر دی گئی اور بتا دیا گیا کہ اب مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں واپس پہنچنے کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ یہ بھی آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ روضۂ اطہر مدینہ منورہ میں ہوگا اور ہوگا بھی آپ کے کاشانۂ اقدس کے اندر۔ نیز یہ کہ آپ کے دولت کدے اور مقدس منبر کے درمیان کی جگہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو باری تعالیٰ شانہٗ نے دنیا میں رہنے اور رحلت فرمانے میں اختیار دیا تھا کہ کسی ایک چیز کو اختیار کر لیا جائے۔ آپ نے آخرت کو پسند کیا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی (اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ ساتھی ہے)۔ یہی آپ کے آخری کلمات ہیں، ان کے بعد پھر کلام نہیں فرمایا۔

بوقتِ وصال کے واقعات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ذکر کیے ہیں۔ اُن میں سے ملائکہ کا نمازِ جنازہ کی جگہ صلوٰت و سلام پڑھنا، ملک الموت کا اجازت لے کر حاضرِ بارگاہ ہونا حالانکہ آپ سے پہلے ملک الموت نے کسی سے اجازت نہیں لی۔ بوقتِ غسل ملائکہ کی جانب سے یہ آواز آنا کہ آپ کی قمیص مبارک کو نہ اُتارو۔ صحابۂ کرام نے اِس آواز کو سُنا لیکن ایسا کہنے والا نظر کوئی بھی نہ آیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ وصال کے بعد حضرت خضر علیہ السلام اور ملائکہ نے اہلِ بیتِ اطہار سے یوں اظہارِ تعزیت کیا:

السلام علیکم اهل البیت ورحمة	اے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر والو! تم
الله وبرکاته ان فی الله خلفاً من	پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔
کل هالك وعزاء من کل	بے شک دنیا سے رخصت ہونے والے ہر شخص کا
مصیبة ودرگا من کل فائت	وارث خدا ہے۔ وہی ہر مصیبت میں تسلی دیتا ہے
فبالله ثقوا وایاه فارجوا	اور وہی نقصان کو پورا کرنے والا ہے۔ تم خدا سے
فان المصاب من حرم الثواب	ڈرتے رہو، اُسی سے اُمید رکھو کیونکہ اصلی مصیبت زدہ
رواه البیهقی فی دلائل النبوة۔	وہی ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے۔ اسے
(صث)	بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت کیا ہے۔

امام شافعی اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر آپ کی کرامتیں اور برکتیں دنیاوی زندگی میں ظاہر تھیں لیکن وصال کے بعد بھی اُسی طرح ظاہر ہوتی رہیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دُعا کرنا۔

معجزاتِ مصطفیٰ کی ترجیح

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات، دیگر انبیائے کرام کے مقابلے میں دو وجہ سے زیادہ واضح اور اہم ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کے معجزات تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔ جس نبی کو جو بھی معجزہ ملا، وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی مرحمت فرمایا گیا، یا اُس سے بھی اعلیٰ معجزہ دیا گیا اور اہلِ علم اس بات سے پوری طرح واقف ہیں۔ آپ کے معجزات اس طرح حد و شمار سے باہر ہیں کہ قرآن کریم اوّل سے آخر تک معجزہ ہے اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت میں بھی اعجاز موجود ہے اور وُہ سورۂ کوثر ہے۔ اُسی میں یہ موجود ہے:

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ [1] — اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

[1] پ ۳۰، سورۂ الکوثر، آیت ۱

جب اِس چھوٹی سی سورت میں بھی اعجاز موجود ہے حالانکہ اِس کے صرف دس کلمے ہیں لیکن پورے قرآنِ کریم میں تو ستر ہزار سے بھی کچھ اُوپر ہی کلمات ہیں۔ چونکہ سورۂ کوثر کے دس کلمے ہیں، اِس لحاظ سے حصّے بناتے چلے جائیں تب بھی قرآنِ کریم کے سات ہزار سے زیادہ حصّے بنتے ہیں اور ہر حصّہ واقعی معجزہ ہے۔ علاوہ بریں اِس کے اعجاز بلاغت و اعجاز نظم وغیرہ کے لحاظ سے دیکھیں تو مذکورہ تعداد کئی گنا ہو جائے گی۔ اعجاز کی ایک وجہ غیبی اموُر کی خبریں دینا بھی ہے، یُوں اور کئی گنا تعداد ہو جاتی ہے۔ اِن کے علاوہ بھی اعجاز کی اور کتنی ہی وجوہات ہیں اگر اُن کے حساب سے گنتے چلے جائیں تو صرف قرآنِ کریم سے متعلق ہی آپ کے اتنے معجزے ہو جائیں گے کہ اعداد بھی اُن کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ اِس بارے میں جو احادیث و اخبار وارد ہیں وُہ اعجاز کی کثرت کے لحاظ سے مذکورہ تعداد کے کئی گنا معجزات کا پتہ دیتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے معجزات کی وضاحت و اہمیت کی دُوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر انبیاء کے معجزات اُس زمانہ کے لوگوں کی ہمّت اور اُس فن کے اعتبار سے تھے جن میں اُس زمانے کے لوگ مہارت رکھتے ہوں جیسے موسیٰ علیہ السّلام کے دَور میں جادو کا بہت زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایسا معجزہ دے کر بھیجا جو اُن کاموں سے مشابہت رکھتا تھا، جن پر قدرت رکھنے کا وُہ دعوٰی کرتے تھے۔ پس جب مُوسیٰ علیہ السّلام اُن کے پاس وُہ معجزہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو اُن پر واضح ہو گیا کہ وُہ اِس پر قدرت نہیں رکھتے کیونکہ اِس نے اُن کے جادو کو باطل کر دکھایا تھا۔

اِسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے میں علم طب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا تھا تو آپ اُن کے پاس ایسا معجزہ لے کر تشریف فرما ہُوئے جس پر اُنھیں کوئی قدرت نہیں تھی۔ وُہ یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مُردے کو بھی زندہ کیا جا سکتا ہے نیز بغیر معالجے اور طبّی طریقوں کے مادر زاد اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا ممکن ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات بھی اِسی طرح تھے۔

جس دَور میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا تو عرب میں چار علوم بہت مشہور تھے، (۱) بلاغت (۲) شاعری (۳) خبر (تاریخ) (۴) کہانت۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآنِ کریم نازل فرمایا جو مذکورہ چاروں علوم کے لیے خارق ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور ایجاز کے ایسے کمالات پر مشتمل ہے جس کا اُن کے کلام میں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔[1] اس عجیب وغریب نظم اور پسندیدہ اسلوب کے وُہ کوچے ہی سے نابلد تھے۔ جہاں تک اخبار یعنی تاریخ کا تعلق ہے تو قرآنِ کریم نے ایسے واقعات وحوادث اور اسرار ومخفیات کی خبریں دیں اور وہ خبروں کے مطابق ہی ظہور پذیر ہُوئے تو کسی پرلے درجے کے معاند اور دشمن کو بھی اِس کی صحت وصداقت میں شُبہ نہیں رہ سکتا۔ رہی کہانت، تو یہ ایک مرتبہ سچّی اور دس مرتبہ جھُوٹی ثابت ہوتی رہتی ہے۔ شیاطین پر آسمان سے چنگاریاں پھینک کر اور ستاروں کے ٹوٹنے سے کہانت کو باطل کر کے بیخ وبُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ قرآنِ کریم نے اپنے زمانۂ نزول کے حالات، گزشتہ انبیائے کرام اور اُن کی اُمتوں کے تذکرے نیز گزرے ہُوئے واقعات کو بیان کر کے ہمہ دانی کا دعوٰی کرنیوالوں کو جاہل محض ثابت کر دکھایا۔

قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں بلکہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور ہر گروہ کے لیے واضح دلیل وحُجت ہے۔ بعد میں آنے والا جو بھی شخص اِس کے وجوہِ اعجاز میں غور وفکر اور تامّل کرے گا تو اُس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ:

الیٰ ما اخبر بہ من الغیوب علیٰ	سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معجزے
ھذا السبیل فلا یمر عصر و	کے طور پر اِس قدر غیب کی خبریں دی ہیں کہ کوئی دَور
زمن الا ویظھر فیہ صدقہ	اور زمانہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ کی صداقت
صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیٰ ما	ظاہر نہ ہُوئی ہو۔ اِس سے ایمان کو تازگی اور حقانیت
اخبر فیتجدد الایمان و	کی دلیل کو غلبہ ملتا ہے۔
یتظاھر البرھان۔ (ص۵۹)	

---

[1] امام احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے: ؎

ترے آگے یُوں ہیں دبے لچے فصحاعرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے مُنہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

دیگر انبیائے کرام جب دنیا سے رخصت ہو جاتے تو اُن کے معجزات بھی ختم ہو جاتے تھے لیکن نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معجزہ نہ تو ختم ہونے والا ہے اور نہ منقطع ہو سکتا ہے۔ اس کے دلائل زائل نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ ترو تازہ رہتے ہیں، اسی لیے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر نبی کو اُس کے زمانے کے مطابق معجزے دیے گئے، جن کو دیکھ کر لوگ اُن پر ایمان لاتے تھے لیکن میرا معجزہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت میں میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کا صحیح مفہوم تو یہی ہے لیکن اکثر علماء نے اِس کی تاویل کی ہے، اور ظہورِ معجزہ کے بارے میں اس طرف گئے ہیں کہ آپ کے اس معجزے کا ظہور وحی یعنی کلامِ الٰہی ہونے کے باعث ہے جس میں نہ فکری قوت کا دخل اور نہ تشبیہہ متصور، لیکن مخالفین و معاندین نے انبیائے کرام کے معجزات کا مقابلہ ایسے امور سے کیا جن کا دار و مدار فکری قوت پر تھا اور اِس طرح کوتاہ فہم لوگوں کو کسی حد تک ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں جادوگروں نے اپنی رسیاں اور چھڑیاں پھینک کر سانپوں کی شکل میں دکھادیں اور جادوگر ایسی شعبدہ بازی لوگوں کو دکھا دیا کرتے ہیں لیکن قرآنِ کریم تو کلامِ الٰہی ہے، اِس پر کوئی جادو یا قوتِ متخیلہ اثر انداز نہیں ہو سکتی یعنی اِس کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ اِس اعتبار سے قرآنِ کریم کو دیگر تمام معجزات پر بھی فوقیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کفارِ عرب نے اِس کے مقابلہ اور معارضہ سے ہتھیار ڈال دیے تھے چنانچہ اُنھوں نے جلا وطنی، قید، ذلت و رُسوائی، نقل مکانی، جانی و مالی نقصانات، زجر و توبیخ، تہی دستی، جھڑکیاں کھانے اور دھتکارے جانے کے مصائب تک برداشت کر لیے، لیکن قرآنِ عزیز جیسی ایک آیت بھی بنا کر لانے سے عاجز رہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اِس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لوگوں پر حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن میں سرِ فہرست آپ پر ایمان لانا ہے۔ پھر آپ کی اطاعت اور سنّت کی پیروی ہے کیونکہ یہ آپ سے محبت رکھنے اور اپنی خیر خواہی کے لوازم سے ہے۔ آپ کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے کیونکہ یہ آپ کی تعظیم و توقیر اور احسان ماننے کی نشانی ہے وصال کے بعد ہر اُس چیز کا احترام کیا جائے جو آپ کی جانب منسوب ہے۔ آپ پر صلوٰۃ و سلام

پڑھنا اور روضۂ اطہر کی زیارت کرنا۔ جو باتیں آپ کے لیے واجب یا جو آپ پر محال اور ممتنع تھیں اُنھیں مدِنظر رکھے کیونکہ آپ کو گالی دینے یا آپ کی شان میں نازیبا لفظ جاری کرنے یا تنقیص کرنے والے کے لیے قتل کرنے کا حکم ہے یا اِس کے نزدیک۔ اِس فصل کا اختتام اِس بیان پر ہُوا ہے کہ آپ کے اہلِ بیتِ اطہار، ازواجِ مطہرات اور صحابۂ کرام کو گالی دینا یا اُن کی تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ قصّہ مختصر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات اور دیگر احوال ایسی شرح و بسط سے بیان فرمائے ہیں، جن پر مطلع ہونے اور نفع حاصل کرنے سے کوئی مسلمان مستغنی نہیں۔ کتاب الشفاء اِس موضوع پر عدیم النظیر کتاب ہے جس کی مقبولیت پر اُمتِ محمدیہ کا اتفاق ہے۔ اِس کی بڑا امتیازی خصوصیت ہے کہ فضائلِ مصطفیٰ پر سب سے پہلے لکھی گئی۔ اگرچہ مواہب لدنیہ بھی اِس باب میں یکتا ہے کیونکہ اُس میں بیانات زیادہ شرح و بسط سے ہیں لیکن یہ امتیاز پھر کتاب الشفاء ہی کو حاصل ہے کہ وہ اِس میدان کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

امام، عارف باللہ، حکیم محمد بن علی ترمذی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرمودات گرامی

نوٹ: یہ صاحب سنن، ابو عیسیٰ ترمذی نہیں ہیں۔

فخرِ دوعالم کی ہیبت

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں فرمایا ہے کہ ظاہری حیات اور بعد وفات فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو ہیبت کی تاثیر دلوں میں تھی اور ہے، اس کتاب کی ایک سو چھتیسویں اصل کا عنوان اور موضوع یہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اُس رونقِ آرائے گیتی نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا تو آپ کی ضیا باریوں سے مدینۃ الرسول کی ہر شے جگمگا اُٹھی اور جس روز آپ نے وفات پائی تو مدینہ طیبہ کی ہر ایک چیز کو غم و الم کے اندھیرے نے گھیر لیا۔ آپ کو قبرِ انور کے سپرد کر دینے کے بعد ہم نے ابھی اپنے ہاتھوں کو جھاڑا بھی نہیں تھا کہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوراً اضاء العالمین قال تعالیٰ انا ارسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً وداعياً الى الله باذنه وسراجاً منيراً فكان يستنير سراجه فى العالمين واذا مشى فى الطريق فاح منه ريح الطيب حتى يوجد عرفه فى ممره صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فيعرف انه مر بهذا المكان وكان طاهراً طيباً طهر الله تعالیٰ بالحفظ فى الاصلاب والارحام وطفلاً وناشئاً وكهلاً حتى

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نُور تھے، جنھوں نے اپنی ضیا پاشیوں سے دونوں جہانوں کو جگمگا رکھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے محبوب! ہم نے تمھیں حاضر و ناظر، خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا، اللہ کے حکم سے اُس کی جانب بُلانے والا اور روشن سُورج بنا کر بھیجا ہے"۔ آپ کی نُورانیت ہی سے کونین میں اُجالا ہے۔ جب آپ کسی راستے سے گزرتے تو اُس گزرگاہ کی فضا معطر ہو جاتی، حتّٰی کہ ہر آنے جانے والے کو معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِس راستے سے گزر ہوا ہے، اسی لیے تو یہ کوچہ بسا ہُوا ہے۔ آپ ایسے طاہر اور طیب تھے کہ باری تعالیٰ شانُہٗ نے آپ کو اصلاب (صلب کی جمع) اور ارحام (رحم کی جمع) میں بھی پاک صاف رکھا اور بچپن، نوجوانی اور

قدسه بطهرة النبوة وشرفه بالقرابة وطيبه بروحه وجلله ببهائه فمن فتح الله قلبه بالنور الذی جعله فی قلبه والبصرة وما نحله الله تعالیٰ وزینه به کان رویته شفاء قلبه ودواء سقمه ولا یخیب برویته عن ان یکون شفاء القلب الا من ختم الله علی قلبه وجعل علی سمعه وبصره غشاوة۔ (ص۱۱۶)

بڑھاپے میں بھی، یہاں تک کہ نبوت جیسی اعلیٰ ترین طہارت کے ساتھ آپ کی تقدیس فرمائی۔ آپ کو قربِ خاص کا شرف مرحمت فرمایا، گلشنِ کائنات کا معطر گلِ سرسبد بنایا اور بزرگی کا جامہ پہنایا۔ پس جس خوش نصیب کا دل اُس نور کی بدولت کھول دیا اور چشمِ بصیرت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنے حبیب کی بزرگی اور رعنائی اُسے دکھادی، تو اُس پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی رویت تو دلوں کی شفا اور امراض کی دوا ہے۔ تندرست دل والا آپ کی رویت سے فیضیاب ہوئے بغیر نہیں رہتا، سوائے اُس کے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مُہر لگادی ہو اور اُس کی سماعت و بصارت پر پردہ پڑا ہوا ہو۔

اِسی حقیقت کو اللہ ربّ العزت نے اپنے کلامِ معجز نظام میں یُوں بیان فرمایا ہے:

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝[۱]

اور تو اُنھیں دیکھے کہ وُہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور اُنھیں کچھ بھی نہیں سُوجھتا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیبت، وقار، جلال اور طہارت لوگوں کے قلوب و نفوس کے درمیان ایک دیوار تھی۔ آپ کی ہیبت اور بزرگی کے پیشِ نظر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ اُنھیں بصورتِ دیگر حیا محسوس ہوتی تھی۔ آپ میں نورانیت، شیریں کلامی اور وجاہت جمع تھی۔ زمین کے جس ٹکڑے کو آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا، وہ آپ کی نورانیت سے رشکِ قمر ہو جاتا[۲]، شیریں کلامی کا گہوارہ کہلانے لگتا اور آپ کی ہیبت سے وہاں کے جوہر مستعد

---

[۱] پ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۹۸

[۲] ؎ کعبہ کسی کا، عرشِ بریں ہے کسی کا نام
کچھ اِس قدر ہیں اُن کے قدم، رہگزر نواز
(اختر الحامدی)

ہو جاتے تھے۔ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پردہ فرما گئے تو اُس سراجِ کائنات کے ساتھ اُس کی حقیقی روشنی بھی رُو پوش ہو گئی اور وہ پہلے جیسی چمک دمک، حلاوت اور مہابت بھی نہ رہی۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین کے سپرد کر کے ابھی ہاتھوں کی مٹی بھی صاف نہیں کرنے پائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کا انکار کر دیا۔ اِس جُملے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی دلی کیفیت بیان کی ہے، کیونکہ اُنھیں باری تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا لیکن بعض لوگوں کی ایمانی حالت کے بدل جانے کا خطرہ پریشان کر رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی تھے۔ جس نے آپ کو پہچانا اور آپ کی معرفت اِس طریق سے اُس کے اندر متمکن ہو گئی ہو، بھلا وہ شخص جب آپ کو غائب یا مفقود دیکھے گا تو اپنے دِل کا انکار کیوں کریگا؟ اُس کے دل و دماغ پر تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بادشاہی تھی۔ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو دِل کی مُہار زمین پر گرتی ہوئی نظر آنے لگی اور یُوں محسوس ہونے لگا کہ اسے چھوڑ دیا گیا ہے جس سے اپنی خواہشات کی جانب متوجہ ہونے کا خطرہ تھا۔ لیکن جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت سمائی ہوئی ہو اور وہ اُس پر غلبہ پا چکی ہو، وُہ آپ کی وفات سے اپنے دل کا انکار نہیں کرے گا، کیونکہ آپ کے پردہ فرمانے سے اُس کے دِل کی حالت نہیں بدلے گی۔ ایسے اللہ تعالےٰ کے دوستوں کو صِدّیق کہتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایسے حضرات کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے وہ چیز دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے جو اُنھیں متحیّر کیے رکھتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ مارے ہیبت کے اُن کی اپنی ذات ایک لحاظ سے مر ہی گئی ہوتی ہے۔ یہی ہیبت ہے جو اُن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبّت سے بھرپُور رکھتی ہے اور مخلوق کی محبت کو اُس نے ڈھانپ رکھا ہوتا ہے۔ اِس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کے دِلوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت زائل ہو جاتی ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ جتنی اللہ تعالیٰ کی محبّت اور ہیبت دِلوں میں بڑھتی جاتی ہے اُسی لحاظ سے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی محبّت دلوں میں بڑھتی رہتی ہے اور آپ کی محبّت تمام دنیاوی کدورات سے

پاک صاف ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ہیبت لوگوں کی محبت پر غالب آکر اُسے ڈھانپ لیتی ہے، اِس طرح دُوسروں کی محبت ظاہر نہیں ہوتی جیسے سمندر میں ایک ٹیلہ ہو، وُہ اپنی ہیبت کے ساتھ سمندر میں کھڑا تو ہوتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتا، یا جس طرح چاند کہ اُس کی روشنی تو ہر وقت برقرار رہتی ہے لیکن جب مہرِ درخشاں کی تابانیاں اُس کے بالمقابل آتی ہیں تو سورج کی کرنیں چاند کی روشنی کو اپنے اندر ڈھانپ لیتی ہیں، حالاں کہ چاند کی چمک دمک حقیقت میں وہی رہتی ہے لیکن سورج کی وافر ضیاء باریوں کے باعث دیکھنے والے کو چاند کی حالت کچھ اور ہی نظر آرہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہیبت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و ہیبت پر غالب آجاتی ہے۔ یہ بحث نہایت نفیس اور دقیق ہے باری تعالیٰ شانہٗ ہمیں اِس کلام سے اور اِس کے مولف سے نفع اندوز کرے۔ (آمین)

خدا کی محبّت اور اتباعِ رسُول

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوادر الاصول کی اصل ایک سو پچپن میں آیۂ کریمہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اِس آیت کی تفسیر یُوں بیان فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو نیکی، تقویٰ، تواضع اور نفس کشی میں میرا اتباع کرو۔ نیکی سے مراد وُہ فرائض ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عائد کیے۔ تقویٰ اُن کاموں سے اجتناب کرنے کو کہتے ہیں جن سے پروردگارِ عالم نے روکا ہے۔ تواضع کا یہ مطلب ہے کہ آدمی اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دے۔ نفس کشی کا یہ مفہوم ہے کہ روزی وغیرہ کے سلسلے میں اپنی خواہشات کو اُس کے درجات پر چھوڑ دے۔ آدمی اِن چاروں چیزوں کو اُسی وقت قائم کر سکتا ہے جبکہ وہ عبودیت میں صفائی یعنی اخلاص رکھتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بارگاہِ رسالت میں یمن کا ایک وفد حاضر ہُوا اور انھوں نے کہا کہ ابیت اللعن (آپ لعنت سے دُور رہیں) تو

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! ایسے کلمے تو بادشاہوں سے کہے جاتے ہیں۔ حالانکہ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں تو محمد بن عبداللہ ہوں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ وہ عرض گزار ہوئے کہ ہم آپ کا نام لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا: میں ابوالقاسم بھی ہوں۔ وہ عرض کرنے لگے: اے ابوالقاسم! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم آپ سے ایک چیز چھپا رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! ایسا تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن میں کاہنوں، اُن کی تصدیق کرنے والوں اور کہانت کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ اُن میں سے ایک شخص پوچھنے لگا: اس بات کی گواہی کون سی چیز دیتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے زمین کی جانب دستِ معجز نما بڑھایا، ایک مٹھی سنگریزے لیے اور فرمایا: یہ بے جان کنکریاں تک میری رسالت کی گواہی دے سکتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اُن سنگریزوں نے آپ کے دستِ اقدس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور یوں گویا ہوئے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اِس کے بعد وہ عرض گزار ہوئے کہ جو کلامِ الٰہی آپ پر نازل ہوتا ہے اُس میں سے کچھ ہمیں بھی سنائیے۔ آپ نے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا سورت پڑھنا شروع کی لیکن جب اِس ارشادِ باری پر پہنچے کہ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ تو آپ اِس درجہ بے حس و حرکت ہو گئے کہ جسم کی کوئی رگ بھی حرکت نہیں کر رہی تھی اور چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا، جس کے قطرے ریش مبارک کے اُوپر سے ڈھلکتے ہوئے متواتر ٹپک رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو روتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کیا جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اُسی کے خوف سے آپ رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں اُسی کے خوف سے رو رہا ہوں جس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اُس نے مجھے ایسے سیدھے راستے پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کے لیے بھیجا ہے، جو تلوار کی دھار کے مانند ہے۔ اگر میں ذرا بھی اِدھر اُدھر ہو جاؤں تو ہلاکت میں پڑ جاؤں گا، کیونکہ میرے مالک کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ۔[۱]

اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اِسے لے جاتے۔

---

[۱] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۶

خصائصِ مصطفیٰ

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصل دو سو انتالیس (۲۳۹) میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص بیان کرتے ہوئے ارشادِ نبوی اُعطِیتُ خمسًا کے اسرار پر بحث کرنے کے دوران تحریر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

۱- میں ہر سیاہ اور سُرخ (جملہ انسانوں) کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، حالانکہ مجھ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا۔

۲- ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔

۳- رُعب اور دبدبے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے، جو میرے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک کارفرما ہوتا ہے۔

۴- مالِ غنیمت میرے لیے حلال ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنیمت حلال نہیں قرار دی گئی۔

۵- مجھے شفاعت عطا فرمائی ہے جو مَیں نے اپنی اُمت کے لیے ذخیرے کے طور پر محفوظ رکھ چھوڑی ہے۔ اِس میں سے ہر اُس اُمتی کو حصّہ ملے گا جس نے خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے مبعوث فرمائے گئے ہیں، جسے امارت، ولایت اور رعایا دی جاتی ہے۔ حاکم کی مثال ایک بکریوں کے چرواہے کی مانند ہے، جو اپنی بکریوں کو موٹی تازی دیکھنے کے لیے چراگاہ میں چراتا ہے، اُنھیں صاف پانی پلاتا ہے، اُن کے لیے گرمی اور سردی سے بچاؤ کا بندوبست کرتا ہے، رات آنے سے پہلے روزانہ اُن کی جگہ کو صاف کر کے رہنے کے لیے تیار کرتا ہے، اُنھیں ہلاکت کے مقامات سے ہٹاتا، وبائی جگہوں سے بچاتا اور درندوں سے اُن کی حفاظت کرتا ہے،

اگر ایک بکری ریوڑ سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اُسے ہانک کر دوسری بکریوں میں لاتا ہے، لنگڑی بکری کا خیال رکھنا اور بیمار بکریوں کو دوائی کھلاتا ہے۔ دُودھ اور اُن کی پشم وغیرہ کو مالک کے لیے محفوظ رکھتا ہے مخلص ایسے ہی چرواہے کو کہتے ہیں اور ایسے ہی شخص کو اُس کی پُوری اُجرت دی جاتی ہے۔ وُہ چرواہا ریوڑ کے مالک سے بلحاظ اُس کی ملکیت کے اچھے سے اچھے معاوضے کا بجا طور پر اُمیدوار رہتا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کے چرواہے ہیں اور جُملہ مخلوق اُن کا ریوڑ۔ اِس ریوڑ کی حفاظت ہی کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے اُنھیں مبعوث فرمایا ہے شریعتِ مطہرہ اِس ریوڑ کے چرنے کی وادی ہے۔ کونسی چیز بکریاں کھائیں تو نفع پہنچائے گی اور کونسی نقصان دہ ہے؟ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا ہے اور ریوڑ کو صاف پانی کی جگہ پر لے جانا، اِس سے مراد علم کے چشمۂ صافی سے اُنھیں سیراب کرنا ہے۔ گرمی سردی سے بچاؤ کی تدبیروں سے مراد زندگی کی استعداد اور تندرستی ہے یعنی بڑھاپے سے پہلے قوتِ جوانی اور موت سے پہلے صحت یا مرض۔ رہنے کی جگہ تیار رکھنے سے مراد یہ ہے کہ فتنے جو رات کے اندھیرے کی طرح چھاتے ہیں، اُن سے محفوظ رہنے کے ذرائع اور امن و امان کی جگہ تلاش کرنا، جہاں آرام سے رہا جا سکے۔ اُنھیں ہلاکت کی جگہوں سے روکنے کا مطلب نفسانی خواہشات سے بچانا ہے کیونکہ خواہشات ہی ہلاکت کا سبب ہیں۔ وبا والی جگہوں سے بچانا یہ ہے کہ اُنھیں اِس قسم کی خوشیوں سے بچانا ہے جو دلوں میں سما جاتی ہیں اور اُن کے باعث اچھے بھلے دِل بیمار ہو جاتے ہیں۔ بھیڑنے والی بکری کی بھیڑیوں کے خوف سے حفاظت کرنا یہی ہے کہ لوگوں کو شیطان کے پھندوں میں پھنسنے سے بچاتے ہیں تاکہ وُہ لعین اِنھیں گناہوں میں ملوّث نہ کر دے اسی لیے لوگوں کو توبہ کی جانب متوجہ کرتے رہتے ہیں اور افسردہ دلوں کو تسلی دے کر اُن کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ بیمار بکری کی دوا دارُو کرنے سے مراد ہے کہ جو شخص شُترِ بے مُہار بنا ہُوا ہو اسے وعظ نصیحت کر کے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور پند و نصائح کے ذریعے اُن کو نفوس کے فتنوں سے نجات دلاتے ہیں۔ اُن کے بچوں کی بار برداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کو زیورِ تعلیم و ادب سے آراستہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ دُودھ اور پشم وغیرہ کو مالک کے لیے

محفوظ رکھنے کا یہ مفہوم ہے کہ لوگوں کے لیے وہ دعائیں مانگتے، استغفار کرتے اور اُن کے اعمال کی مقبولیت کے لیے دست بدعا رہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لحاظ سے مخلوق کے راعی اور حقیقت میں کائنات ارضی و سماوی کے سربراہِ مملکت اور فرمانروا ہیں، جو دُنیا والوں کو ادب سکھاتے، اُنھیں مشکل امور پر قابو پانے کے لیے اُبھارتے، استقامت کی راہ پر ادب کے کوڑے سے گامزن کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ خالقِ کائنات کے سامنے پیش ہونے کے قابل بن جائیں۔ ہر راعی کے پاس ایک عصا ہوتا ہے جس سے وہ اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہے اور اُنھیں ہانکتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا ذکر فرمایا ہے۔

ہر راعی کی مشقت اُس کی بکریوں کی تعداد کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر امیر کی ذمہ داریاں اُس کی رعایا کے افراد کی تعداد وغیرہ پر منحصر ہیں۔ جو ایک جماعت کا امیر بنایا جائے اُسے اُتنے ہی وسائل و اسباب کی ضرورت پیش آتی ہے جتنے اُس مختصر سی ولایت میں تصرف کرنے کے لیے ضروری اور کافی ہوں۔ یہ اسباب نوکر چاکر، مویشیوں، سواری کے جانوروں اور خزانوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور مملکت کی ضروریات کے مطابق، تاکہ اُنھیں اپنی امارت میں مناسب طور پر مصرف میں لائے جیسے صرف مجارستان کا امیر بنایا جائے، اُسے مذکورہ اشیاء میں سے بہت ہی تھوڑا حصہ ملے گا، لیکن جس کو خراسان کا والی بنا دیا جائے اُس کی ضروریات اور رعایا کے مطلوبہ لوازمات بہت زیادہ ہوں گے۔ جو امیر المومنین ہو اُس کی ضروریات والیِ خراسان سے بھی زیادہ ہوں گی، لیکن جس کی بادشاہی مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب (اور عرشِ معلّٰی سے تحت الثریٰ تک ہو) اُس کے لیے تو بہت ہی زیادہ خزانے درکار ہوں گے تاکہ وہ اپنی مملکت کا بخیر و خوبی انتظام و اہتمام کر سکے۔

ہر نبی کو اُس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ بارِ رسالت کے مطابق اُنھیں توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر عطا فرمائے گئے۔ پس جس رسول کو زمین کے ایک گوشے میں بسنے والی اُس کی قوم کی جانب بھیجا گیا، اُس کو نبوت کے معاون اسباب (معجزات وغیرہ) اور دیگر خزانوں سے اُس کی ذمہ داریوں اور رعایا کی تعداد کے مطابق حصہ ملا۔ لیکن جس کو زمین پر

بسنے والی ساری مخلوق کی جانب بھیجا گیا ہو، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، وہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو علوم و معرفت سے اتنا ہی وافر حصہ ملا، جس طرح آپ کی بعثت عالمگیر ہے، تاکہ اپنی ساری رعیت کا بندوبست کر سکیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (میں ہر سرخ و سیاہ کی جانب مبعوث ہوا ہوں) اور اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً	نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر تمام لوگوں کیلئے
لِلنَّاسِ كحظه من ولاية ملك	رسول بنا کر۔ اسی کے مطابق جیسا کہ ملک
يملك الدنيا وجواهر شرقها	کی ولایت میں آپ کا حصہ ہے کہ آپ شرق
وغربها وما بينهما ومن	و مغرب اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے،
ملك الارض كلها ملك	اُن سب چیزوں کے مالک ہیں۔ کیونکہ جو
جواهرها ومعادنها۔	ساری زمین کا مالک ہے وہی اُس کے
(ص ۶۳)	جواہرات اور معادن کا مالک ہے۔

لیکن جس کو زمین کے ایک کونے کا مالک بنایا گیا ہے وہ اُسی کونے کے جواہرات کا مالک ہو سکتا ہے۔ اسی لیے تو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ (میں جامع کلمات دیا گیا ہوں) اور اسی لیے آپ کی کتاب دیگر تمام کتب کی جامع ہے۔ قرآن کریم مضامین کے لحاظ سے توریت، انجیل، زبور اور فرقان پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ طوال مفصل اس اُمت کے لیے بصورتِ نافلہ خصوصی انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عربی زبان میں وحی نازل فرمائی جو سب زبانوں پر غالب ہے کیونکہ اہلِ جنت کی زبان یہی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ بنی آدم کے لیے رسول ہیں تو یقیناً آپ کو خزانے بھی اتنے عطا فرمائے گئے ہیں، جو تمام لوگوں کے لیے کافی ہوں اور حکمت بھی اُس کے جواہر سمیت آپ کو مرحمت فرمائی گئی ہے۔ آپ کو ختم رسالت اور رُعب دیا گیا۔ مختصر اور جامع کلام کا آپ کو علم عطا فرمایا۔ وہ توریت جس کو ستّر طاقت ور اونٹ اُٹھاتے تھے۔ اُسی کے ساتھ زبور اور انجیل بھی قرآن کریم میں جمع کر دی گئیں اور فرقانِ مجید کو سورۂ فاتحہ میں جمع کر دیا گیا، اسی لیے اس کا

نام اُمُّ الکتاب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ○ [1]	بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور اسے مثانی اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں جمع فرمایا ہوا ہے۔ لوگوں کی ضرورت معلومہ اور اُن کی احتیاج کے مطابق اللہ تعالیٰ اُن میں سے اپنے ہر رسول پر نازل فرماتا رہا لیکن سورۂ فاتحہ کو اُن سب سے مستثنیٰ کر لیا اور اسے اُمتِ مرحومہ کے لیے محفوظ رکھا۔ کیونکہ توریت، زبور، انجیل اور فرقان کے تمام علوم اسی اُمُّ القرآن سے نکلے ہیں۔ قرآنِ کریم اپنی اسی اصل سے مستخرج ہے اور باقی تمام کتابیں قرآنِ مجید سے ہی نکلی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں توریت کی جگہ سبع طوال، انجیل کی جگہ مثانی، زبور کی جگہ مئین دیا گیا ہوں اور مفصّل کے ساتھ مجھے فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ لیکن روزِ روشن کی طرح ان واضح حقائق کے باوجود:

فمن عمی قلبه عن الله تعالیٰ ولم یکن فی قلبه نور الهدایة لم یبصر اٰثار النبوة علیٰ محمد صلی الله علیه وسلم وانما یبصر منه شخصه و جسمه۔ (ص۲۲۷)	جس کا دل اللہ تعالیٰ کی جانب سے اندھا ہو جاتا ہے اور اُس میں نورِ ہدایت کا قحط پڑ گیا ہو، تو ایسا شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے آثار نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ آپ کی ظاہری شخصیت اور جسم وغیرہ کو دیکھتا ہے [2]

باری تعالیٰ شانہٗ نے اِس حقیقت کو یُوں واضح فرمایا ہے:

---

[1] پ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۸۷

[2] اِسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: ؎

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے، کیا دیکھے؟

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ [1] اور تو اُنھیں دیکھے کہ وُہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور اُنھیں کچھ بھی نہیں سُوجھتا۔

جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نُور کی جانب ہدایت فرمائی ہو اور اُس کی قلبی آنکھیں کُھلی ہُوئی ہوں اور اُن میں معرفت قرار پکڑ چکی ہو تو اُس کے ذریعے وُہ آپ کی نبوّت کے آثار کو واضح طور پر دیکھ لے گا جو حیات، ذکاوت، بیداری، اطاعت، سرعت، سبقت، چشم پوشی، کرم، وسعت، سخاوت، حیا، مسکنت، وقار اور حلم کے ساتھ مزیّن دیکھے گا اور اعمال میں مسواک، حجامت، خوشبُو اور جماع وغیرہ میں ایسی معرفت رکھنے والا نبوّت پر رسالت کو بلند دیکھے گا اور یہ خصوصیت اُن حضرات کو شانِ جلال، صاحبِ حُسن و جمال، پاکیزگی، شیریں کلامی، خُوب صورتی، ملاحت، ہیبت اور دبدبہ و سلطنت کے باعث حاصل ہے اور اِن جملہ صفاتِ عالیہ کی اصل یقین، محبّت اور حیات سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی معرفت سے اہلِ ایمان صرف اسی قدر حاصل کر سکتے ہیں جتنی اُنھیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جس نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی آپ کی مصاحبت میں رہ کر تصدیق کی، تو ایسی تصدیق کو محض معرفت کی بناء پر سمجھنا چاہیئے اور جس کسی کو آپ کی ذاتِ گرامی کا علم ہوتا ہے اُسی کے مطابق ظاہری آنکھ کے آئینے میں دیکھ سکتا ہے، جیسا کہ خصائل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے نُور سے وُہی شخص زیادہ حصّہ لے سکتا ہے جسے سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت زیادہ حاصل ہوتی ہے اور آپ کی قدر و منزلت، بزرگی اور ذاتِ مقدّس کا علم اُسی کو زیادہ میسّر آئے گا جو آپ کے ارشادات کو ماننے والا اور اپنی جان و مال کو آپ پر قربان کر دینے والا ہو۔

کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا بھید ظاہر کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو اُنھوں نے فوراً اس بات کی تصدیق کی اور تردّد یا تامّل اُن کے نزدیک بھی نہ پھٹک سکا اور نہ

---

[1] پ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۹۸

کسی قسم کی بے قراری کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اُن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے کے لیے کہا تو میں عرض گزار ہوا کہ پہلے اپنے والدِ محترم سے اجازت حاصل کرلوں۔ تھوڑی دیر میں وہ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے اور آپ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کر لیا اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس واقعے کے کچھ عرصہ بعد تصدیق کی۔ اُنتالیس ۳۹ اشخاص کے اسلام قبول کر لینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رات دُعا کی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے ایک کو مسلمان کر کے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ اگلے روز صبح کے وقت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دُعا اللہ تعالیٰ کے دشمن ابُوجہل سے گزر کر محبِّ خدا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدر سے ٹکرائی اور یہ سعادت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّے میں آ گئی جبکہ ابُوجہل بدبخت کا بدبخت ہی رہ گیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کر لینے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ۴۰ ہوگئی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت بخشی ہے اور آپ کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ہر نبی کے لیے ایک وزیر مقرر فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار وزیر بنائے، یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو رسالت کے وزیر ہیں اور عثمانِ غنی و علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبوت کے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہر وزیر کو خصوصی کمالات سے نوازا یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّے میں عصمت و علم اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حقانیت و ولایت اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّے میں نُور و حیاء اور مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّے میں حُرمت و خُلّت آئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصاحبت اور آپ کی سیرتِ مقدسہ سے اِن حضرات نے اپنے اپنے طبعی خواص کے مطابق کسبِ فیض کیا، اِسی وجہ سے اُن کی خصوصیات میں تفاوت ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ اِس دُنیا سے اپنے مالکِ حقیقی کی جانب کُوچ کرنے کا وقت قریب ہے اور آپ بیمار ہوئے یہاں تک کہ نماز

ادا کرنے کے لیے مسجد نبوی میں جانا مشکل ہو گیا تاکہ اپنی اُمت کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اُمتِ محمدیہ نے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ کا اِس اُمت پر یہ بھی احسان ہُوا کہ وفات کے روز آپ کے مرض میں تخفیف ہو گئی۔ آپ حُجرے سے باہر تشریف لائے جبکہ مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے قدم مبارک گھسٹتے جا رہے تھے۔ آخر کار آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے اور نماز ادا کی تاکہ سب مسلمانوں کو آپ کے فعل سے یہ واضح ہو جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت سے اللہ کا رسول خوش ہے اور کسی مخالف کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا، یا بیہوشی کی حالت میں ایسا فرما دیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے امامتِ صدیقِ اکبر پر مسلمانوں کو متفق کرنے کی خاطر اپنے حبیب کے مرض میں تخفیف فرمائی تاکہ وہ مسجد نبوی میں پہنچ سکیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کو بحال رکھتے ہُوئے اُن کے پہلو میں جلوہ گر ہوں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا چکے تو آپ نے باقی نماز ادا کی۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل میں بڑی طویل بحث کی ہے اور اُس کے بعد لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مَیں ہدیہ کرنے والے کی جانب سے رحمت ہُوں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہیں اور آپ سے پہلے تمام رسول اپنی اُمتوں پر حُجت اور عطیہ تھے۔ ہدیہ کو عطیہ کی مانند نہیں سمجھنا چاہیے۔ جس نے عطیہ کو قبول کیا اُس کے لیے برکت ہے اور جس نے قبول نہ کیا اُس پر حُجت قائم ہو گئی، جس کے باعث وُہ عنقریب عذاب دیا جائے گا۔ ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عطیہ بھی ہیں اور ہدیہ بھی۔ جس نے آپ کو ہدیہ اور عطیہ دونوں لحاظ سے قبول کیا وُہ سعادت مند اور ہدایت یافتہ ہُوا۔ وُہ دو مردوں پر سبقت لے گیا اور مقربِ بارگاہِ الٰہیہ ہو گیا لیکن جس شخص نے آپ کو عطیہ کے طور پر تو قبول کیا مگر ہدیہ کے لحاظ سے تسلیم نہ کیا، وُہ نیک بخت تو ہے لیکن اُسے ہدایت کا پھل نہیں ملے گا۔ وہ نیک بختی کے باعث نجات پا جائے گا اور جس نے آپ کا انکار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا اور جحود کیا، اُس کا حصّہ نیک بختی سے صرف

اِتنا ہی ہے کہ وہ پہلی اُمتوں کے عام عذاب سے تو دنیا میں نجات پائے گا لیکن آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ہدیہ اور عطیہ دونوں کے بطور قبول کیا، اللہ تعالیٰ اُسے دُوسرے لوگوں پر فضیلت دیتا ہے۔ جس نے آپ کو عطیہ کے بطور قبول کیا اُسے انابت اور عاجزی کے باعث راہِ ہدایت دکھائے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ — اللہ اپنے قُرب کے لیے چُن لیتا ہے، جسے چاہے

وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝[1] — اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اُسے جو رجوع لائے۔

عطیہ رحمت سے ہے اور ہدیہ محبت سے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تنگی اور کمزوری کی حالت میں دیکھ کر اُس پر نظرِ رحمت رکھے، اُسے تقویت پہنچائے اور اُس کی کمزوری کو دُور کر دے تو یہ عطیہ اور رحمت ہے لیکن وُہ اُس سے محبت کرے اور اُسے خلعت اور سواری وغیرہ سے نوازے تو اِس طرح اُس کے دِل کو اپنی جانب مائل کرلے گا۔ اِسے ہدیہ کہتے ہیں کیونکہ اِس کے ذریعے دِل مائل ہو جاتا ہے۔

پس انبیاء و مرسلین ہمارے رب کی جانب سے جو مخلوق کی رہنمائی کیلیے بھیجے جاتے ہیں وہ عطیہ ہیں۔ جنھیں اپنی رحمت سے مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا اور اُن کے ذریعے کفر کی سختی کو دُور فرمایا اور اُن کی بدحالی کو دُور کیا۔ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عطیہ اور ہدیہ بنا کر بھیجے گئے۔ ایمان اور اسلام کو عطیہ میں اور اُن کی حکمت کو ہدیہ میں رکھا گیا۔ اِسی سلسلے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں، اُنھیں میں سے
رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ	ایک رسول بھیجا کہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتے ہیں
وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ	اور اُنھیں پاک کرتے ہیں اور اُنھیں کتاب اور
الْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ	حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے
لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝[2]	ضرور کھُلی گمراہی میں تھے۔

---

[1] پ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۳ [2] پ ۲۸، سورۃ الجمعۃ، آیت ۲

پس ایمان اور اسلام کی حکمت اِس اُمت کے لیے ہدیہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاص الخاص بعثت کے باعث اِس اُمت کو باقی اُمتوں پر فضیلت دیتا ہے[1] اور:

والہدیۃ کنوز المعرفۃ من	ہدیہ تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے معرفت کا خزانہ ہے
خزائن السبحان احتظی بہا	جس کے باعث اِس اُمت کی حفاظت فرمائی گئی
ھٰذہ الامۃ حتی صاردا	ہے یہاں تک کہ وہ توریت میں صفوۃ الرحمٰن
موصوفین فی التوراۃ صفوۃ	کے نام سے موصوف ہوئے اور انجیل میں
الرحمٰن و فی انجیل حکماً	انھیں حکماء، علماء، ابرار اور اتقیاء کہا گیا۔
علماء ابرار اتقیاء کانہم	دین کی سمجھ بوجھ میں یہ لوگ گویا انبیاء کرام کی طرح
من الفقہ انبیاء۔ (ص۶۶)	ہوتے ہیں۔

اِسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ ۔[2] اللہ ہی کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اعطیت امۃ من الیقین ما	جس قدر یقین کی دولت سے میری اُمت کو مالامال
اعطیت امتی فانما صیر محمداً	فرمایا گیا ہے اتنا یقین اور کسی اُمت کو نہیں ملا۔
صلی اللہ علیہ وسلم رسولاً	اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو
لنا یہدینا الی اعالی درجات	ہماری جانب مبعوث فرمایا تاکہ اُن کی ہدایات و
الدنیا عبودۃ لتکون غداً فی اعالی	رہنمائی میں ہم دنیا کے اعلیٰ درجے حاصل کریں اور اظہار
درجات الجنۃ یا لقرب من	عبودیت کے باعث کل قیامت میں جنت کے اعلیٰ

---

[1] کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا — خاک کے ذرّوں کو ہم دوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر ہو گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا — اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا (ہری چند اختر)

[2] پ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳،

رسولنا لتقر عينه صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ (صلہ) | درجے اور اپنے آقا کا قرب حاصل کر سکیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوں۔

فخرِ آدم و بنی آدم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (میری رُعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے) رُعب اصل میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور جلال ہے جو دوزخ کے دروازے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باری تعالیٰ شانہٗ نے رُعب کے ساتھ اِس طرح مدد فرمائی کہ آپ کو ایسا لشکر عطا کیا جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، دیگر کسی رسول کو ایسا رُعب نہیں دیا گیا۔[۱] چنانچہ:

ذالك فكان صلی اللہ علیہ وسلم اينما ذكر من مسيرة شهر وقع ذالك الرعب في قلب عدوه فذل بمكانه۔ (صلہ) | رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جہاں بھی ایک ماہ کی مسافت تک ذکر چھڑ جاتا، تو دشمن کے دل میں آپ کا رُعب سما جاتا اور اس کے باعث وُہ اپنی جگہ پر ہی پھسل کر رہ جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ (میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے) مالِ غنیمت پلید ہوتا ہے کیونکہ یہ دشمن سے لیا جاتا ہے اور دشمن کی جملہ املاک پلید ہیں۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھیوں کے زیورات کا قرآنِ کریم میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔[۲] بوجھ اُس قوم کے گہنے (زیور) کے۔

زینتِ قوم کو اُس کی نجاست اور پلیدی کے باعث اوزار کہا گیا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب یعنی آپ کی اُمت کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے غنائم کو حلال فرما دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔[۳] تو کھاؤ، جو غنیمت تمہیں ملی، حلال پاکیزہ۔

وصلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وصحبہٖ وسلم

---

[۱] سے اصنام اوندھے منہ گرے سُنتے ہی جاء الحق
پتھر کو موم کرتی ہے ہیبت رسول کی
(مفتی ریاض الحسن نیر)

[۲] پ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۸۷

[۳] پ ۱۰، سورۃ الانفال، آیت ۶۹

حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرمودات گرامی

رحمتِ دوعالم

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۳۰ھ) اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی فصل اوّل میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ [1] — اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

بایں وجہ آپ کے دشمن بھی اُس وقت تک عذاب سے محفوظ رہے جب تک اُن میں آپ کی جلوہ گری رہی کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام معجز نظام میں یہ وعدہ فرما لیا تھا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ [2] — اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم اُن میں تشریف فرما ہو۔

باوجود اس کے کہ آپ کے دشمن عذاب کے نزول کی فرمائش کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب نہیں بھیجا کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ہم بیکسوں کے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بنایا ہے لیکن جب آپ اُنھیں چھوڑ کر مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو کفار پر عذاب بھیج دیا گیا یعنی کوئی قتل ہوا اور کسی کو قید کیا گیا۔ چنانچہ اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے:

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ○ [3] — تو اگر ہم تمھیں لے جائیں، تو اُن سے ہم ضرور بدلہ لیں گے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سب جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث

---

[1] پ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷ — [2] پ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۳۳

[3] پ ۲۵، سورۂ الزخرف، آیت ۴۱

فرمایا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا گیا ہُوں۔ پھر اپنی ہی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گزارش پیش کی گئی کہ یا رسول اللہ! آپ مشرکین کی تباہی اور بربادی کے لیے دُعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے، عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

شانِ مصطفیٰ

حافظ ابُونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت اِسی سے عیاں ہے کہ خود اللہ رب العزت نے آپ کے منصبِ رفیع اور ظاہری و باطنی عظمت کی خبر دی ہے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے قرآنِ کریم میں آپ کے اسمِ مبارک کے ساتھ کسی جگہ خطاب نہیں فرمایا[1]، بلکہ خبر بھی دی ہے تو کنایۃً اور وہ بھی نبوت و رسالت کے ساتھ۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا فخر ہو سکتا ہے اور اِس سے ارفع و اعظم اور زیادہ باعزت مقام اور کونسا ہے؟ حالانکہ دیگر انبیائے کرام اور اُن کی قوموں کو نام لے کر مخاطب کیا گیا اور اُن کے منصب کا ذکر بھی کنایۃً نہیں کیا کیونکہ کنایہ اعلیٰ ترین منصب پر دلالت کرتا ہے، ہاں جس مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مذکور ہوں تو خطاب و خبر میں مشارکت کے باعث وہاں سب کا ذکر کنایہ کے طور پر کیا گیا، لیکن جب علیحدہ اُن کا ذکر ہُوا تو نام لے کر۔

جب کسی بزرگ یا معظّم مخاطب کو نام لے کر نہ پکارا جائے بلکہ کنایۃً اُس سے خطاب کیا جائے تو اِس میں اُس بزرگ کی غایت درجہ تعظیم ہے کیونکہ جو تعظیم کے غایت درجے پر پہنچا ہُوا ہو اُسی کے نام سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر وُہ بادشاہ ہے تو یَا اَیُّھَا الْمَلِكُ کہا جاتا ہے۔ اگر امیر ہے تو یَا اَیُّھَا الْاَمِیْرُ کہا جائے گا۔ اگر خلیفہ ہو تو یَا اَیُّھَا الْخَلِیْفَۃُ سے مخاطب کیا جائے گا، اگر وُہ عالمِ دین ہے تو اُسے اَیُّھَا الْحِبْرُ ـــــ اَیُّھَا الْقِسُّ ـــ اَیُّھَا الْعَالِمُ۔

---

[1] ؎ یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب
یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ خطابِ محمّد است (جامی)

اَیُّھَا الْفَقِیْہُ کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے اور چونکہ آخری رُتبے اور فضیلتِ عُلیہ تک پہنچایا ہے، اِسی لیے خالق و مالک ہونے کے باوجود آپ کو یُوں مخاطب فرمایا: یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ـــــ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰہُ ـــــ یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ـــــ یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ـــــ کتنی ہی آیات ہیں اِسی طرح خطاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السّلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السّلام کو اُن کا نام لے کر مخاطب کیا گیا ہے اور اِسی طرح اُن کے متعلق خبر دیتے وقت، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ لہ	اے آدم! تُو اور تیری بی بی اِس جنت میں رہو۔

حضرت آدم علیہ السّلام کی خبر دیتے ہُوئے ارشاد فرمایا:

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ٥ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰی ٥ لہ	اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہُوئی تو جو مطلب چاہا تھا اُس کی راہ نہ پائی۔ پھر اُسے اُس کے رب نے چُن لیا تو اُس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قُربِ خاص کی راہ دکھائی۔

حضرت نوح علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے یُوں مخاطب کیا:

یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ لہ	فرمایا گیا: اے نوح! کشتی سے اُتر ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ۔

نیز حضرت نُوح علیہ السلام کے بارے میں یُوں خبر دی گئی:

وَنَادٰی نُوْحُ اِۨبْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ	اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اُس سے کنارے تھا اے میرے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا

لہ پ ۱، سُورۃ البقرہ، آیت ۳۵ — لہ پ ۱۶، سُورۃ طٰہٰ، آیت ۱۲۱، ۱۲۲

لہ پ ۱۲، سُورۃ ہود، آیت ۴۸

الْکٰفِرِیْنَ ۝ [1] — اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باری تعالیٰ شانہٗ نے یُوں مخاطب فرمایا:

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ [2] — اے ابراہیم! اِس خیال میں نہ پڑ۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے خانۂ کعبہ کو تعمیر کرنے کا یُوں ذکر فرمایا:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ۔ [3] — وہ اُٹھاتا تھا ابراہیم اِس کی نیویں اور اسمٰعیل۔

اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یُوں مخاطب کیا:

یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ۔ [4] — اے مُوسیٰ! میں نے تجھے لوگوں سے چُن لیا، اپنی رسالت اور اپنے کلام سے۔

اور اُن کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہُوئے، یُوں اُن کا اسمِ گرامی مذکور ہُوا:

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ [5] — پس موسیٰ نے اُس کو گھونسا مارا، تو اُس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت عیسٰی رُوح اللہ، علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یُوں مخاطب فرمایا:

یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ۔ [6] — اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میرا احسان اپنے اُوپر۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم کو مخاطب کرنے کے ایک واقعے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ [7] — اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہُوں۔

---

[1] پ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۴۲

[2] پ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۷۶

[3] پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۷

[4] پ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۴۴

[5] پ ۲۰، سورۂ القصص، آیت ۱۵

[6] پ ۷، سورۂ المائدہ، آیت ۱۱۰

[7] پ ۲۸، سورۂ الصف، آیت ۶

اور اسی طرح دُوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو باری تعالیٰ شانہٗ نے اُن کا نام لے کر مخاطب فرمایا مثلاً یَاھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَۃٍ[1] ـــــ یَاصَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا[2] ـــــ یَادَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً[3] ـــــ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ[4] ـــــ یَازَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اِسْمُہٗ یَحْیٰی[5] ـــــ یَایَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ[6]

باقی جملہ انبیائے کرام کو اللہ ربُّ العزت نے اُن کا نام لے کر مخاطب کیا لیکن جتنے مقامات پر بھی اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہے اُن میں صرف چار مقامات ایسے ہیں جن میں آپ کا نام لیا گیا لیکن ساتھ ہی وصفِ رسالت بھی بیان فرما دیا مثلاً:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ط[7] — اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ اُن سے پہلے اور رسول ہو چکے۔

دُوسرے مقام پر آپ کا ذکر، فضائلِ مصطفیٰ اور مناقبِ صحابۂ کرام کے ساتھ یُوں فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ[8] — محمد اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ تو اُنھیں دیکھے گا رکوع کرتے اور سجدے میں گرتے اللہ کا فضل اور رضا چاہتے۔ اِن کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔ یہ اُن کی صفت توریت میں ہے اور اُن کی صفت انجیل میں۔

---

[1] پ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۵۳ — [2] پ ۸، سورۂ الاعراف، آیت ۷۷

[3] پ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۲۶ — [4] پ ۲۳، سورۂ صٓ، آیت ۳۴

[5] پ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۷ — [6] پ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۱۲

[7] پ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۴۴ — [8] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۲۹

تیسرے مقام پر آپ کے نبی آخر الزماں ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے یوں آپ کا اسمِ گرامی مذکور ہوا:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ — محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں،

رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ — ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں

خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ [۱] — پچھلے۔

چوتھے مقام پر آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے اور قرآن کریم کی حقانیت کا اعلان کرتے ہوئے یوں ذکر فرمایا:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ — اور اُس پر ایمان لائے، جو محمد پر اتارا گیا اور

وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ [۲] — وُہی اُن کے رب کے پاس سے حق ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں آپ کا اسمِ گرامی مذکور ہونے میں یہ حکمت ہے، تاکہ آپ کا ہر منکر و مخالف بھی جان لے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشادات اور اُن کی کتاب برحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ علاوہ بریں وُہ لوگ آپ کو محمد کے علاوہ اور کسی نام سے جانتے نہ تھے۔ اگر قرآن کریم میں آپ کا اسمِ گرامی مذکور نہ ہوتا تو کتاب سے آپ کا نام معلوم نہ کیا جا سکتا، جیسے جن انبیائے کرام کے اسمائے گرامی قرآنِ مجید میں مذکور ہوگئے وُہ اب بھی متعارف ہیں (دُوسروں کے اسمائے گرامی تک معلوم نہیں)۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسمِ گرامی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ذکر فرمایا ہے، یہ آپ کے فضائل و کمالات اور وقار و شرف کو اور بڑھاتا ہے کیونکہ آپ کا یہ اسمِ گرامی اللہ تعالیٰ کے نام سے مشتق ہے جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے:

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ [۳]
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٗ
(حضرت حسان رضی اللہ عنہ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا یکجا ذکر فرمایا تو حضرت

---

[۱] پ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۰ [۲] پ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۲

[۳] ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیا (نکالا ہے)، تاکہ آپ کو یہ شرف حاصل ہو، کیونکہ عرش کا مالک محمود ہے اور ان کا اسمِ گرامی محمد رکھا۔ (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ابراہیم خلیل اللہ کا نام لیا لیکن اپنے حبیب کا نبوت کے کنایہ سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے :

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ	بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ
لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ	حقدار وہ تھے، جو اُن کے پیرو ہوئے اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ [۱]	یہ نبی اور ایمان والے۔

اِس طرح ذکر فرمانے سے باری تعالیٰ شانہٗ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالتِ شان، رفعت، مرتبے کی فضیلت اور عظمت کتنی ہے۔ جملہ انبیائے کرام آپ سے پہلے مبعوث ہوئے لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ اُن کا ذکر فرمایا تو آپ کے اسمِ گرامی کو مقدم رکھا مثلاً :

اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى	بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی
نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ	جیسے وحی نوح اور اُس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور
وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ	اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور
وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ	ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد
وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ [۲]	(علیہم السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

قرآنِ کریم میں دُوسرے مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ یُوں ذکر فرمایا ہے :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ	اور اے محبوب! یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے
وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ [۳]	عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے ۔

حافظ ابُو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابُو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت کی تفسیر و وضاحت کرتے ہوئے

---

[۱] پ ۳ ، سورۂ آلِ عمران ، آیت ۶۸   [۲] پ ۶ ، سورۂ النساء ، آیت ۶۳

[۳] پ ۲۱ ، سورۂ الاحزاب ، آیت ۷

فرمایا کہ میں پیدائش کے لحاظ سے جملہ انبیائے کرام سے اوّل اور بلحاظ بعثت سب میں آخری ہوں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آداب سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگوں کو آپ کا نام لے کر خطاب کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے حالانکہ باقی اُمتوں کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ لوگ اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کو نام لے کر مخاطب کیا کرتے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا گیا:

یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰـهًا كَمَا	اے موسیٰ! ہمیں ایک خدا بنا دے جیسے
لَهُمْ اٰلِـهَةٌ ط۔ [1]	ان کے اتنے خدا ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم یوں مخاطب ہوتی ہے:

یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ	اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا
رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً	کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک
مِّنَ السَّمَآءِ۔ [2]	خوان اتارے۔

حضرت ہود علیہ السلام کو اُن کی قوم نے ایک مرتبہ یوں مخاطب کیا تھا:

یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا	اے ہود! تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے
نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ	اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے
قَوْلِكَ۔ [3]	کے نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام سے اُن کی قوم یوں مخاطب ہوئی تھی:

یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ۔ [4]	اے صالح! ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو۔

لیکن اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ	رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو

---

[1] پ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۳۸
[2] پ ۷، سورۂ المائدہ، آیت ۱۱۲
[3] پ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۵۳
[4] پ ۸، سورۂ الاعراف، آیت ۷۷

كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔ ؎ ۱ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس جانب راغب کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے ساتھ منسوب کرکے پکارا کریں یعنی یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ کہا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب رفیع کو دکھانے، عظمت و شرف دینے کے لیے، اس فضیلت کے ساتھ تمام انبیاء و مرسلین سے آپ کو مخصوص فرمایا تھا (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام)

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ کی تفسیر میں فرمایا کہ شروع ایام میں لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یَا مُحَمَّدُ —— یَا اَبَا الْقَاسِمِ کہہ کر مخاطب کر لیا کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا سکہ بٹھانے کی خاطر اس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع فرما دیا اُن کا بیان ہے کہ اس کے بعد لوگوں نے یَا نَبِیَّ اللّٰہِ —— یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ القاب سے مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی ہی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ مذکورہ آیت لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ (الآیہ) میں اس بات کی ممانعت فرمائی گئی ہے، جو بعض لوگ دور سے چلا کر کہا کرتے تھے یَا اَبَا الْقَاسِمِ۔ لیکن نزدیک ہو کر اور آہستہ آواز میں کہنے سے منع نہیں فرمایا گیا، جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے رفع صوت کے بارے میں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ	بیشک وہ لوگ جو اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	کے پاس، یہ وہ ہیں، جن کا دل اللہ نے
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ	پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لیے
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ ؎ ۲	بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

؎ ۱ پ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۶۳ ؎ ۲ پ ۲۶، سورہ الحجرات، آیت ۳

حافظ ابو نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت و خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اجلال واکرام کی خاطر بر اہتمام فرمایا کہ انبیائے ماسبق کے اُمتی جس طرح اپنے نبیوں کو مخاطب کر لیا کرتے تھے آپ کو اِس بارے میں اُن سے جُدا کر دیا گیا۔ یعنی اگلی اُمتوں میں لوگ اپنے اپنے نبی سے رَاعِنَا سَمْعَكَ کہا کرتے تھے یعنی مزید رعایت فرمائیے تاکہ ہم آپ کی بات سُن سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِس طرح مخاطب کرنے سے اُمتِ مرحومہ کو منع فرما دیا، جس میں توہین و تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہو اُنھیں ایسا راستہ اختیار کرنے ہی سے روک دیا گیا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝[1]

اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو اور یُوں عرض کرو کہ حضور! ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سُنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حافظ اَبُو نعیم علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رَاعِنَا لفظ یہود کی زبان میں گالی ہے لہٰذا اِس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم فرمایا گیا جس سے مراد ہے کہ ہمیں پھر سُنائیے اور ہمارے اُوپر نظرِ کرم فرمائیے۔ اِس ممانعت کے بعد جب صحابۂ کرام نے یہ طے کر لیا کہ آئندہ جس کی زبان سے رَاعِنَا کا لفظ برائے مخاطبہ سُنو، تو فوراً اُس کی گردن اُڑا دی جائے۔ یہود کو معلوم ہُوا تو اُنھوں نے یہ لفظ استعمال کرنا ہی چھوڑ دیا۔

معاندین سے دفاع

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ دو جہاں، سائرِ لامکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر اُن کی تکذیب کرنے والوں نے بیوقوفی، گمراہی اور جھوٹ جیسے عیوب کی تہمت بھی لگائی تھی اور اُن کے جواب میں

---

[1] پ ۱، سورۃ البقرہ، آیت ۱۰۴

انبیائے کرام اپنی صفائی پیش فرمایا کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لگائے جانے والے الزامات کے جواب دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام پر تہمت لگائی تھی کہ :

اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝[1] بیشک ہم تمھیں کُھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اس الزام کا اُنھیں یہ جواب دیا :

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ ...[2] اے میری قوم ! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔

لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام پر یُوں زبانِ طعن و تشنیع دراز کی :

اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ سَفَاهَةٍ ....[3] بیشک ہم تمھیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔

آپ نے اس عیب کی اپنے ذات میں ہونے سے یُوں نفی فرمائی :

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ ....[4] اے میری قوم ! مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ!

فرعون جیسے متکبّر اور بدبخت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر یُوں الزام تراشی کی :

اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا۝[5] اے موسیٰ ! میرے خیال میں تم پر جادو ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ظالم بادشاہ کو برملا یُوں جواب دیا کہ وُہ بوکھلا اُٹھا یعنی :

اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا[6] میرے گمان میں تو اے فرعون ! تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عظمت و شرف کے باعث لگائے گئے الزامات کا جواب دینے سے بے نیاز کر دیا تھا، مثلاً باری تعالیٰ شانہ، نے اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے :

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ[7] تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

---

[1] پ ۸ ، سورۂ الاعراف ، آیت ۶۰

[2] پ ۸ ، سورۂ الاعراف ، آیت ۶۱

[3] پ ۸ ، سورۂ الاعراف ، آیت ۶۶

[4] پ ۸ ، سورۂ الاعراف ، آیت ۶۷

[5] پ ۱۵ ، سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۱۰۱

[6] پ ۱۵ ، سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۱۰۲

[7] پ ۲۹ ، سورۂ القلم ، آیت ۲

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۠ اور ہم نے اِن کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وُہ اِن کی شان کے لائق ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ۠ تمہارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔

یعنی سحر، کہانت اور جنون کے ساتھ کفار نے آپ کو مُتہم کیا تو باری تعالیٰ شانہٗ نے یُوں دفاع فرمایا:

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ تو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ۔ ۳؎ اور اُس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے۔

اور کفار جو مذاق اُڑاتے تھے اُس کو اللہ رب العزّت نے پہلے یُوں بیان فرمایا:

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتا دیں، جو تمہیں خبر دے

اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ کہ جب تم پُرزہ ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ،

لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۔ ۴؎ تو پھر تمہیں نیا بننا ہے۔

اِس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جانب سے یُوں دیا:

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ بلکہ وہ، جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، عذاب

فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۵؎ اور دُور کی گمراہی میں ہیں۔

خواہشات حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک یہ فضیلت بھی مرحمت فرمائی گئی کہ اپنے لاڈلے نبی، حضرت داؤد علیہ السّلام کو بھی حکم دیا کہ اپنی خواہش کا اتباع نہ کرنا۔ چنانچہ قرآن کریم میں وہ ارشادِ باری تعالیٰ بایں الفاظ موجود ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي اے داؤد! بیشک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا

الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ ۶؎ دے گی۔

۱؎ پ ۲۳، سورہ یٰس، آیت ۶۹ ۲؎ پ ۲۷، سورہ والنجم، آیت ۲

۳؎ پ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۱۷ ۴؎ پ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۷

۵؎ پ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۸ ۶؎ پ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۲۶

لیکن اپنے حبیب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں ستاروں کے ظاہر ہونے اور چھپنے کی قسم یاد فرما کر، قرآن کریم کے نزول اور اس کے مواقع کی قسم یاد فرمانے کے بعد، اِس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ میرا حبیب، نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اپنی خواہش سے کبھی لب کشا ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ [1]

اور وُہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی، جو اُنہیں کی جاتی ہے۔

اِس آیہ کریمہ میں داؤد علیہ السلام کے برعکس معاملہ ہے کیونکہ یہاں وضاحت فرما دی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی خواہش کو حکمِ الٰہی میں فنا کیے ہُوئے ہیں۔ خواہش اُن پر غالب آتی ہی نہیں۔

لغزش کا ذکر

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت بھی مرحمت فرمائی ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے حال کا ذکر فرمایا اور ماضی میں اُن سے جو کچھ سرزد ہُوا اُسے معاف فرما دیا گیا۔ چنانچہ مُوسٰی علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ کریم نے یُوں خبر دی ہے:

رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا۔ [2]

اے میرے رب! میں نے اُن میں ایک جان مار ڈالی ہے۔

اِس بارے میں مُوسٰی علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں یُوں اپنی گزارش پیش کی:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ۔ [3]

اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے، تو رب نے اُسے بخش دیا۔

اِسی آیۂ کریمہ سے معلوم ہُوا کہ مُوسٰی علیہ السلام نے اپنی غلطی کا ذکر کرکے معافی چاہی۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک واقعے کا ذکر فرمایا جبکہ اُن کی بارگاہ میں دو فرشتے جھگڑتے ہُوئے آئے اور

---

[1] پ ۲۷، سورۂ والنجم، آیت ۳، ۴

[2] پ ۲۰، سورۂ القصص، آیت ۳۳

[3] پ ۲۰، سورۂ القصص، آیت ۱۶

ایک نے کہا:

إِنَّ هٰذَآ أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ — بیشک یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانویں
نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۔[1] — دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے۔

تو داؤد علیہ السلام نے ایک فریق کی زیادتی اور حد سے بڑھنے کے بارے میں یوں فرمایا:

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ — داؤد نے فرمایا: بیشک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری
إِلٰى نِعَاجِهٖ ۖ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ — دُنبی اپنی دُنبیوں میں ملانے کو مانگتا ہے اور بیشک
الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[2] — اکثر ساجھے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔

جب داؤد علیہ السلام پر اس مکالمے کی حقیقت منکشف ہوئی تو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوئے:

وَظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ — اور داؤد سمجھ گیا کہ ہم نے یہ اُس کی جانچ کی تھی تو اپنے
رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ ۝ — رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع
فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۔[3] — لایا اور ہم نے اسے معاف فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کی لغزشوں کا ذکر کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغفرت کا مژدہ سُناتے وقت کسی لغزش کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ آپ کا انتہائی اکرام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ — تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے
ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۔[4] — اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

یہ فضیلت اور شرف کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

میثاقِ انبیاء

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] پ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۲۳
[2] پ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۲۴
[3] پ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۲۴، ۲۵
[4] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۲

کے فضائل سے یہ امر بھی ہے کہ:

اخذ اللہ المیثاق علی جمیع	اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے انبیا سے عہد لیا کہ جب
انبیاء ہ ان جاءھم رسول	نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے پاس
امنوا بہ ونصروہ فلم یکن	تشریف لائیں تو اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں۔
لیدرك احد منھم الرسول الا	اگر کوئی آپ کا زمانۂ اقدس پاتا تو اُس پر یہ واجب تھا
وجب علیہ الایمان بہ والنصرۃ	کہ آپ پر ایمان لاتا اور آپ کی مدد کرتا۔ اس
لہ لاخذ المیثاق منہ فجعلھم	وعدہ لینے سے اللہ تعالیٰ نے سارے انبیائے کرام کو
کلھم اتباعاً لہ یلزمھم	آپ کا تابعدار بنا دیا یعنی اگر وہ زمانے کے لحاظ سے
الانقیاد والطاعۃ لہ لوادرکوہ۔	آپ کو پا لیتے تو اُن پر آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت
(ص۳)	لازم ہو گئی تھی۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم
علیہ وسلم ومعی کتاب	صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے میرے ہاتھ میں
اصبتہ من بعض اھل	ایک کتاب تھی جو میں نے کسی اہلِ کتاب سے
الکتاب فقال صلی اللہ علیہ	لی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
وسلم والذی نفس محمد	قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے
بیدہ لو ان موسیٰ کان حیاً ما	اگر یہاں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اُنھیں
وسعہ الا ان یتبعنی (ص۳)	میرے اتباع کے سوا اور چارہ کار نہ ہوتا۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کسی شرط اور استثنا کے بغیر فرض ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت تمام لوگوں پر کسی شرط اور استثنا کے بغیر فرض فرمائی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ	اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں، وہ لو

وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ ؎۱ اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب میری اطاعت کا یا میری کتاب سے میرے حکم یا وحی کے مطابق تمہیں حکم فرمائیں تو اُس کی تعمیل کرنا بلکہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امر و نہی کو مطلقاً ساری مخلوق پر فرض ٹھہرا دیا، جس طرح وحیِ الٰہی کا ماننا اور اُس پر عمل کرنا فرض ہے۔ آپ کے حکم کو رد کرنے اور اُس میں مین میکھ نکالنے کا مجاز کوئی نہیں، نہ کوئی مناظرہ کر سکتا ہے نہ دلیل طلب کرنے کا مجاز ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم نے کہا تھا:

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً ؎۲ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے، جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں۔

نامِ خدا اور نامِ نبی کا اتصال

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اطاعت، معصیت، فرائض، احکام، وعدہ اور وعید وغیرہ کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا وہاں اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب کا نام یا منصب بھی متصلاً ذکر کیا۔ مندرجہ ذیل آیات بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ؎۳ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

۲۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ؎۴ حکم مانو اللہ اور اُس کے رسول کا اور سُن سُنا کر اُس سے نہ پھرو۔

۳۔ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اللہ و رسول کا حکم مانیں۔ یہ ہیں جن پر

؎۱ پ ۲۸، سورۂ الحشر، آیت ۷
؎۲ پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۵۵
؎۳ پ ۵، سورۂ النساء، آیت ۵۹
؎۴ پ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۲۰

أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۔[1] عنقریب اللہ رحم کرے گا۔

۴۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔[2] ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر یقین لائے (یعنی ایمان لائے)

۵۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ۔[3] اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔

۶۔ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔[4] اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اُس کے رسول کا۔

۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔[5] بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو۔

۸۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔[6] بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے

۹۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔[7] اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے

۱۰۔ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۔[8] اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بناؤ۔

---

[1] پ ۱۰ ، سورۂ التوبہ ، آیت ۷۱

[2] پ ۱۸ ، سورۂ النور ، آیت ۶۲

[3] پ ۹ ، سورۂ الانفال ، آیت ۲۴

[4] پ ۲۲ ، سورۂ الاحزاب ، آیت ۳۶

[5] پ ۲۲ ، سورۂ الاحزاب ، آیت ۵۷

[6] پ ۱۰ ، سورۂ التوبہ ، آیت پہلی

[7] پ ۱۰ ، سورۂ التوبہ ، آیت ۳

[8] پ ۱۰ ، سورۂ التوبہ ، آیت ۱۶

۱۱۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔[1] — کیا اُنھیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اُس کے رسول کا۔

۱۲۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ...[2] — وُہ کہ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں، اُن کا بدلہ یہی ہے کہ...

۱۳۔ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔[3] — اور اُس چیز کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے۔

۱۴۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ[4] — اور جو اللہ اور اُس کے رسول سے مخالفت کرے۔

۱۵۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ[5] — تم فرماؤ، غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔

۱۶۔ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ[6] — تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔

۱۷۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔[7] — اور کیا اچھا ہوتا، اگر وُہ اس پر راضی ہوتے، جو اللہ اور اُس کے رسول نے اُن کو دیا۔

---

[1] پ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۶۳
[2] پ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۳۳
[3] پ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۲۹
[4] پ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۱۳
[5] پ ۹، سورۂ الانفال، آیت پہلی
[6] پ ۵، سورۂ النساء، آیت ۵۹
[7] پ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۵۹

۱۸- وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ۔ [1] کہتے ہیں اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اُس کا رسول۔

۱۹- فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ [2] تو پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول کا ہے۔

۲۰- وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ [3] اور انھیں کیا بُرا لگا؟ یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

۲۱- وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ [4] اور وہ بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اُسکے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔

۲۲- اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ [5] جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اُسے نعمت دی۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کو ملایا ہے اور یہ انتہائی تعظیم اور شرف کی بات ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

فضیلتِ مصطفیٰ از احادیثِ مطہرہ

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل میں بہت سی احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہ

---

[1] پ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۵۹
[2] پ ۱۰، سورۃ الانفال، آیت ۴۱
[3] پ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۷۴
[4] پ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۹۰
[5] پ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۳۷

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: اُس وقت جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اُن میں رُوح پھُونکی۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اُن کا بیان ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سُنا کہ: مَیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس وقت بھی خاتم النّبیین لکھا ہُوا تھا جبکہ آدم علیہ السّلام کی مٹی کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اگرچہ سب سے پچھلے ہیں لیکن قیامت میں سب پر سبقت لے جانے والے ہوں گے (یعنی جنّت میں جاتے وقت سب سے آگے ہوں گے یا تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے)۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک، جن سے مَیں پیدا ہوا، اُن سب کے نکاح ہُوئے تھے، اُن میں کوئی بھی بدکار نہیں تھا یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کسی کے نزدیک سے بھی بدکاری (زنا) قطعاً نہیں گزری تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے والدین سفاح میں کبھی اکٹھے نہیں ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک اصلاب سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا ہے، جو ہمیشہ صاف اور مہذّب رہے۔ جہاں بھی میرے آباؤ اجداد میں دُوسری شاخ پھُوٹی تو مجھے اُن میں سے بہتر شاخ میں رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہُوا کہ یا رسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھ کر حسب و نسب کا تذکرہ کر رہے تھے تو اُنھوں نے آپ کی مثال اُس کھجور جیسی بیان کی جو اُونچی زمین پر اُگا ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِس بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہتر مخلوق میں رکھا، جب قبائل بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا، جب نفسوں کو پیدا کیا تو مجھے بہتر نفوس میں رکھا، جب گھروں کی تقسیم فرمائی تو مجھے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ پس میں قریش سے باپ کے اعتبار سے اور نفسِ ذات کے اعتبار سے بہتر ہُوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتنے ہی انبیائے کرام کے پاک اصلاب سے منتقل ہوتے آئے، یہاں تک کہ آپ کی والدۂ ماجدہ نے آپ کو جنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اُن میں سے بنی آدم کو اختیار کیا، بنی آدم سے عرب کو چنا، عرب سے مضر، مضر سے قریش، قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمایا۔ تو میں بہتر لوگوں سے اگلے بہتر افراد کی جانب منتقل ہوتا آیا ہوں۔ پس جو شخص اہلِ عرب سے محبت کرے وہ میرے ساتھ محبت رکھنے کے باعث ہی محبت کرے گا اور جو اُن سے بُغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بُغض رکھنے کے باعث ہی اُن سے بُغض رکھے گا۔ (محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز ہی محبت کے لائق ہوتی ہے)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے متعدد نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں کیونکہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں ہوگا۔ میں عاقب ہوں کیونکہ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس میرے دس نام ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اُن میں سے آٹھ نام یہ ہیں: محمد، احمد، ابو القاسم، فاتح، خاتم، عاقب، حاشر اور ماحی۔ راوی کا بیان ہے کہ مجھے یہی یاد رہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ طٰہٰ اور یٰسین بھی آپ کے نام ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ و بارك وسلّم۔

حیاتِ مصطفیٰ کی قسم

اِس فضیلت کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے، حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معزز باری تعالیٰ شانہٗ نے کسی فرد کو پیدا نہیں فرمایا کیونکہ آپ کے علاوہ اور کسی کی حیات کی قسم اللہ تعالیٰ نے یاد نہیں فرمائی، لیکن آپ کے بارے میں فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ؀ [1] اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں وَحَيَاتُكَ يَا مُحَمَّدُ یعنی اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہاری حیاتِ طیبہ کی قسم۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات عقلاء کے مسلمات سے ہے کہ معظم، محترم اور مکرم ہستیوں کی قسم ہی کھائی جاتی ہے۔ اس سے سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالتِ شان اور آپ کے احکام کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے نیز اللہ رب العزت نے آپ کی زبانِ حق ترجمان سے جو شرعی احکام جاری کروائے اپنے بندوں کو ان کے ذریعے وحدانیت کا سبق ازبر کروایا اور دولتِ ایمانی سے مالا مال کرنے کی جانب دعوت دینے کی عظمت مبرہن ہوتی ہے۔ اس قسم سے آپ کی نبوت و رسالتِ جلیلہ کا مکمل یقین ہو جاتا ہے اور یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق سے معزز اور دائرہِ تخلیق کا مرکز و محور ہیں۔ [2]

بزمِ محشر میں شانِ محبوبی

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت اور اس سے متعلقہ احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے روز میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا

---

[1] پ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۷۲

[2] گردش میں جس کے گرد ہے پرکارِ کائنات
وہ ایک خاص مرکزِ دوراں ہے مصطفیٰ (اختر الحامدی)

سردار ہوں گا۔ زمین سب سے پہلے میرے لیے کھلے گی اور میں اپنے روضۂ اطہر سے باہر تشریف فرما ہوں گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور لواء الحمد اُس روز میرے ہاتھ میں ہو گا، جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام بھی ہوں گے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضۂ انور سے باہر نکلوں گا، جب وُہ وفد کی صورت میں چلیں گے تو اُن کا قائد میں ہُوں گا، جب وُہ خاموش ہوں گے تو اُن کی جانب سے گفتگو کرنے والا میں ہُوں گا، جب وُہ جنت میں داخل ہونے سے روکے جائیں گے تو اُن کی شفاعت کرنے والا میں ہُوں گا، جب وہ مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں اُنھیں خوشخبری دُوں گا، کرامت کا جھنڈا، جنت کی کُنجیاں اور لواء الحمد اُس روز میرے ہاتھ میں ہو گا۔ میں اُس روز آدم علیہ السّلام کی ساری اولاد میں سب سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت[1] والا ہُوں گا۔ ایک ہزار خادم میرا طواف کریں گے گویا وُہ چھُپی ہُوئی سفیدی ہیں یا بکھرے موتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنّوں اور انسانوں بلکہ ہر کالے گورے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہُوں۔ جُملہ انبیائے کرام میں سے غنیمتیں صرف میرے ہی لیے حلال قرار دی گئی ہیں۔ ساری زمین میرے لیے پاک اور مسجد ٹھہرادی گئی۔ میں اپنے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رُعب کے ساتھ مدد فرمایا گیا ہُوں۔ مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات مرحمت فرمائی گئی ہیں، جو جو جنّت کے خزانوں سے ہیں۔ مجھے مفصّل (سورتوں کے ساتھ) فضیلت دی گئی ہے۔ میں

---

[1] ایسے حضرات کی جرأت کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے جو اپنے دین و ایمان کی لُٹیا ڈبو کر، عقل کی آنکھوں پر بُغض و عناد اور ہٹ دھرمی کی پٹّی باندھے ہُوئے بضد ہو کر آج تک تقویۃ الایمان میں بھی لکھتے اور شائع کرتے آرہے ہیں کہ "سب انبیاء اور اولیاء اُس کے نزدیک ایک ذرّۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں"! اللہ تعالیٰ اُنھیں ہدایت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

دنیا اور آخرت میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں۔ زمین سب سے پہلے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے کھُلے گی۔ یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا (یعنی تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں) قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہو گا۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد سے سارے انبیائے کرام اُس روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ بروزِ قیامت جنّت کی کُنجیاں میرے سپرد فرمائی جائیں گی اور یہ فخر و غرور کے طور پر نہیں کہتا۔ اُس روز میرے ہی وسیلے سے درِ شفاعت کھُلے گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ اُس روز مخلوقِ خدا کو جنّت کی طرف لے جانے والا مَیں ہوں گا۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ مَیں اہلِ محشر کا امام ہُوں گا اور میری اُمت میرے پیچھے پیچھے چلے گی[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "وہ شخص مَیں ہُوں جس کے لیے زمین سب سے پہلے کھُلے گی، پھر ابوبکر سے پھر عمر سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پھر اہلِ بقیع آئیں گے اور میرے پاس جمع ہو جائیں گے پھر میں مکہ مکرمہ والوں کا انتظار کروں گا اور حرمین شریفین کے درمیان سب کو اکٹھا کروں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا مَیں ہُوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلے شفاعت مَیں کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی[2] یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ بروزِ قیامت حمد کا جھنڈا میرے ہی دستِ مبارک میں ہو گا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہا ہے۔ اُس روز بنی آدم کا سردار مَیں ہوں گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ میرے بعد سب سے پہلے

---

[1] اِسی لیے تو مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: ؎

فقط اِتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ اِن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

[2] یہ عصیاں شعار بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہے: ؎

ترے صدقے مجھے اِک بُوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا (رضاؔ)

جنت میں فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) داخل ہو گی کیونکہ اِس اُمت میں اُس کی مثال ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل میں حضرت مریم علیہ السلام کی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الناس یصعقون یوم القیامۃ	بروزِ قیامت جب سارے انسان بیہوش ہو جائیں گے
فاکون اول من یفیق وعن ام کرز	تو سب سے پہلے مَیں ہوش میں آؤں گا۔ ام کرز
رضی اللہ عنہا انہا قالت سمعت	رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ مَیں نے رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ مسلمان
انا سید المومنین اذا بعثوا وسائقھم	جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اُن کا سردار
اذا وردوا ومبشرھم اذا ابلسوا امامھم	مَیں ہوں گا۔ جب وہ آئیں گے تو مَیں اُن کی رہنمائی
اذا سجدوا واقربھم مجلسا	کروں گا۔ جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو میں خوشخبری
من الرب تعالیٰ اذا اجتمعوا	دوں گا۔ جب وہ سجدے میں پڑیں گے تو مَیں اُن کا
اقول فاتکلم فیصدقنی	امام ہوں گا۔ جب وہ اکٹھے ہوں گے تو مَیں رب
واشفع فیشفعنی واسأل	تعالیٰ کے دُوسروں کی نسبت زیادہ قریب تمکن
فیعطینی۔ (ص۲۳)	ہوں گا۔ جب کلام کروں گا تو اللہ تعالیٰ میری معروضات
	کو قبول فرمائے گا۔ شفاعت کروں گا تو قبول
	ہوگی۔ سوال کروں گا تو عطا فرمایا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سارے نبیوں پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دیا گیا ہوں (۱) مجھے جامع کلمات دئے گئے ہیں (۲) رُعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے (۳) ایک روز مَیں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں (۴) میں سارے انسانوں کا رسول ہوں (۵) غنیمتیں صرف میرے لیے حلال فرمائی گئی ہیں (۶) نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا گیا ہے۔ جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں وہ تمام علوم و معارف بھی جمع فرما دئے ہیں جو سابقہ کتب میں مندرج تھے۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی تمنّا

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے محمد بن احمد بن حسن نے خبر دی، اُنھیں محمد بن عثمان بن ابوشیبہ نے، اُنھیں جبارہ بن مغلس نے، انھیں ربیع بن نعمان نے، اُنھیں سہل بن صالح نے اپنے باپ سے، اُنھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مُوسیٰ علیہ السلام پر جب توریت نازل ہُوئی اور اُس میں اِس اُمتِ مرحوم کے فضائل پڑھے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہُوئے کہ اے میرے رب! مَیں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پایا ہے جو سب سے آخری لیکن سب پر سبقت لے جانے والی ہے، اُسے میری اُمت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وُہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض گزار ہُوئے: اے باری تعالیٰ! میں نے توریت میں ایک ایسی اُمت کا ذکر دیکھا ہے جس کے بارے میں سب سے پہلے شفاعت قبول فرمائی جائے گی، اُسے میری اُمت بنا دے۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: اے پروردگار! مَیں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا بیان پڑھا ہے جو تیری جانب رجوع کرتی رہے گی اور تُو اُن کی دُعائیں قبول فرماتا رہے گا، اُسے میری اُمت بنا دے۔ جواب ملے گا: وُہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔

پھر عرض کیا: اے ربّ العزّت! مَیں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا بیان پڑھا ہے، جو تیرے احکام کی کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلے گی اور اُسے از بر پڑھے گی، اُسے میری اُمت کر دے۔ جواب ملا: وُہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض گزار ہُوئے: اے پالنے والے! مَیں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا حال پڑھا ہے جو فئی کھائے گی۔ اُسے میری اُمت بنا دے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے، اے پروردگار! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی امت دیکھی ہے جو صدقہ خود کھائے گی، لیکن اس پر بھی ثواب کی حقدار ہوگی، اُسے میری اُمت بنادے۔ جواب ملا: وُہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر ملتجی ہُوئے: اے اللہ ربّ العزّت! مَیں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کے حالات پڑھے ہیں کہ جب وہ لوگ نیکی کا قصد کریں گے تو ایک نیکی کا ثواب اُسی وقت لکھ دیا جائیگا

خواہ اُس پر عمل نہ کرسکیں اور اگر اُس نیکی کو کر پائے تو نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اُسے میری اُمت بنادے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: ربِّ غفور! میں نے توریت میں ایک ایسی اُمت کے حالات پڑھے ہیں کہ اگر وہ لوگ بُرائی کا قصد کریں گے اور اُس کا ارتکاب نہ کرسکیں تو کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب اُس برائی کے مرتکب ہو جائیں تو صرف ایک بُرائی لکھی جائے گی۔ اُسے میری اُمت کردے۔ جواب دیا گیا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔

پھر عرض پرداز ہُوئے: اے ربِّ کریم! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا تذکرہ دیکھا ہے، جنھیں اگلے پچھلوں کا علم مرحمت فرمایا جائے گا اور وہ گمراہی کے عالم گیر سرچشمہ یعنی اُس سب سے بڑے دجّال کے ساتھ جہاد کریں گے جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے ہلاک کرنا ہے اسے میری اُمت کر دیا جائے۔ جواب ملا: وہ تو احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ یہ سُن کر مُوسیٰ علیہ السلام سراپا التجا ہو کر عرض گزار ہُوئے:

يَا رَبِّ فَاجْعَلْنِي مِنْ أُمَّةِ أَحْمَدَ فَأُعْطِي عِنْدَ ذَٰلِكَ خَصْلَتَيْنِ۔ (صـ۲۳)

اے رب! مجھے احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اُمتی بنادے۔ اِس سے مجھے دو خوبیاں حاصل ہو جائیں گی۔ (رسالت اور نبی آخرالزماں کا اُمتی)

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت اور شرفِ ہمکلامی کے لیے تمھیں لوگوں سے چُن لیا ہے۔ پس جو میں نے عطا فرمایا ہے اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور شکر ادا کرتے رہو۔ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں تیری رضا پر دل و جان سے راضی ہُوں۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث، سہیل کی غریب حدیثوں سے ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہو، سوائے اِس سند کے۔ سہیل سے روایت کرنے میں ربیع بن نعمان متفرد ہیں۔ سند کے لحاظ سے اِس حدیث میں نرمی ہے۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

خُلقِ عظیم

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم اور صفاتِ عالیہ کے بارے میں اپنی سند سے متعدد احادیث ذکر کی ہیں، اُن میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

خُلق قرآنِ کریم تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہتر اخلاق والا اور کوئی نہیں۔ کوئی صحابی یا گھر والا جب بھی آپ کو پکارتا تو آپ فوراً لبیک کہتے۔ باری تعالیٰ شانہ، نے آپ کے خُلق کی قرآنِ کریم میں یُوں تعریف فرمائی ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ؁ [1] اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بعض اخلاقِ کریمہ کے بارے میں پُوچھا گیا تو اُنھوں نے جواب دیا: مَیں اُس مولائے کائنات کا ہمسایہ تھا۔ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو میری جانب پیغام بھیجا جاتا۔ میں حاضر ہو کر وحی لکھا کرتا تھا۔ جب ہم دنیا کا ذکر کرنے لگتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر فرماتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرنے لگتے۔ ہم جب طعام کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اُسی کا ذکر فرماتے۔ یہ تھا سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم کہ اِس درجہ دلجوئی فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ مہربان تھے۔ اللہ کی قسم کوئی غلام، لونڈی یا بچّہ آپ کے پاس سخت سردی میں پانی لے کر (تبرک حاصل کرنے کے لیے) حاضر ہوتا کہ آپ اُس میں مُنہ ہاتھ دھولیں، تو آپ کسی صورت میں بھی ایسا کرانے سے نہ رُکتے۔ اگر کوئی سائل سوال کرتا تو آپ بغور اُس کی بات سُنتے اور اُس وقت وہاں سے نہ جاتے جب تک سائل خود نہ چلا جاتا۔ اگر کسی نے آپ کا دستِ مبارک پکڑا تو آپ اُس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وُہ خود نہ چھوڑ دیتا، اُس وقت تک اُسی کے ہاتھ میں ہاتھ رہنے دیتے۔

اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اُن میں سے آسان ہی کو اختیار فرمایا جبکہ اُس میں کوئی گناہ نہ ہوتا ورنہ اُس سے بہت دُور رہتے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے محارم کے سوا اپنی ذات کا آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔ آپ کا بدلہ لینا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔

---

[1] پ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۴

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی عورت کو کبھی نہیں پیٹا اور نہ اپنے ہاتھ سے جہاد کے سوا کسی کو مارا۔ اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا، ہاں جب اللہ تعالیٰ کے محارم کی خلاف ورزی ہوتی تو خدا کے لیے ضرور انتقام لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سالہا سال تک آپ کی خدمت میں رہا۔ اِس دوران میں آپ نے مجھے کبھی گالی نہیں دی، نہ مارا، نہ ڈانٹا اور نہ تیوری ہی چڑھائی۔ جب آپ نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا اور مجھ سے سُستی واقع ہو گئی تو کبھی نہیں جھڑکا اور اگر گھر والوں میں سے کوئی ڈانٹتا تو آپ فرماتے: اِسے چھوڑ دو، اگر قسمت میں ہوتا تو وہ کام ضرور ہو جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگی: مجھے آپ سے کام ہے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! تم جس راستے سے جانا چاہتی ہو، وہ مجھے بتا دو، میں تمھیں اُسی راستے میں کھڑا ہو ملوں گا اور اُس وقت تک واپس نہیں آؤں گا جب تک تمھارا کام نہ ہو جائے۔ وہ عورت راستے کے ایک جانب جا کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس سے وہیں گفتگو فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ گفتگو کر کے چلی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ آپ نے موٹے کناروں والی چادر اُوپر ڈالی ہوئی تھی۔ ایک دیہاتی ملا اور اُس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا، یہاں تک کہ میں نے چادر کو زور سے کھینچنے کے نشانات آپ کی گردن پر دیکھے۔ اس کے بعد وہ دیہاتی کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا مال ہے مجھے اُس میں سے کچھ دو۔ آپ اُس کی جانب متوجہ ہو کر مسکرائے اور اُس کو مال دے دینے کا حکم صادر فرمایا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

قرآن کی مثل ناممکن ہے

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن عزیز دلوں میں جاگزیں ہو گیا ہے، وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا بھی دلوں میں سماتا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتنے ہی اہلِ علم و دانش پہلی ہی ملاقات میں مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے

بیان کیا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس درجہ تائید و نصرت فرمائی کہ دنیا میں اتنی کسی اور کی تائید نہیں فرمائی گئی۔ آپ کو ایسے خصائص سے ممتاز و سرفراز فرمایا گیا جو دیگر انبیائے کرام کے معجزے اور اولیاء اللہ کی کرامات پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کی پہچان اُس کے مرتبے کے لحاظ سے ہوتی، جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مرحمت فرمایا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبے کی پہچان کے لیے سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس میں کسی قسم کی فروگزاشت نہیں ہوئی۔ اِس سے بڑھ کر نبوت پر دلالت کرنے والی کوئی آیت یعنی نشانی ایسی نہیں جس کی نظیر نہ ہو اور وہ دلوں میں اس درجہ گھر کرنے والی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسے زمانے میں نازل فرمایا جبکہ مدعیانِ عقل و دانش، صاحبانِ فہم و فراست، تیز زبان والوں، ستھری طبیعت والوں، صائب الرائے، تجربہ کاروں اور حیلہ گروں کی کمی نہ تھی۔ جب معاندین نے قرآنِ عزیز سُنا تو گپیں ہانکنے لگے کہ اِس کا معارضہ کرنے کی وُہ بھی استطاعت رکھتے ہیں اور اگر چاہیں تو اِس جیسا کلام وُہ بھی بنا کر پیش کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں پچھلے لوگوں کے قصّے اور کہانیوں کے علاوہ اور دھرا بھی کیا ہے؟ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ڈنکے کی چوٹ قرآنِ مجید کا معارضہ طلب کیا حتّٰی کہ اِذنِ عام دے دیا کہ وُہ کسی چھوٹی سے چھوٹی سُورت جیسا کلام بنا کر لے آئیں، جس کے بارے میں اُن کا یہ گمان ہو کہ اِس جیسی تو ہم معمولی سی کوشش اور ناقابلِ ذکر محنت کر کے ہی بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ وُہ اہلِ زبان اور میدانِ فصاحت و بلاغت کے شہسوار تھے لیکن سب مل کر بھی اِس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر رہے اور قاصر کیوں نہ رہتے جبکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	تم فرماؤ، اگر آدمی اور جنّ سب اس بات پر متفق
عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	ہو جائیں کہ اِس قرآن کی مانند لے آئیں تو اِس کا
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ	مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ اُن میں سے ایک دوسرے کا
لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ [1]	مددگار ہو۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان فرما دینے کے باوجود معاندین و منکرین اپنی تمام تر صلاحیتوں کے

---

[1] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۸

باوجود قرآن کریم کی کسی چھوٹی سی سورت کے مانند بھی بنا کر لانے پر قادر نہ ہوئے کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو کلام نازل فرمایا تھا اس کے بارے میں خود یوں خبر دی ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔[1] بے شک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔[2] بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے، لوحِ محفوظ میں۔

فضائل و معجزات میں دیگر انبیاء سے تقابل

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی تینتیسویں فصل میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے فضائل کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل سے اور ان کے معجزات کا آپ کے معجزات کے ساتھ موازنہ و مقابلہ کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا تو ہم کہیں گے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اپنا خلیل بنایا بلکہ حبیب بھی ٹھہرایا ہے اور حبیب تو خلیل سے بدرجہا زیادہ موردِ الطاف و کرم ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تین پردوں کے ساتھ نمرود کی سازش سے محفوظ رکھا گیا تو ہم کہیں گے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی جب اہلِ مکہ نے سازش کی تھی تو آپ کی پانچ پردوں کے ساتھ حفاظت فرمائی گئی چنانچہ اس بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور

---

[1] پ ۳۰، سورۃ الطارق، آیت ۱۳، ۱۴ [2] پ ۳۰، سورۃ البروج، آیت ۲۱، ۲۲

وَّ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ اُن کے پیچھے ایک دیوار اور اُنھیں اُوپر سے ڈھانک
فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ۔ [1] دیا، تو اُنھیں کچھ نہیں سُوجھتا۔

وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَیۡنَكَ اور اے محبوب! جب تم نے قرآن پڑھا، تو ہم نے
وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ تم پر اور اُن میں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے،
بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا ۔ [2] ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا۔

فَهِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ۔ [3] وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، تو یہ اوپر کو مُنہ اٹھائے رہ گئے۔

پس یہ پانچ پردے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اپنی نبوت کی حقانیت پر ایسی قاطع برہان پیش کی کہ اُسے مبہوت اور بھونچکا کر دیا جس کی باری تعالیٰ شانہٗ نے خبر دی ہے کہ،

فَبُهِتَ الَّذِیۡ كَفَرَ ۔ [4] تو ہوش اُڑ گئے کافر کے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اُبیّ بن خلف آیا جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی جسے وُہ اپنے ہاتھوں سے مسل کر باریک کر رہا تھا۔ کہنے لگا: اِن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ محکم برہان نازل فرمائی:

قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ تم فرماؤ، اُنھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی
مَرَّةٍ ؕ [5] بار اُنھیں بنایا۔

جب اُس نے آپ کی نبوت کو ایسی قاطع برہان سے مزین دیکھا تو مبہوت ہو کر واپس لوٹ گیا۔ اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑ ڈالا تھا کیونکہ وُہ غضبِ الٰہی کا

---

[1] پ ۲۲، سورۂ یٰسٓ، آیت ۹
[2] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۴۵
[3] پ ۲۲، سورۂ یٰسٓ، آیت ۸
[4] پ ۳، سورۂ البقرۃ، آیت ۲۵۸
[5] پ ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۷۹

باعث بنے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین سو ساٹھ بتوں کو پامال کر دیا تھا، جو خانۂ کعبہ کے اِردگرد نصب تھے۔ آپ کے دستِ مبارک کے اشارے ہی سے وُہ سارے بُت اُوندھے مُنہ گرتے چلے گئے[۱]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا ایک عصا مرحمت فرمایا تھا جو بہت بڑا اژدہا بن کر جادُوگروں کے جادُو کو نگل گیا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا تھا۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنا دیا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے اعلیٰ معجزات مرحمت فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ خشک لکڑی کے ستون کا آپ کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر رونا، درختوں کا آپ کے بُلانے پر حاضر ہونا، اکٹھے ہو جانا، پھر آپ کے حکم اور اجازت سے اپنی جگہ کی جانب واپس لوٹ جانا۔ اگر چشمِ بصیرت ہو تو یہ معجزات اُس معجزے سے زیادہ تعجب خیز ہیں۔

اگر کہا جائے کہ میدانِ تیہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ایک پتھر پر مارا تو اُس سے بارہ[۱۲] چشمے جاری ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اِس سے زیادہ تعجب خیز معجزہ ثابت ہے کیونکہ پتھروں سے پانی کا نکل آنا تو عام مشاہدہ ہے لیکن گوشت، خُون اور ہڈیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جانا کتنی تعجب خیز بات ہے۔ اگر آپ برتن میں دستِ مبارک رکھتے تو آپ کی اُنگلیوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلے تھے[۲] اور وُہ پانی نہر کی طرح جاری ہُوا اور میٹھا تھا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے وُہ پانی پیا، حتیٰ کہ اُن کے اُونٹ اور گھوڑے تک سیراب ہو گئے اور ایسا متعدد بار واقع ہُوا۔

---

[۱] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ؎

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مُجرے کو جُھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا

[۲] ؎ اُنگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جُھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ (اعلیحضرت)

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر پھٹ گیا تھا جبکہ انھوں نے اپنے عصا کو پانی پر مارا تھا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر اس سے پار ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کے واقعات تو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کے بعض افراد کے ذریعے ہونا بھی مشہور ہے۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بحرین میں تھے اور سمندر عبور کرنے پر مجبور ہوئے تو اپنے ساتھیوں سمیت اِس طرح سمندر پار کر گئے جیسے پانی کی سطح پر چل رہے ہوں اور اُن کے کپڑے تک نہ بھیگے۔

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے لیے مکڑی، جنگلی چوہوں، مینڈکوں اور خون کا عذاب لے کر آئے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے تو ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں قریش پر دھواں بھیجا جو بہت بڑی نشانی اور عذاب تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَأْتِی السَّمَآءُ — تو تم اس دن کے منتظر رہو، جب آسمان ایک
بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ o یَّغْشَی النَّاسَ ط — ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے۔
هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ o [۱] — یہ ہے دردناک عذاب۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کو متنبہ کرنے کی دعا فرمائی تو وہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! مضر قبیلے پر اپنا عذاب سخت کر دے اور ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے والی قحط سالی مسلط فرما دے۔

اگر کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو مَن و سلویٰ کھلایا گیا یعنی بٹیر جیسے جانور کا گوشت اور ترنجبین کھلائی گئی اور اُن پر بادلوں کے ذریعے سایہ کیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ مَن و سلویٰ انھیں بیٹھے بٹھائے ملتا تھا جس کے لیے کسی قسم کی مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی تھی تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو وہ اعلیٰ اور ارفع چیز عطا فرمائی گئی جس سے پہلے تمام انبیائے کرام تک بھی محروم رہے اور وہ مالِ غنیمت ہے جو کسی نبی کے لیے

---

[۱] پ ۲۵ ، سورۂ الدخان ، آیت ۱۰، ۱۱

بھی حلال قرار نہیں دیا گیا۔ علاوہ بریں مذکورہ بالا قسم کے کمالات تو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو بھی عطا فرما دیئے تھے مثلاً جب اُنھیں کسی غزوہ پر بھیجا گیا اور اثنائے سفر میں زادِ راہ ختم ہونے پر وہ بھوک کی پریشانی میں مبتلا ہوئے تو قریبی سمندر نے اُن کی جانب ایک بہت بڑی مچھلی کو باہر پھینک دیا، جس کا گوشت اُنھوں نے ایک ماہ تک کھایا اور چربی استعمال کرتے رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو تھوڑے سے طعام اور دودھ[۱] سے بہت بڑی جماعت کو بھی سیر کر دیا کرتے تھے اور مزید کھانے پینے سے مُنہ پھر جاتا تھا۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم تین سو سواروں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کے ایک قافلے کی گھات میں بھیجا۔ اُس روز ہمارے امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ ہمیں راستے میں سخت بھوک لگی، حتیٰ کہ درختوں کے پتّے تک کھانے پڑے، اسی لیے اس غزوہ کو جیش الخبط کہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سمندر کے نزدیک ہوئے تو اُس نے ایک بہت بڑی مچھلی ہماری جانب پھینک دی، جسے عنبر کہا جاتا ہے۔ ہم مہینہ بھر اُس کا گوشت کھاتے رہے اور چربی استعمال کی، یہاں تک کہ ہم خوب موٹے تازے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور لشکر میں سے ایک لمبے آدمی کو حکم دیا کہ کسی قد آور اونٹ پر سوار ہو کر اس پسلی کے نیچے سے گزرے۔ چنانچہ حسبِ حکم وہ آدمی پسلی کے نیچے سے سوار ہو کر گزر گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سُنایا تو آپ نے فرمایا: کیا تمھارے پاس اُس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا ہے؟ ہم نے بچا ہوا گوشت بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا تو

---

[۱] ایسے ہی ایک واقعے کی جانب اعلیٰ حضرت نے یوں اشارہ کیا ہے: ؎

کیوں جنابِ بو ہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے مُنہ بھر گیا

آپ نے بھی اُس میں سے تناول فرمایا۔

اگر کہا جائے کہ مُوسیٰ علیہ السّلام کو عصا مرحمت ہوا تھا، جو اژدہا بن جاتا تھا اور وُہ فرعونی جادوگروں کے سارے جادو کو نگل گیا تھا، حتیٰ کہ اُس سے ڈر کر فرعون نے بھی مُوسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بعینہٖ اِس قسم کے معجزے کا ظہور ہُوا تھا، چنانچہ ابوجہل بن ہشام کا واقعہ ہے کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک بہت بڑا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سجدے میں جائے گا تو وہی پتھر اُس کے سر پر دے ماروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں مصروف ہوئے اور سجدے میں گئے تو وُہ بدبخت پتھر لے کر آپ کی جانب بڑھا لیکن نزدیک پہنچتے ہی مبہوت رہ گیا اور مارے خوف کے ہانپتا کانپتا واپس بھاگ گیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا، مارے خوف کے لرزہ براندام تھا اور دونوں ہاتھ اپنی قوت کھو بیٹھے تھے، جس کے باعث پتھر اُس کے ہاتھوں سے گر گیا تھا۔ قریش کے چند آدمی اُس کے پاس پہنچے اور صورتِ حال پوچھی تو ابوجہل کہنے لگا: میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ کچھ کرنے کے ارادے سے گیا تھا، جیسا کہ گزشتہ رات تم سے وعدہ کر کے آیا تھا لیکن جب میں اِس ارادے سے اُس کے قریب گیا تو میرے سامنے ایک بہت بڑا اُونٹ آ گیا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ مَیں نے اتنے موٹے سر والا یا ایسے قدوقامت والا یا اتنے لمبے دانتوں والا کبھی کوئی اُونٹ نہیں دیکھا۔ وُہ اُونٹ مجھے کھانا چاہتا تھا۔ جب سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اِس واقعے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اگر ابُوجہل میرے نزدیک آنے کی کوشش کرتا تو اُسے ہلاک کر دیا جاتا۔ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ۔

حضرت صالح علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اُونٹنی ظاہر کی اور وُہ اُن کے لیے حُجت اور نشانی بنائی گئی چنانچہ ایک روز اُونٹنی پانی پیتی تھی اور دوسرے روز وُہ قوم پانی پیتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کی حُجّت تو فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی مرحمت فرمائی گئی تھی بلکہ اِس سے اعلیٰ و ارفع، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی بولتی نہیں تھی اِسی وجہ سے وُہ صالح علیہ السلام کے نبی ہونے کی

شہادت بھی نہیں دے سکی لیکن نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک اُونٹ حاضر ہُوا اور اُس نے آپ کی نبوت کے بارے میں شہادت دی تھی۔ اُونٹ کا مالک اُسے ذبح کرنا چاہتا تھا۔ اُونٹ اُس کے ارادے کو بھانپ کر بھاگ نکلا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اُس نے اپنا استغاثہ پیش کر دیا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت داؤد علیہ السّلام

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیئے تھے جو اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرتے تھے اور اُن کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا جاتا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ معجزے عطا ہوئے بلکہ اِن سے بھی بڑھ کر۔ مثلاً یہ کہ کنکریوں نے آپ کے دستِ مبارک میں اور تصدیق کرنے والوں کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی۔ اِس میں آپ کی اور تصدیق کرنے والوں کی عظمت اور سرفرازی زیادہ ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سوید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد (مسجدِ نبوی) میں حاضر ہوا۔ وہاں ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے تنہائی میں اُن کے ساتھ بیٹھنے کو غنیمت جانا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ اتفاقیہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تنہا بیٹھا تھا۔ واقعہ یُوں پیش آیا کہ ایک روز میں مسجدِ نبوی میں گیا۔ آپ وہاں تشریف فرما تھے۔ میں خاموشی سے آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے ابوبکر! کیسے آنا ہُوا؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی غرض سے آیا ہُوں۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ اُن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: اے عمر! کیسے آئے ہو؟ عرض کی کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے ارادے سے آیا ہُوں اور وہ آپ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اِن کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ پہنچے۔ آپ نے دریافت فرمایا: اے عثمان کس غرض سے آئے ہو؟ اُنھوں نے بھی پہلے دونوں حضرات کی طرح یہی جواب دیا

کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے ارادے سے آیا ہوں۔ حضرت ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سات کنکریاں پکڑیں تو اُنھوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح بیان کرنی شروع کر دی[1] حتیٰ کہ میں (حضرت ابُوذر) نے بھی اُن کی آواز سُنی، جو ایسے محسوس ہو رہی تھی جیسے شہد کی مکھّیاں بھنبھناتی ہیں۔ جب آپ نے اُن کنکریوں کو رکھ دیا تو خاموش ہو گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے وُہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح بیان کرنے لگیں جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ جب اِنھوں نے بھی کنکریوں کو رکھ دیا، تو خاموش ہو گئیں۔ آپ نے پھر اُن کو پکڑا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں بھی وُہ تسبیح بیان کرنے لگیں جیسے شہد کی مکھی بھنبھناتی ہے۔ جب اِنھوں نے بھی وُہ کنکریاں رکھ دیں، تو خاموش ہو گئیں۔ دُوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں بھی کنکریوں نے اِسی طرح تسبیح بیان کی۔

اگر یہ کہا جائے کہ پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیئے گئے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ پرندوں کے علاوہ اُونٹ جیسے بہائم عظیمہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع تھے نیز سخت قسم کے شکاری پرندے بھی آپ کے فرماں بردار تھے۔ بھاگنے والے اُونٹ نے آپ کا حکم مانا، بھیڑیئے نے آپ کی دعوت اور نبوت و رسالت کی تصدیق کی، یہاں تک کہ ایک شیر کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزر رہے تھے تو اُس نے سرگوشی کی اور راستہ بتایا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ؎

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص درختوں کے جھنڈ میں داخل ہُوا اور وہاں سے حمرہ کے انڈے لے آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حمرہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئی اور عاجزی کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا: اِس جانور کو کِس نے ستایا ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ مَیں اِس کے انڈے لے آیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ فوراً اِس کے انڈے واپس کر دو اور حمرہ پر شفقت فرمائی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، حتّٰی کہ وُہ لوہے کی زرہیں ہاتھ سے بنا لیتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تو بڑے بڑے پتھر بھی نرم ہو جاتے حتّٰی کہ غار بن جاتے تھے جیسا کہ غزوۂ اُحد کے روز آپ ایسی ہی غار کے ذریعے جنگ کا معائنہ فرماتے رہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سرِ مبارک کو پہاڑ کی جانب مائل فرمایا تاکہ آپ مُشرکینِ مکّہ کو نظر نہ آئیں، تو وُہ پتھر نرم ہو گیا اور آپ نے اپنے سرِ مبارک کو اُس میں چھُپا لیا۔ یہ معجزہ عجیب تر ہے کیونکہ لوہے کو آگ نرم کر دیتی ہے لیکن ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آگ نے پتھروں کو بھی نرم کیا ہو۔ اُحد پہاڑ میں وہ نشان ابھی تک باقی ہے اور لوگ اُس کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح مکّہ مکرمہ کی اضم نامی ایک وادی میں وُہ پتھر بھی ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استراحت فرمائی تو وُہ پتھر اِتنا نرم ہو گیا تھا کہ آپ کی کہنیوں اور کلائیوں تک کے نشانات اُس پر پڑ گئے تھے۔ یہ بات عام مشہور ہے اور حاجی لوگ اُس پتھر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ معراج کی رات میں بیت المقدس کا ایک پتھر آپ کے لیے اِتنا نرم ہو گیا تھا کہ آپ نے بُراق کو اُس کے ساتھ باندھا تھا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی گئی جو اُن کے بعد کسی کو عطا نہیں فرمائی، تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں مرحمت فرمائی گئیں[1]

---

[1] ؎ مالکِ کونین ہیں گو پاس کُچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں (رضاؔ)

لیکن آپ نے تھوڑی شے اور قلیل طعام کو رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیا اور دنیا کو حقیر جانتے ہُوئے اور آخرت کے بلند مراتب کو پسند فرماتے ہُوئے، اُن گنجیوں کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے وادیِ بطحا کو میرے لیے سونا بنا دینے کے بارے میں مُجھ سے پُوچھا: میں عرض گزار ہُوا کہ اے پروردگار! مَیں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تو یہ پسند کرتا ہُوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور تین دن بھُوکا رہُوں۔ جب بھوکا رہوں گا تو تیرے حضور عاجزی پیش کروں گا اور تیری یاد میں مصروف رہوں گا۔ جب شکم سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیری حمد و ثنا بیان کروں گا اور شکر بجا لاؤں گا۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر مَیں چاہُوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ میرے پاس ایک فرشتہ حاضر ہُوا، جس کی کمر عمارتِ کعبہ جتنی محیط تھی، اُس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے رب نے سلام بھیجا ہے اور پُوچھا ہے کہ آپ نبی عبد بننا پسند کرتے ہیں یا نبی بادشاہ؟ آپ دونوں میں سے جو کچھ بننا چاہیں گے اُسی کے مطابق ہو جائے گا۔ مَیں نے جبرئیل علیہ السلام کی جانب (برائے مشورہ) نظر اٹھائی تو اُن کا اشارہ تواضع کی جانب تھا۔ مَیں بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوا اے پروردگار! میں نبی عبد رہنا چاہتا ہُوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوائیں مسخر تھیں، جو اُنھیں تمام زمین کی سیر کراتی تھیں، جس کے باعث اُن کی صبح کی منزل ایک ماہ کی راہ اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی راہ ہُوا کرتی تھی، تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِس سے بھی زیادہ عنایات سے نوازا گیا ہے کیونکہ آپ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کی سیر فرمائی، جو ایک مہینے کی مسافت ہے اور آسمانی بادشاہی کا نظارہ کرنے کے لیے آسمانِ دنیا تک گئے جو پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ یہ سفر بھی رات کے وقت ایک قلیل مدت میں طے فرمایا۔ اِس کے بعد ایک آسمان سے دوسرے کی جانب گئے

اور وہاں کے عجائبات کا معائنہ فرمایا، جنّت اور دوزخ کو دیکھا، اپنی اُمت کے اعمال، جو پیش کیے گئے تھے ملاحظہ فرمائے۔ انبیائے کرام اور فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ تمام عجائبات کو دیکھتے ہوئے حجابات سے بھی گزر گئے۔ پھر ایک سبز رفرف آپ کو اور اُوپر لے گیا، یہاں تک کہ باری تعالیٰ شانہٗ کی خاص تجلّیات نے آپ کو آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی فرمائی اور جو اُس نے چاہا وحی فرمائی۔ آپ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات بھی مرحمت ہوئیں جو عرشِ الٰہی کا نیچے والا خزانہ ہے۔ آپ سے یہ وعدہ بھی فرمایا گیا کہ آپ کے دین کو باقی تمام ادیان پر غالب رکھا جائے گا، حتیٰ کہ زمین کے مشرق و مغرب میں آپ کے دین کے علاوہ اور کوئی دین نہ ہوگا۔ یہ بھی وعدہ فرمایا گیا کہ کافر ہمیشہ آپ کے پیروکاروں کے باجگزار رہیں گے اور ہمیشہ ذلیل ہو کر رہیں گے۔ وہیں آپ کی اُمت پر پانچ نمازیں فرض فرمائی گئیں۔ وہیں مُوسیٰ علیہ السلام سے بار بار ملاقات ہوئی اور نمازوں کی تخفیف کا مرحلہ درپیش رہا۔ یہ تمام واقعات رات کے ایک ذرا سے حصّے میں واقع ہو گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس جنّات آتے تھے، وہ آپ کے تابع اور مجبور کر دیئے گئے تھے اور آپ اُن کے سرکشوں کو زنجیروں میں جکڑ کر قید رکھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنّ برضا و رغبت مطیع ہو کر آتے، آپ کی تعظیم و توقیر بجا لاتے، آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تھے والہانہ طور پر آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے اور عاجزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا کرتے تھے آپ سے عنایات طلب کرتے اور کھانے پینے کی چیزیں مانگتے تھے۔ اُن کے جواب میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب وہ گوبر کو پائیں گے تو اُن کی خوراک بن جایا کرے گا اور ہر ہڈی گوشت والی ہو جایا کرے گی۔ ایک مرتبہ بڑے بڑے جنّ اور اُن کے نو سردار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، جن کا اللہ جلّ شانہٗ نے قرآنِ کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ[1] اور یاد کرو جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے ہی جن پھیرے۔

نیز یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] پ ۲۶، سورۂ الاحقاف، آیت ۲۹

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط [1]

تم فرماؤ کہ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سُنا، تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہزارہا جنّ حاضر ہوئے اور نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور مسلمانوں کے ساتھ پیار محبت کا سلوک کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے بیعت کی اور آپ کے سامنے اس بات پر معذرت چاہی کہ اُنھوں نے اللہ ربّ العزت کے بارے میں جہالت کے باعث ناروا باتیں بھی کہی تھیں۔ پاک ہے وُہ ذات جس نے نبوت کے باعث اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے جنوں کو مسخر کر دیا حالانکہ وُہ شرارتی ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اولاد کے قائل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت جنوں اور انسانوں کے بے شمار امور کو شامل ہے چنانچہ جو کچھ اس سلسلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ اُس کی نسبت یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران ہم سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک جانب تشریف لے گئے آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ قضائے حاجت کے لیے دُور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو مَیں پانی کا مشکیزہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کے پاس جھگڑنے کی آوازیں اور شور و غوغا سُنا، حالانکہ اِس سے پہلے بارگاہِ رسالت میں ایسا منظر کبھی دیکھا نہیں تھا۔ آپ نے مجھ سے پُوچھا: کیا تمھارے پاس پانی ہے؟ مَیں نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا: بہت خُوب اور پانی مجھ سے لے لیا۔ طہارت کے بعد وضو فرمایا۔ مَیں عرض گزار ہُوا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مَیں نے آپ کے پاس بلند آوازیں سُنی ہیں اور شور و غوغا دیکھا ہے، حالانکہ

---

[1] پ ۲۹، سورۂ الجن، آیت پہلی اور دُوسری

اِس سے پہلے آپ کی بارگاہ میں یہ بات دیکھی نہیں گئی۔ آپ نے فرمایا: اُس وقت میرے پاس مسلمان جن اور مشرک جن آپس میں جھگڑ رہے تھے اور وُہ مجھ سے اپنے اپنے رہنے کی جگہ مانگ رہے تھے میں نے مسلمان جنوں کو جلیس میں اور کافر جنوں کو غور میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والدِ محترم سے دریافت کیا کہ جلیس کیا چیز ہے اور غور کس مقام کو کہتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ جلیس سے مراد بستیاں اور پہاڑ ہیں جبکہ غور پہاڑوں اور سمندروں کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ کثیر فرماتے ہیں کہ جلیس میں جانے والوں کو ہم نے سلامت ہی دیکھا ہے لیکن جو غور میں پہنچ جاتا ہے اُس کا پھر خدا ہی حافظ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کوئی جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی اگر نافرمانی کرتا تھا تو آپ اُس کو جکڑ دیتے اور قید کر دیا کرتے تھے اور اِس امر کی اللہ تعالیٰ نے اُنھیں قدرت دی تھی اسی لیے جن ہر کام میں اُن کے حکم کی تعمیل پر کربستہ رہتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہ صرف فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلکہ آپ کے اصحاب میں سے کتنے ہی حضرات کو اللہ تعالیٰ نے جنات پر تسلط دیا تھا اور وہ سلیمان علیہ السلام کی طرح جنوں کو قبضے میں رکھتے اور سرکشوں کو مبتلائے عذاب کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خبیث جن آج رات کو مجھ پر کُودا تاکہ میری نماز ٹُوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس پر قدرت دی اور میں نے اُسے پکڑ لیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دُوں تاکہ صبح ہوتے ہی مسلمان بھی اُس کا حشر دیکھ لیں، لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وُہ دعا یاد آگئی، جو اُنھوں نے اس سلسلے میں اللہ رب العزت سے مانگی تھی کہ:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۔ [1]	اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ بے شک تُو ہی بڑی دَین والا ہے۔

---

[1] پ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۳۵

لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس جن کو میرے پاس سے ذلیل و خوار کر کے لوٹایا۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جنوں کے ایسے کتنے ہی واقعات ذکر کیے ہیں، جن سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جنات اُن کے لیے بھی مسخر فرمائے گئے تھے اور اُنھوں نے ایسی احادیث بھی نقل فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد اور اطاعت کی ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں اور چیونٹیوں کا کلام سمجھ لیتے تھے اور اُنھیں اِن چیزوں پر تسلط بھی دیا گیا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِس سے بھی زیادہ قدرت دی گئی ہے۔ قبل ازیں ہم بارگاہِ رسالت میں بہائم اور درندوں کا کلام کرنا، ستون کا رونا، اُونٹ کا شکایت کرنا، درختوں کا کلام کرنا، کنکریوں اور پتھروں کا تسبیح بیان کرنا، آپ کا پتھروں کو بُلانا اور اُن کا حاضرِ بارگاہ ہو جانا، بھیڑیئے کا آپ کی نبوت کا اقرار کرنا، پرندوں کا آپ کے حکم کو بجا لانا، ہرنی کا کلام کرنا بلکہ آپ سے شکایت کرنا، گوہ کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرنا وغیرہ کے متعدد واقعات نقل کر چکے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سب سے زیادہ خوب صورت مشہور ہیں بلکہ ساری مخلوق سے بڑھ کر خوب صورتی کا مجسمہ تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوب صورتی، جس کے ساتھ صحابۂ کرام آپ کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے، اُس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے کیونکہ اُنھوں نے آپ کی مثال چمکتے ہوئے سُورج اور چودھویں رات کے چاند سے دی ہے حالانکہ آپ چاند سے بھی زیادہ حسین و جمیل تھے۔ آپ کا چہرۂ انور سونے کی طرح دمکتا تھا جیسے چاند اپنی پُوری تابانی دکھا رہا ہو۔ آپ کے پسینے کی خوشبو مہکنے والی مُشک (کستوری) کی طرح تھی۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ مَیں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف دریافت کیے تو اُنھوں نے جواب دیا: اے بیٹے!

لو رایتہ رأیت الشمس الطالعۃ۔ (صہ) — اگر تو اُنھیں دیکھتا تو یُوں محسوس ہوتا کہ سُورج چمک رہا ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ مَیں نے حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ:

صف لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کانی انظر الیہ قال نعم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن الوجہ یتلألأ وجہہ تلألؤ القمر لیلۃ البدر۔ (صہ) — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفتِ حُسن و جمال میرے سامنے اِس طرح بیان کیجئے جس سے محسوس ہو کر گویا میں خود اُس جمالِ جہاں آرا کی زیارت کر رہا ہُوں۔ کہا اچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے حسین اور چمکدار چہرے والے تھے جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حُسنِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی یہ کیفیت تھی کہ:

اذا سرہ الامر استنار وجہہ کانہ دارۃ القمر۔ (صہ) — جب خوشی کا موقع ہوتا تو آپ کا چہرہ اِس طرح دمکتا جیسے چاند کا گھیرا چمکتا ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ:

کان عرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجہہ مثل اللؤلؤ اطیب من المسک — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح معلوم ہوتا تھا، جو مُشکِ اذفر سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ کا چہرہ

الا ذفر و كان احسن الناس	تمام انسانوں سے زیادہ حسین تھا اور رنگ نورانی
وجهًا و انوارهم لونًا لـم	تھا۔ اگر کوئی آپ کے حُسن و جمال کی تعریف کرنا چاہے
يصفه واصف قال بمعنى صفقته	تو کماحقہٗ توصیف نہیں کر سکے گا۔ رسول اللہ صلی
الا شبه وجهه بالقمر ليلة	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ پُر نور کی کوئی بھی
البدر صلى الله عليه و	توصیف کرنے والا چودھویں رات کے چاند سے
سلم۔ (ص۸۱)	تشبیہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں حکم عطا فرمایا گیا تھا

حضرت یحییٰ علیہ السلام

اسی لیے وہ گناہوں سے بچے رہنے کے باوجود بھی رویا کرتے اور وصال کے روزے رکھا کرتے تھے یعنی متواتر روزے رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس خوبی میں اُن پر بھی فضیلت دی گئی ہے کیونکہ یحییٰ علیہ السلام بت پرستی اور جاہلیت کے زمانے میں مبعوث نہیں ہوئے تھے جبکہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُس دور میں مبعوث فرمایا گیا تھا جب جاہلیت اپنے شباب پر تھی اس کے باوجود آپ بچپن ہی میں بُت پرستی اور شیطانی جماعت سے اجتناب کرنے کا حکم و فہم ملا اور ایسی فراست مرحمت فرمائی گئی، جس کے باعث نہ آپ نے کبھی بتوں کی جانب رغبت کی اور نہ بُت پرستوں کے ساتھ اُن کے میلوں تہواروں میں شرکت کی۔ علاوہ بریں کسی نے آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سُنی بلکہ قوم اور ماحول کے اندر آپ سچے، امین، حلیم، شفیق اور مہربان مشہور تھے اور:

كان يواصل الاسبوع صومًا	آپ ایک ایک ہفتے تک متواتر روزے رکھتے تھے
فيقول انى اظل عند ربى يطعمنى	اور فرماتے کہ میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں
ويسقينى وكان صلى الله عليه	وُہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ
وسلم يبكى حتى يسمع لصدره	تعالیٰ علیہ وسلم جب (خوفِ الٰہی سے) روتے
ازيز كازيز المرجل من البكاء	تو آپ کے سینۂ اقدس سے ایسی آواز آتی جیسے
(ص۸۱)	ہانڈی جوش مارتی ہے اور اس وقت ہانڈی سے
	آواز آتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وُہ حصُور تھے یعنی عورتوں کی جانب رغبت نہیں رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بیشک نبی تو تھے لیکن اپنی قوم کی جانب مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے۔ اِن حالات میں وُہ تنہا اپنے احوال کی اصلاح میں مصروف رہتے تھے لیکن نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے رسُول بنا کر بھیجا گیا تھا، تاکہ اپنے قول اور فعل کے ذریعے مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف احوال اور بلند مقامات ظاہر فرمائے جن میں آپ کے تصرف کے لحاظ سے تفاوت ہے تاکہ ہر مرتبے کا انسان آپ کے افعال و اوصاف کی اقتدا کر سکے۔ چنانچہ صدیق اپنی بزرگی میں، شہدا اپنے مراتب میں اور صالحین اپنے مختلف حالات کے مطابق اُس ہادیِ کائنات کی پیروی کریں اور ہر اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط درجے کا آدمی بلکہ ایک خاص منصب پر فائز ہونے والا بھی آپ کے مختلف اور اپنے مطابق احوال و کردار سے رہنمائی کا سامان حاصل کر کے نفع اندوز ہو سکے۔

یہ تو ظاہر بات ہے کہ نکاح کی جانب نفس کو خاص رغبت ہے اور خواہشات کا اِس طرف خاص میلان ہے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو نکاح کا حکم دیا اور اِس کی رغبت دلائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو اِسی کے مطابق رکھا ہے اور اِسی لیے انسانوں کے لیے اِسے مباح کیا ہے تاکہ اِس کی بدولت وُہ زناکاری سے محفوظ رہیں۔ بایں وجہ آپ بھی لوگوں کی خاطر ظاہری طور پر اِس فعل میں شامل ہُوئے اور اُن کے ساتھ نام کی شمولیت ہو گئی کیونکہ آپ دُوسروں جیسے نہیں بلکہ انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِسی لیے فرمایا ہے:

تزوّجوا فانی مکاثر بکم الامم۔	نکاح کرو تاکہ میں تمہاری کثرتِ تعداد کے باعث دُوسری
فان غلب علیہ و علیٰ قلبہ	اُمتوں پر فخر کروں کیونکہ آپ پر یا آپ کے قلب مبارک
ما افردہ الحق بہ من قولہ	پر عورتوں کی جانب میلان غالب ہوتا جبکہ آپ کی
وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ	انفرادیت تو توجہ الی اللہ تھی جیسا کہ فرمایا ہے:
تلطفت علیہ الصلوٰۃ والسّلام	میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

فی مرضاتہ۔ (صلہ)　　　یہ معاملہ نہ ہوتا بلکہ اپنی خواہشات سے لُطف اندوز ہوتے

آپ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے، تم مجھے اجازت دو کہ میں آج کی رات عبادت میں بسر کروں۔ وُہ عرض کرتیں، اگرچہ مجھے آپ کا قُرب محبوب ہے لیکن آپ کی رضا بھی محبوب ہے۔ پس آپ نماز میں مشغول ہو جاتے اور ساری ساری رات نماز پڑھتے اور بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کرتے ہُوئے گزار دیتے۔ بعض اوقات جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے وہاں اپنے رب کے حضور میں عجز و نیاز پیش کرتے، قبرستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے مستفید فرماتے اور اس طرح اہلِ قبور کی قسمت جگاتے۔ کبھی رات بھر سرگوشی کے انداز میں بار بار صبح تک اس آیت کو پڑھتے رہتے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ	اگر تو انھیں عذاب کرے تو وُہ تیرے بندے ہیں اور
تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[1]	اگر تو انھیں بخش دے تو بیشک تُو غالب حکمت والا ہے

علاوہ بریں بشریت کے احکام اور نفس کے تقاضوں سے تو آپ شقِ صدر کے وقت ہی پاک ہو چکے تھے جبکہ فرشتوں نے آپ کے قلبِ اطہر کو ایمان اور حکمت کی ہر ممکن دولت سے بھر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا ساری اُمت کے ساتھ بھی وزن کیا گیا تو آپ ہی بھاری رہے تھے۔ پر اسی وجہ سے تو تھا کہ آپ کے قلبِ مبارک پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا ہُوا تھا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کل فضیلۃ اوتی عیسیٰ علیہ	ہر وُہ فضیلت جو عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی وہ
السلام فقد اوتیہا نبینا صلی اللہ	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ضرور مرحمت فرمائی گئی
علیہ وسلم وانہا لم یتکرھا	یہ ایسی یقینی بات ہے جس کا کوئی دین کی سمجھ رکھنے والا
متذبر مع ما اطلعہ اللہ علیہ	شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ آپ
خصوصاً من الغیوب التی لم	کو ایسے خاص غیوب پر بھی مطلع فرمایا گیا، جن کی آپ کے

---

[1] پ ۷، سورہ المائدہ، آیت ۱۱۸

یطلع علیہا غیرہ من الفتن	سوا کسی کو اطلاع نہیں بخشی گئی مثلاً اِس کائناتِ ارضی
الکائنات التی لم یخبر بہا	پر ظہور پذیر ہونے والے فتنے، ان کی خبر فخرِ دو عالم
سواہ من المرسلین صلی اللہ	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی یا مرسل
علیہ وسلم۔ (صفحہ)	نے بالکل نہیں دی۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی والدۂ ماجدہ کی جانب بھیجا گیا، جو مکمل بشر کی صورت میں حاضر ہوئے اور کہا :

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ	بے شک میں تیرے رب کا بھیجا ہُوا ہُوں کہ میں
لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ [1]	تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

نیز جب کنواری ہونے کے باعث عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر قوم نے اعتراض کیا تو مریم علیہا السلام نے آپ کی جانب اشارہ فرمایا۔ اُس وقت اللہ ربّ العزت نے آپ کو قوتِ گویائی مرحمت فرمائی اور پنگوڑے میں تشریف فرما ہونے کے باوجود آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے فرمایا :

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ	بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب
جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ [2]	دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

معلوم ہُوا کہ عیسیٰ علیہ السلام دُنیا والوں کے لیے بہت بڑی نشانی اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال تھے۔ لیکن یہ نہیں سُنا گیا کہ دُوسرے کسی نبی کو ایسی خصوصیت مرحمت فرمائی گئی ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ خصوصیات مرحمت فرمائی گئی تھیں اور اِن جیسی متعدد اور بھی، جو آپ کی پیدائشِ مقدسہ سے متعلق تھیں اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے تشریف لانے کی بشارت دے دی گئی تھی اور تولّد کے وقت بھی متعدد عجیب باتیں ظہور میں آئیں۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنی والدۂ ماجدہ کے شکم مبارک میں تشریف فرما ہونے کی کئی چیزوں نے دلالت کی۔ منجملہ اُن کے قریش کے ہر جانور نے اُس رات کلام کیا

---

[1] پ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۱۹

[2] پ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۳۰

اور کہا: ربِ کعبہ کی قسم، نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدۂ ماجدہ کے بطنِ مبارک میں تشریف لا چکے ہیں۔

آپ کا وجود دُنیا کے لیے امن و سلامتی کا ضامن ہے اور آپ اس کائناتِ ارضی و سماوی کے سُورج ہیں۔ قریش اور عرب کے دیگر قبائل میں کوئی کاہن مرد یا عورت ایسا باقی نہ رہا جس کے پاس خبریں لانے سے اُس کا جن روک نہ دیا گیا ہو، گویا کاہنوں کا علم آپ کی تشریف آوری کے باعث چھن گیا۔ بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو کر گر گئے اور شاہانِ عالم مُہر بلب، اُس روز اُن میں سے کوئی بھی کلام نہ کر سکا۔ مشرق کے درندوں نے مغرب کے درندوں کو بشارت دی۔ سمندروں نے ایک دُوسرے کو آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ شکمِ مادر میں رونق افروز ہوتے ہی ہر ماہ ایک آواز زمین پر اور دُوسری آسمان پر سُنی جاتی تھی کہ دنیا والوں کو مبارک ہو کہ حضرت ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برکتیں اور رحمتیں لے کر دنیا میں تشریف لا رہے ہیں۔

آپ کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب حمل کو کئی ماہ گزر گئے تو کسی نے مجھے خواب کی حالت میں پیر کی آہٹ سے اپنی جانب متوجہ کرتے ہُوئے کہا: اے آمنہ! تیرے شکمِ مبارک میں وہ نادرِ روزگار ہستی ہے جو دونوں جہانوں میں سب سے بہتر ہے۔ جب وہ رونق آرائے گیتی ہو جائے تو اس کا نام محمد رکھنا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اِس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ جس طرح بچّوں کی پیدائش کے وقت عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے اُسی طرح مجھے بھی دردِ زِہ شروع ہُوا۔ ہماری قوم کے کسی مرد یا عورت کو اُس وقت یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ مَیں گھر میں اکیلی ہُوں۔ آپ کے جدِ امجد حضرت عبد المطلب اُس وقت خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے ایک سخت آواز سُنی، جو قابلِ ذکر ہے اور مَیں اُس سے خوفزدہ ہوئی۔ وہ پیر کا روز یعنی دوشنبہ تھا۔ اسی اثناء میں کیا دیکھتی ہُوں کہ ایک سفید پرندہ میرے دل کے اُوپر اپنا پَر پھیر رہا ہے جس کے باعث خوف، گھبراہٹ اور درد کا تصوّر تک میرے نزدیک نہ رہا۔ اِس کے بعد اچانک ایک سفید چیز نظر آئی، میں نے سمجھا تھا کہ وُہ دُودھ ہے، چونکہ مجھے سخت

پیاس محسوس ہو رہی تھی، اسی لیے میں نے اُس میں سے کچھ پی لیا تو فوراً میرے پاس سے ایک نور چمکتا ہُوا فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ اِس کے بعد مَیں نے چند عورتوں کو دیکھا جو کھجور کے درختوں کی طرح دراز قد تھیں، گویا وہ حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں اور وہ میرے گرد کھڑی تھیں ۔ میں نے سمجھا چونکہ میں متعجب ہو کر کہہ رہی تھی وَا غَوْثَاہُ یعنی اے فریاد رس! شاید یہ عورتیں میری تکلیف کو محسوس کر کے خبر گیری کے لیے آئی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک عظیم اور خوفناک آواز سُنی تھی۔ اِسی اثناء میں اچانک کیا دیکھتی ہُوں کہ زمین و آسمان کے درمیان سفید ریشم لٹک رہا ہے اور کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ اُسے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دو۔

آپ فرماتی ہیں کہ مَیں نے چند مرد دیکھے جو اپنے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے پکڑے ہُوئے فضا میں کھڑے تھے۔ اُس وقت میرے جسم سے مشک جیسا خوشبودار پسینہ موتیوں کی طرح ٹپک رہا تھا اور مَیں کہہ رہی تھی: کاش! حضرت عبدالمطلب اِس وقت میرے پاس ہوتے کیونکہ وہ مجھ سے دُور گئے ہُوئے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ مَیں نے بہت سے پرندے دیکھے، نہیں معلوم وہ کہاں سے آئے تھے؟ اُن میں سے ہر ایک کی چونچ زمرّد کی اور پَر یاقوت کے تھے۔ اُنھوں نے میرے حُجرے کو گھیر رکھا تھا۔ مزید فرمایا:

فکشف لی عن بصری فابصرت	اُس وقت میری نگاہوں کے سامنے سے پردے
فی ساعتی مشارق الارض و	اُٹھ گئے، پس میں نے زمین کو مشرق اور مغرب
مغاربھا ورأیت ثلاثۃ اعلام	تک دیکھ لیا تھا۔ اسی دوران میں یہ بھی مَیں نے
مضروبات علماً فی المشرق و	دیکھا کہ تین جھنڈے گڑے ہُوئے ہیں۔ ایک
علماً فی المغرب وعلماً علی	جھنڈا مشرق میں تھا، دوسرا مغرب میں اور
ظھر الکعبۃ۔ (ص۸۲)	تیسرا خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔

آپ کا بیان ہے کہ درد کی شکایت کے باعث میری حالت عجیب و غریب تھی۔ اِسی اثناء میں کیا دیکھتی ہُوں کہ چند عورتوں نے مجھے سہارا دیا ہُوا ہے۔ وہ قطار اندر قطار میرے پاس آ رہی تھیں اور میرے گھر میں اِس قدر عورتیں جمع ہو گئیں کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اِس غیبی برات کی آمد پر وہ آقائے کائنات میرے بطن سے فضائے عالم میں رونق افروز ہو گئے۔ دنیا میں تشریف

لاتے ہی آپ نے سجدہ کیا اور عجز و نیاز پیش کرنے کے ساتھ شہادت کی دونوں اُنگلیاں اُٹھائی ہُوئی تھیں۔ پس آپ کو اِس حالت میں تعجب کے ساتھ دیکھ رہی تھی کہ ایک سفید بادل نظر آیا، جو آسمان سے زمین کی جانب اُترا اور اُس نے آپ کو ڈھانپ لیا پھر مجھ سے غائب کر دیا۔ اِس کے بعد ایک ندا کرنے والے کی آواز سُنی، جو کہہ رہا تھا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو زمین کے مشرق و مغرب کی سیر کراؤ اور تمام سمندروں کو آپ کی زیارت کے شرف حاصل کرنے کا موقع دو، تاکہ وُہ آپ کو اوصاف اور صورت کے لحاظ سے پہچانیں اور جان لیں کہ آپ ماحی کے اسم سے موسوم ہیں کیونکہ آپ کی بدولت شرک ایسا مٹے گا کہ اُس کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وُہ سفید بادل ہٹ گیا اور آپ صُوف کے سفید کپڑوں میں ملبوس آرام فرماتے۔ اُس کپڑے کا رنگ دُودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ آپ کے نیچے سبز ریشم تھا اور ہاتھ میں تین چابیاں تھیں، جن کا رنگ موتیوں کی طرح چمکدار تھا۔ ایک شخص یہ منادی کر رہا تھا کہ سرورِ عالم نے نصرت، ذبح اور نبوت کی کنجیاں سنبھال لی ہیں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ عیسٰی علیہ السلام مٹی سے پرندہ بناتے اور وُہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اِس قسم کے معجزات صادر ہوئے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جنگِ بدر میں ٹوٹ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُنھیں لکڑی مرحمت فرمائی جو کسی پودے کی جڑ تھی۔ وُہ اُن کے ہاتھ میں لوہے کی ایک ایسی تلوار بن گئی جو سفید، مضبوط اور لمبی تھی اور وُہ فرمانِ مصطفیٰ کے مطابق اُسی تلوار کے ذریعے معرکہ آرا رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین مرحمت فرمائی۔ وُہ ایامِ ردّت تک اُسی تلوار کے ساتھ جنگوں میں حصّہ لیتے رہے۔ جو بات اِس میں ہے کہ لکڑی کو لوہا بنا دیا اور وُہ مدتوں تلوار کی شکل میں کام دیتا رہا وہی نوعیت اس جانب ہے کہ مٹی سے پرندہ بنا دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے ہاتھ میں سخت پتھروں سے اللہ جل شانہٗ کی تسبیح و تقدیس کے ترانے سُننا، درختوں اور پتھروں کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا، درختوں کا آپ کے حکم پر جمع ہونا اور ایک دُوسرے سے مل جانا یہ جُملہ امُور مُردے زندہ کرنے اور مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اُڑا دینے کے مانند ہیں یعنی اِن معجزات کی نوعیت ایک ہی جیسی رہتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اندھوں، بہروں اور کوڑھیوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ جنگِ اُحد کے دوران تیر لگنے سے باہر نکل آئی تھی۔ اُنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُس نکلی ہوئی آنکھ کو اُس کے مقام پر رکھ دیا اور وہی آنکھ اِس طرح کام کرنے لگی کہ کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرتا تھا کہ ان کی کوئی سی آنکھ متاثر ہوئی تھی۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اُس آنکھ کی بینائی دُوسری سے بڑھ گئی۔

حافظ ابُونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حبیب بن خدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے والدِ محترم اُنھیں ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اُن کی آنکھیں بالکل سفید ہو چکی تھیں، جس کے باعث بینائی ختم ہو چکی تھی۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اِس کی وجہ دریافت فرمائی۔ عرض گزار ہُوئے کہ میرا پاؤں ایک سفید سانپ کے اُوپر پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے میری بینائی جاتی رہی اور اُس وقت میں اپنے اُونٹ کی ٹانگیں مل رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر دَم کیا تو بینائی لوٹ آئی۔ حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے والدِ محترم کو دیکھا کہ عمر کی اسّی منزلیں طے کر لینے کے باوجود بینائی کا یہ حال تھا کہ سُوئی میں دھاگا ڈال لیا کرتے تھے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ بدر کے روز مجھے تیر لگا، جس کے باعث میری ایک آنکھ باہر نکل آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور دُعا فرمائی تو میری تکلیف بالکل جاتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں خیبر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگایا جبکہ وہ آشوبِ چشم تھے، تو فوراً تندرست ہو گئے اور اِس کے بعد کبھی یہ عارضہ پھر لاحق نہ ہُوا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیمار اور مصیبت زدہ آتے تو آپ اُن کے حق میں دُعا فرماتے اور اپنا دستِ شفقت اُن پر پھیرتے تو وہ تندرست ہو کر واپس لوٹتے تھے۔

بارگاہِ رسالت میں ایک بچّہ لایا گیا جسے شیطان تنگ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

اے خدا کے دشمن! دُور ہو جا۔ فوراً اُس بچے نے قے کر دی اور ساتھ ہی وُہ شرارتی جن پلے (کُتے کا بچہ) کی شکل میں نکل کر بھاگ گیا اور اُس بچے کی تکلیف دُور ہو گئی حالانکہ وُہ پرندے کے اُس بچے کی مانند ہو گیا تھا، جس کے علالت کے باعث بال بھی جھڑ گئے ہوں۔ پھر آپ نے اُس کے لیے دُعا فرمائی تو یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی رسیوں سے باندھے ہُوئے کو کھولا جا رہا ہو۔ ایسے کتنے ہی واقعات ہیں کہ بیماروں نے آپ کے ذریعے شفا پائی۔ جو بارگاہِ رسالت سے شفا کے طلب گار ہُوئے اور اپنی تکلیف بیان کی، تو آپ ان کے لیے دُعا فرماتے اور وُہ صحت و تندرستی سے ہمکنار ہو کر لوٹتے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابیض بن حمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے چہرے پر کوئی پھوڑا جیسی چیز تھی جس کے باعث اُن کی ناک بھی ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ کرم پھیرا تو اُن کے چہرے پر پھوڑے کا نشان تک نہ رہا۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز مجھے مہمان کی حیثیت میں ایسے لوگوں کے پاس ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، جن کے ہاں گوشت کی ہانڈی اُبل رہی تھی۔ مجھے اُس کی چربی بہت پسند آئی اور زیادہ مقدار میں کھا گیا۔ اِس کے بعد متواتر ایک سال تک بیمار رہا، تو مَیں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اِس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا، تمھیں سات آدمیوں کی نظر لگی ہے۔ اِس کے بعد میرے پیٹ پر اپنا دست مبارک پھیرا تو مجھے سبز رنگ کی قے آئی اور تندرست ہو گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اُس روز سے لے کر آج کے دن تک میرے پیٹ میں پھر کبھی درد نہیں ہُوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ اِس سے بھی عجیب تر وہ واقعہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کو بلند فرمایا اور معجزہ بھی ایسا جسے ایک پُوری جماعت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یعنی آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی بکری کو زندہ کیا تھا نیز یہ معجزہ بھی عجیب ہے کہ آپ کے عہدِ مبارک میں ایک انصاری عورت کے لڑکے کو زندہ فرمایا گیا انکے علاوہ بھی حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ اور کئی واقعات احادیث سے

پیش کیے ہیں، جو اِس بارے میں وارد ہُوئی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے کیونکہ جو کچھ لوگ کھاتے تھے اور جو گھروں میں جمع کر کے رکھتے، وُہ اُن کے متعلق بتا دیا کرتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو غیبی امور کے بارے میں خبریں دی ہیں وُہ اِن سے زیادہ عجیب ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف اُن چیزوں کی خبر دیتے تھے جنھیں لوگ گھروں کی چار دیواری میں کھاتے پیتے تھے لیکن فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن چیزوں کی خبر بھی دے دیا کرتے تھے جو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے پر ہوں مثلاً آپ نے نجاشی کے وصال کی خبر دی نیز غزوۂ موتہ میں معرکہ آرائی کرنے والے سپہ سالاروں یعنی حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہید ہونے کی خبریں دیں۔ جب کوئی شخص کچھ پوچھنے آتا تو آپ فرماتے: اگر تم چاہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؛ چنانچہ اِس قسم کے متعدد واقعات ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ واقعہ ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا تھا کہ جنگِ بدر میں مشرکین کے سرداروں کی ہلاکت کے بعد، اُنھوں نے اور صفوان بن اُمیہ نے اِس بات پر اتفاق کیا تھا کہ وُہ خفیہ طور پر پتھر کے ساتھ آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ جب عمیر نے یہ بات سُنی تو مسلمان ہو گئے۔ غیب کی خبریں دینے کے بارے میں قرآن و حدیث کے کتنے ہی دلائل پیچھے گزر چکے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیر و سیاحت بھی کی تھی اور وُہ جنگلات میں سفر کیا کرتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ اِس سے عظیم سیاحت فرمائی اور وُہ جہاد ہے۔ چنانچہ آپ نے دس سال کے عرصے میں کتنے ہی شہر اور دیہات سطے کیے اور قبائل فتح فرمائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام زاہد تھے۔ تھوڑی چیز پر قناعت کرتے اور معمولی شئے سے بھی راضی ہو جایا کرتے تھے۔ جب تک اِس زمین پر تشریف فرما رہے تو بقدرِ کفایت چیز پر ہی گزارہ کرتے رہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ زاہد تھے۔ آپ کا دسترخوان خالی اُٹھایا جاتا تھا۔ آپ نے

کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی تھی۔ فاقے کے باعث اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ آپ کا لباس اُون کا، بچھونا بکری کے چمڑے کا اور تکیہ بھی چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کا بورا بھرا ہوا ہوتا تھا۔ بعض اوقات دو تین مہینے تک آپ کے گھر میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ بوقتِ وصال آپ کی زِرہ رہن رکھی ہوئی تھی حالانکہ:

ولم یترک صفراء ولا بیضاء مع ما عرض علیہ من مفاتیح خزائن الارض و وطی له من البلاد ومنح من غنائم العباد فکان صلی اللہ علیہ وسلم یقسم فی الیوم الواحد ثلاثمائۃ الف و یعطی الرجل مائۃ من الابل ویعطی ما بین الجبلین من الاغنام ویاتیه السائل فیقول صلی اللہ علیہ وسلم والذی بعثنی بالحق ما امسی فی اٰل محمد صاع من شعیر ولا من تمر اجوع یومًا و اشبع یومًا فاذا جعت تضرعت واذا شبعت حمدت وکیف لا یکون کذلک من عظم اللہ خلقه۔ (صفحہ)	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے چاندی کا ترکہ نہیں چھوڑا حالانکہ آپ کے حضور زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی تھیں۔ آپ نے کتنے ہی شہروں کو فتح کیا اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت اور غلام ہاتھ لگتے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی روز میں تین ہزار تک تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ ایک آدمی کو آپ نے ازراہِ کرم ایک سو اُونٹ مرحمت فرما دیئے۔ آپ نے ایک آدمی کو اتنا بڑا ریوڑ عنایت فرمایا جس سے دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ بھری ہوئی تھی۔ اگر کوئی سائل آتا تو شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے: قسم اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آلِ محمد کے گھر میں شام تک جَو یا کھجور کا ایک صاع بھی نہیں بچا۔ میں ایک روز بھُوکا رہتا ہوں اور دُوسرے روز سیر ہو کر کھا لیتا ہوں جب بھُوکا رہتا ہوں تو بارگاہِ الٰہی میں عاجزی پیش کرتا ہوں اور جب شکم سیر ہوتا ہوں تو شکر بجا لاتا ہوں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں خُلقِ عظیم عطا فرمایا تھا۔

چنانچہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خُلق کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ؁ اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اُٹھائے گئے، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بوقتِ وصال اللہ جل شانہٗ نے یہ اختیار دیا تھا کہ دنیاوی اور اُخروی زندگی میں جسے چاہیں پسند کر لیا جائے۔ آپ نے دنیاوی زندگی پر اُخروی کو ترجیح دی، لیکن آپ کی رُوح مبارک کو قبض کرنے کے بعد اللہ ربّ العزت نے اپنے خاص قُرب میں لے لیا۔ اگر آپ دنیوی بقا کو پسند فرماتے تو حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی طرح آپ بھی آسمانوں اور زمین میں رہتے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں مقیم ہیں اور حضرت خضر اور الیاس علیہما السّلام جہاں چاہتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جاتے رہتے ہیں۔

اِس کے علاوہ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت سے ایک جماعت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمانوں پر اُٹھایا گیا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ تھے، جب اُنھیں آسمان کی طرف اٹھایا جا رہا تھا تو لوگ اُنھیں دیکھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہُوئے تو اُنھیں دشمن کی مقبوضہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔ صحابۂ کرام نے اِس خوف سے کہ کفّار اُن کی لاش کو جوشِ انتقام میں قبر سے نکال کر باہر پھینک دیں گے، اُنھیں دشمن کی مقبوضہ زمین سے منتقل کرنے کے لیے قبر کو کھولا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ معلوم نہیں وہ کدھر چلے گئے۔

حافظ ابُونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے قریش کی جاسوسی کے لیے بھیجا۔ وُہ فرماتے ہیں کہ جب مَیں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس ستون کے قریب پہنچا جس پر اُنھیں باندھ کر شہید کیا گیا تھا۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا لیکن

؁ پ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۴

مَیں ستون پر چڑھ گیا اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو کھولا تو وُہ زمین پر گر گئے اور مَیں بھی اُن کے قریب ہی گرا۔ اُٹھتے ہی مَیں نے لاش کی جانب دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا، گویا اُسے زمین نگل گئی کیونکہ آج کے دن تک حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کا کسی کو پتہ ہی نہیں لگ سکا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مُشرکینِ مکّہ سے بنو حارثہ نے ایک لکڑی کے ستون کے ساتھ باندھ کر قتل کیا تھا۔ حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے پاس گئے اور اُنھیں کھولا، لیکن اِس کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ وُہ گئے کدھر؟ اِس کے بعد اُن کی لاش کسی کو نہ مِل سکی۔ اللہ تعالیٰ اُن سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے ہی اصحاب سے راضی رہے۔ (آمین)

اِس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ مَیں نے اپنی تالیف حجۃ اللہ علی العالمین میں، جو معجزات سرورِ کائنات وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بیان پر مشتمل ہے، مواہبِ لدنّیہ مصنّفہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کا معجزاتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے مقابلہ نقل کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کی جنس ہی سے ہیں۔ مَیں اُن بیانات کو اپنے لفظوں میں بلا کم و کاست بیان کرتا ہوں؛ صحابۂ کرام سے لے کر اب تک کے اولیائے اُمّتِ محمدیہ کی کرامات کا اگر کوئی شخص تتبع کرے تو اُس پر روشن ہو جائے گا کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے ہر معجزے کی جنس سے یہاں اتنی کرامتوں کا وقوع نظر آئے گا، جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اُن میں سے ہزاروں کرامتیں کتابوں میں مذکور و محفوظ ہیں۔ لیکن یہ جمع شدہ کرامتیں غیر جمع شدہ کرامتوں کے مقابلے میں اُتنی ہی قلیل ہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ کیونکہ کرامتوں کا ظہور تو ہر جگہ اور ہر زمانے میں اولیاء اللہ سے ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا اور اولیائے اُمّتِ محمدیہ کی یہ جُملہ کرامتیں ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہیں۔

کتاب حجۃ اللہ علی العالمین کی اشاعت کے بعد مَیں نے ایک اور جامع

کتاب لکھی، جس کا نام میں نے جامع کراماتِ اولیاء رکھا ہے۔ پس بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں جو آگ میں کُود پڑے لیکن اُن پر آگ نے ذرا بھی اثر نہ کیا، جیسے ابو مسلم خولانی تابعی رحمۃ اللہ علیہ۔ علاوہ بریں ایسے واقعات ہر زمانے میں بکثرت واقع ہوتے رہے ہیں حالانکہ دُوسری جانب یہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ بعض بزرگوں نے سمندر کو عبور کیا اور اُنھیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بحرین پر حملہ کیا تو اُنھیں دریا کو بغیر کسی سہارے کے عبور کرنا پڑا، سارا لشکر پار ہو گیا اور ایک آدمی کا نقصان بھی نہیں ہُوا اور نہ کوئی چیز ہی ضائع ہُوئی۔ اِسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدائنِ کسریٰ کو فتح کیا، تو اُنھوں نے بہت بڑے لشکر سمیت دریائے دجلہ کو عبور کیا، حالانکہ اُس میں سیلاب تھا اور دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا[1] لیکن اُن کی کسی ایک چیز کا بھی نقصان نہیں ہُوا۔ جب اہلِ فارس نے اُنھیں اِس طرح دریا عبور کرتے ہُوئے دیکھا تو اُنھیں یہ یقین ہو گیا کہ ضرور یہ جنات ہیں، انسان ہرگز نہیں اور اُن کا لشکرِ جرار یہ کہتے ہُوئے سر پر پیر رکھ کر بھاگ گیا کہ ہم اِن کے ساتھ مقابلے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائنِ کسریٰ پر قابض ہو گئے، حالانکہ یہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ اِسی قبیل سے بعض اولیائے کرام کا پانی کی سطح پر زمین کی طرح چلنا پھرنا ہے اور ہر زمانے میں ایسے واقعات کثیر تعداد میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔

بعض اولیائے اُمتِ محمدیہ کے ہاتھوں مُردے زندہ ہونے کے واقعات بھی مشہور ہیں جیسا کہ متعدد علمائے کرام نے لکھا ہے۔ چنانچہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ (رسالہ قشیریہ) میں لکھا ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقاتِ کبریٰ میں سیّدی شیخ ابراہیم مقبول رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ فقرا سے اُن کے حالات

---

[1] اِسی لیے تو شاعرِ مشرق نے کہا ہے؛ ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

دریافت کیا کرتے اور اُن سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایسے شخص کو دیکھا جو بہت عبادت گزار اور نیکوکار تھا اور لوگ اُس کے بہت معتقد تھے۔ شیخ مقبول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ تم عبادت تو بہت کرتے ہو لیکن تمھارا درجہ بہت ناقص ہے، لیکن تمھارے والدِ محترم تو تم سے ناراض نہیں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ شیخ نے فرمایا: تم اُن کی قبر پہچانتے ہو۔ اُس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ہمارے ساتھ اُن کی قبر پر چلو، شاید وہ راضی ہو جائیں۔ شیخ یوسف کردی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، مَیں نے خود اُس کے والد کو دیکھا کہ وہ قبر سے باہر آ گئے اور سر سے مٹی جھاڑ رہے تھے، حالانکہ شیخ علیہ الرحمۃ نے ابھی آواز ہی دی تھی۔

شیخ مقبول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ فقراء آپ کے لڑکے کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہیں کہ آپ اِس سے راضی ہو جائیں۔ اُس کے والد نے جواب دیا: مَیں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مَیں اپنے لڑکے سے راضی ہو گیا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: تو اپنی جگہ واپس لوٹ جائیے۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا۔ اُس کی قبر راس حسینیہ میں جامع شرف الدین کے قریب واقع ہے، حالانکہ مُردوں کو زندہ کرنا سیّدنا عیسٰی علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اِس کے علاوہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مُردے[1] زندہ کرنا ثابت ہے۔

اولیائے کرام کے ہاتھوں بیماروں کا شفا پانا اور اولیاء اللہ کا غیب کی خبریں دینا یہ بھی بکثرت اولیائے کرام سے ہر جگہ اور ہر زمانے میں واقع ہوتا رہا ہے حالانکہ یہ سیّدنا عیسٰی علیہ السلام سے مشہور ہے۔ اِسی طرح بعض اولیاء اللہ جب ارادہ کرتے تو اُن کے ہاتھوں میں لوہا نرم ہو جایا کرتا تھا۔ منجملہ اُن کے اِس زمانے میں والیٔ کبیر، مشہور بزرگ، شیخ علی عمری شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو طرابلس شام میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عُمر دراز کرے نیز ہمیں اور سب مسلمانوں کو

---

[1] فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے: ؎

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات

ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

اُن سے نفع حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (وُہ ۱۲۲۱ھ میں فوت ہُوئے) مَیں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے بچشمِ خود دیکھا ہے کہ وُہ دائیں ہاتھ سے لوہے کی بڑی چابی کو پکڑ کر اُنگلی سے لپیٹ لیا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ مَیں نے اُن کی یہ کرامت اور بھی کتنے ہی ثقہ حضرات سے سُنی، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے ایسے واقعات دیکھے تھے۔

اُنھوں نے شیخ علی عمری شامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وُہ چاندی کو بھی لوہے کی طرح ہی جدھر چاہتے توڑ مروڑ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ وُہ ریال مجیدی یا اُس جیسے دُوسرے کسی سِکّے کا ایک کنارہ کسی کے مُنہ پر رکھتے اور دُوسرے سرے کو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کی ذرا سی حرکت سے یُوں بآسانی دوہرا کر دیتے جیسے وُہ آٹے سے بنایا گیا ہے۔ پھر اُسی حالت پر اُسے رہنے دیتے اور وُہ شخص اُسے تبرک کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھتا تھا۔ مَیں نے خود اور دیگر مختلف حضرات نے اُن کی متعدد کرامتیں دیکھی ہیں، جن میں سے بعض کا وقوع ہم نے اولیائے سابق سے سُنا ہے اور بعض کا واقع ہونا سُنا بھی نہیں ہے۔ اگر شیخ موصوف کی کرامتیں بیان کی جائیں تو اُن کا شمار ہزاروں تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی برکات سے ہمیں دنیا و آخرت میں لُطف اندوز کرے۔ اِس میں شک نہیں کہ لوہے کا نرم کرنا سیّدنا داؤد علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔

بعض اولیائے کرام صاحبِ خطوہ ہوتے ہیں، جو ذرا سی دیر میں مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ طے کر لیا کرتے ہیں۔ بعض ہوا میں اُڑتے ہیں۔ بعض وُہ ہیں جن کے جِنّات تابع ہوتے ہیں۔ یہ تینوں قسم کی کرامتیں ایسی ہیں کہ اولیائے اُمتِ محمدیہ سے اِن کا وقوع اِس کثرت سے ہُوا ہے جن کے بیان سے بے شمار کتابیں بھری پڑی ہیں حالانکہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشہور معجزے ہیں۔

اگر ہر نبی اور رسول کے معجزات کو شمار کرو اور اولیائے اُمتِ محمدیہ کی کرامتوں کو اُن کے بالمقابل رکھو تو صاف نظر آئے گا کہ اُن میں کمال درجہ مطابقت ہے۔ علاوہ بریں خود سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کثیر معجزات کو اُن کے ساتھ مطابقت ہے۔ یہ جان لینے کے بعد فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علیحدہ علیحدہ ہر معجزے کی اُن کے ساتھ

مطابقت دکھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

امام خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور اُس نے اُنھیں نہ جلایا اسی طرح فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی کفّار کے ساتھ جنگ وجدل کی آتشِ شعلہ بار سے دوچار ہوئے لیکن وُہ آپ کو جلا نہ سکی۔ اُن کی تفصیلات میں جانے کی یہاں حاجت نہیں ہے کیونکہ یہاں تو اولیائے اُمتِ محمدیہ سے بھی اِس قسم کے بے شمار واقعات ظہور پذیر ہُوئے بلکہ عوام تک سے جو سیّد احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہیں اور یہ شیخ موصوف ہی کی کرامت ہے۔

لیکن میں (علامہ یُوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) دُوسرے اعتبار سے کہتا ہُوں کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر انبیائے کرام پر فضیلت دینے میں اِس بات کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آپ کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں، جبکہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت اُن پر اور ساری مخلوق پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اِس امر کے دلائل اتنے کثیر اور واضح ہیں کہ اہلِ علم اور صاحبِ بصیرت کو اِنکار کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی افضلیت ایسی واضح ہے کہ ایک عام مسلمان جسے انبیاء ومُرسلین کے حالات وکمالات اور اُن کی شرائع کی معرفت حاصل ہے، وُہ بھی اِس سے بے خبر نہیں اور اُس کے سامنے بھی اِس حقیقت کے بے شمار دلائل موجود ہوں گے۔

دیگر انبیاء ومرسلین سے اُن معجزات کا ظہور ہوتا تھا، جو اُن کے زمانہ والوں کے حال کے مناسب ہوتا تھا، جن کی جانب اُنھیں مبعوث فرمایا جاتا تھا، جیسے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بہت زور تھا، آپ کے لیے ایسا ہی معجزہ درکار تھا جس کے باعث جادوگروں کو مغلوب کرسکیں اور اُس کی بدولت جادوگروں سے ممتاز ثابت ہوں، چنانچہ آپ کو عصا مرحمت ہُوا جو اژدہا بن جاتا تھا اور مقابلے کے وقت وُہ ساحروں کی ساری رسیّوں کو نگل گیا، جو لوگوں کی نگاہوں میں چلتے پھرتے سانپ معلوم ہوتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں پر علمِ طب کی معرفت کا غلبہ تھا۔ چنانچہ آپ کو ایسا ہی معجزہ ملنا چاہیے تھا، جس کے وقوع کا کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ طب تصوّر

بھی نہ کر سکے، چنانچہ آپ کو مُردے زندہ کرنے اور کوڑھیوں، مادر زاد اندھوں کو شفا دینے کا معجزہ مرحمت ہُوا۔

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے جو معجزات کسی سبب کی مناسبت سے واقع ہُوئے اُن میں سے بعض سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہیں کہ اُن پر آگ سرد اور سلامتی والی کر دی گئی جبکہ دُشمنوں نے اُنھیں آگ میں ڈالا تھا۔ اِس معجزے کے وقت کفّار کا مقصد سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا تھا۔ اگر ہم ایسے ہی معجزے کا سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی اثبات کریں تو ہمیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ آپ پر بھی آگ سلامتی والی سرد ہوئی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی باتوں کا وقوع تو اُمتِ محمدیہ کے بکثرت اولیائے کرام تک سے ہُوا ہے جیسا کہ اِس سے پہلے مذکور ہُوا۔

ایسے معجزات میں سے بعض سیدنا مُوسٰی علیہ السلام سے متعلق ہیں کہ اُن کے لیے سمندر کھُل گیا تھا۔ یعنی اپنے لشکر سمیت فرعون اُن کا تعاقب کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سمندر کو پھاڑ کر راستے بنا دیے تاکہ وُہ اپنی قوم سمیت دشمن سے نجات پا جائیں۔ اگر اِسی قسم کا معجزہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا ہو گا تو ایسے ہی واقعے کا صدور دکھانا ہو گا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِس طرح کی مدد تو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیائے کرام تک کی فرمائی ہے۔ صاحبِ مواہب نے جو نقل کیا ہے اُدھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اُنھوں نے نقل کیا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات زمین و آسمان کے درمیان ملفوف نامی سمندر کو عبور کیا اور اِسے مُوسٰی علیہ السلام کے معجزے کی مثل قرار دیا ہے۔ صحیح مطابقت میں یہ واقعات مذکور ہو چکے کہ حضرت علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر سمیت سمندر کو عبور کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو لے کر بغیر کسی معمولی نقصان کے دریائے دجلہ کو عبور کر گئے۔ یہ کرامتیں واقعی انفلاقِ بحر (سمندر پھٹنے) کے معجزے کی طرح ہیں۔

اِن معجزات میں سے بعض اور بھی حضرت مُوسٰی علیہ السلام سے متعلق ہیں مثلاً جب اُن کی قوم کو پانی کی حاجت ہُوئی اور کہیں پانی نہ مِلا تو مُوسٰی علیہ السلام نے پتھر پہ عصا مارا

اور اُس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے تھے۔ اِس جیسا بلکہ اس سے بھی عظیم معجزہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف صورتوں میں متعدد بار ظاہر ہُوا، جن کا وقوع مختلف اوقات اور مختلف جگہوں پر ہُوا، جیسا کہ صُلح حدیبیہ اور جنگِ تبوک کے مواقع پر ایسے معجزات کا صدور ہُوا۔ ہم اُن کی تفصیل مناسب مقام پر پیش کریں گے۔ علاوہ بریں بعض اوقات تھوڑے پانی میں لعابِ دہن ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ اُس پانی میں اِتنی برکت پیدا کر دیتا کہ وہی پانی ایک بہت بڑے لشکر کے لیے کافی ہو جاتا اور کبھی مسلمانوں کو تیر مرحمت فرما دیتے کہ اُسے خشک چشمے پر رکھ دیا جائے تو اُس چشمے سے پُورے جوش و خروش کے ساتھ پانی نکلنا شروع ہو جاتا تھا اور کبھی اپنے دستِ کرم کو پیالے میں رکھتے، جس میں تھوڑا سا پانی ہوتا تو آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑتے، یہاں تک کہ خواہ وُہ کتنی ہی تعداد میں ہوتے لیکن پانی کافی ہو جاتا۔[1] اِس میں کوئی شک نہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معجزہ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے معجزے سے عظیم تر ہے کیونکہ پتھر سے پانی کا جاری ہونا پھر عادی ہے اگرچہ معجزے کی صورت کے لحاظ سے اِس کی نوعیت ہی مختلف ہے لیکن انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا تو بالکل ہی عادی نہیں ہے۔

اِن میں سے بعض معجزات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہُوئے جیسا کہ وُہ بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ چنانچہ اِس قسم کے معجزات سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت ظہور پذیر ہُوئے، جو حدو شمار سے باہر ہیں۔ اِن کا تفصیلی بیان بھی عنقریب آگے آئے گا بلکہ بیماروں کو تندرستی دینا تو اولیائے اُمتِ محمدیہ سے ہر زمانہ اور ہر مقام پر واقع ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اِن میں سے جو شیخ علی عمری رحمۃ اللہ علیہ سے واقع ہُوئے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اُن کا شمار کیا جائے تو مختلف بیماریوں کے باعث وُہ ہزاروں کی تعداد کو پہنچتے ہیں۔ اگر ایک قلیل عرصے کے لیے بھی کسی کو اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تب بھی یہی سامنے آتا کہ بے شمار مریض

---

[1] اسی لیے مجدّدِ مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ؎

اُنگلیاں ہَیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھُوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

آپ کے باعث شفایاب ہو رہے ہیں حالانکہ اِس کے علاوہ اور متعدد قسم کی کرامتوں کا ظہور اُن سے دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے فیوض و برکات سے بہرہ مند کرے۔ (آمین)

اِن میں سے بعض معجزات سیدنا سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہیں، جیسا کہ جن اُن کے تابع تھے اور یہ اُن کے ملک کی قوت و شوکت کی مناسبت کے لحاظ سے تھا۔ یہ شرف اُنھیں باری تعالیٰ نے مرحمت فرمایا تھا جبکہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ معجزہ ثابت ہے کہ جن آپ کے تابع فرمان تھے۔ جنوں کی بھاری تعداد آپ پر ایمان لائی اور طاعت گزاری پر کربستہ رہی، علاوہ ازیں آپ کی اُمت کے اولیائے کرام جب چاہیں جنات سے خدمات لیتے ہیں بلکہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمت گزاری کا تو فرشتے بھی شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ جنگِ بدر اور دیگر مواقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیج کر آپ کی مدد فرمائی۔ اُن خدمت گزار فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی مرحمت ہُوا تھا کہ ہَوا اُن کے تابعِ فرمان کر دی گئی تھی کہ اُس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل بھی ایک مہینے کی راہ ہُوا کرتی تھی۔ یہ بھی آپ کی مملکت کی شان و شوکت کے لیے تھا، جس کے ذریعے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو فضیلت بخشی تھی۔ لیکن اِس سے بھی عظیم تر معراج کی رات کا واقعہ ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ایسا معجزہ ہے جس کے ساتھ دیگر انبیاء کے کسی بھی معجزے کو کوئی نسبت نہیں۔ چنانچہ آپ کو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک، وہاں سے آسمانوں تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے لامکان تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سَیر کرائی، جس کے بارے میں سَیر کرانے والے اور سَیر کرنے والے کے سوا اور کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ پھر رات کے قلیل عرصے میں واپس تشریف بھی لے آئے۔ کفارِ مکہ کو بیت المقدس کی تفصیلات بھی بتائیں، اُن کے قافلے کا ذکر بھی فرمایا، جو راستے میں ملا تھا، چنانچہ آپ کی یہ خبر واقعات کے مطابق ہی ثابت ہُوئی۔ حالانکہ اہلِ مکہ جانتے تھے کہ اِس سے پہلے آپ کبھی بیت المقدس نہیں گئے تھے۔ (اِن حالات میں وُہ انکار کی گنجائش نہیں پاتے تھے)

رہا یہ معجزہ کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم ملک عطا فرمایا تھا

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ وہ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی عبد۔ آپ نے نبی عبد ہونے کو پسند فرمایا تھا۔ ایک فرشتے نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ تہامہ کی پہاڑیوں کو آپ کے لیے سونا بنا دیا جائے؟ آپ نے انکار فرما دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اِس معجزے کی مناسبت کے لحاظ سے متعدد معجزات وقوع پذیر ہوئے، جن کا عنقریب ذکر ہوگا۔ (اِنشاءاللہ تعالیٰ)

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایسے معجزات سے ایک یہ ہے کہ آپ نے جب ہجرت فرمائی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غارِ ثور میں آرام فرما ہوئے تو غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ جب قریش کے جوان (تلاش کرنے والے) وہاں پہنچے تو غار میں داخل نہ ہوئے۔ اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ مکڑی کا یہ جالا تو غار کے مُنہ پر اُن کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے اور اِس طرح نا اُمید ہو کر واپس لوٹ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر چل پڑے تو سراقہ بن مالک آپ کے پیچھے لگ گیا، تاکہ گرفتار کر کے قریش کے حوالے کرے اور انعام کے سَو اُونٹ حاصل کرے۔ جب آپ کے قریب پہنچا تو اُس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور وہ فریاد کرنے لگا۔ آپ نے دُعا کی تو خلاصی پاتے ہی واپس لوٹا اور سیدھا اپنے گھر جا پہنچا۔

اِس کے بعد آپ نے اُمِ معبد کے خیمے میں قدم رنجہ فرمایا، تو اُس کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ مہمان نوازی کا فریضہ ادا کرتی۔ اُس کے پاس صرف ایک بکری تھی جو بے حد کمزور ہو چکی تھی اور کمزوری کے باعث اُس کا دُودھ خشک ہو گیا تھا اور باہر جانے سے بھی عاجز تھی۔ آپ نے اُس بکری کا دُودھ دوہا، جو آپ، ابوبکر صدیق اور دُوسرے ساتھیوں نے خُوب سیر ہو کر پیا۔ اِس کے بعد دُوسرے برتن میں دوہا اور اُسے بھی دُودھ سے بھر دیا اور اُسے اُمِ معبد کے حوالے کر کے آپ سرگرم سفر ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض لڑائیوں میں کنکریاں اور مُٹھی بھر مٹی پھینکی، جو اُن سب تک پہنچی اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ صحابۂ کرام کے کھانے پینے کی

چیزوں میں بوقتِ ضرورت آپ کی بدولت اِتنی برکت ہوجایا کرتی تھی کہ تھوڑی چند افراد کی ضرورت کا کھانا ہزاروں کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی زخم ہوتا یا پنڈلی ٹوٹ گئی ہوتی یا آنکھیں درد کرتی ہوں اور اُن سے پیپ بہتی ہو یا کسی کی آنکھ اُس کی جگہ سے نکل جاتی اور آپ اُس پر اپنا دستِ کرم پھیرتے تو تکلیف اور شکایت دُور ہو جاتی۔ اسی طرح حالات کے مطابق آپ سے غیب کی خبریں واقع ہوتی رہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بعض معجزات کا دیگر انبیائے کرام سے صادر ہونا اور اُن جیسے معجزات کا فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگر ظاہر نہ ہوں تب بھی اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن حضرات کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فضیلت و سیادت حاصل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ یہ نظریہ آپ کے مِنْ کُلِّ الْوُجوہ فضائل و کمالات کے عقیدے کا خلاف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس معجزے کا کسی نبی سے صدور ہُوا اُس کا مقتضیٰ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں پایا ہی نہ گیا ہو اور اِس طرح بعینہٖ اُس معجزے کے صادر ہونے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور اُن کی خاطر سمندر کا پھٹ جانا اور صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبے پر پتھر سے اُونٹنی کا پیدا ہو جانا، اِن کا مقتضیٰ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں پایا ہی کب گیا؟ لیکن دُوسری جانب اِن سے بھی عظیم تر معجزات کا آپ سے وقوع ہو گیا۔

کفار کا آپ سے انشقاقِ قمر (چاند پھٹنے) کا مطالبہ کرنا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، یہ ایسا معجزہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات میں قطعاً اِس کی نظیر نہیں پائی جاتی چہ جائیکہ آپ کے عظیم ترین معجزہ یعنی قرآنِ کریم کی نظیر پائی جائے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا جبکہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کا آج نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے معجزات بھی کثرت سے صادر ہونے کہ اُن جیسے معجزات کا کسی نبی سے صدور نہیں ہُوا بلکہ آپ کی اُمت کے بعض اولیائے کرام سے ایسی عظیم کرامتیں بھی ظہور میں آئی ہیں کہ معجزے کے طور پر اُن کا وقوع دیگر انبیائے کرام سے نہیں ہُوا۔ نہ اُن کی مثل اور نہ اُس جنس سے۔ لیکن اِس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جن اولیائے عظام سے ایسی کرامتوں کا

وقوع ہُوا ۔ ایسے حضرات کو اُن انبیاء و مرسلین پر فضیلت حاصل ہو جائے جن سے اِن کرامتوں جیسے معجزات کا صدور نہیں ہُوا اور اولیائے کرام پر رسولوں کو جو افضلیت حاصل ہے اُس میں ایسے معجزات کے صادر نہ ہونے کے باعث کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ۔ اِس کے متعدد وجوہ ہیں :

پہلی وجہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفضول سے وُہ کام صادر ہوگیا جس کے صدور کی افضل کو ضرورت پیش نہ آئی ۔

دُوسری وجہ اِس اُمت کے اولیائے کرام کی تمام کرامتیں ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہیں ۔ اِس صورت میں سب پر حقیقی افضلیت فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے اور اُمتِ محمدیہ کے ایسے اولیاء اللہ کو بالتبع ایک گونہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے ۔

تیسری وجہ جس مناسبت کے باعث کسی ولی سے ایسی کرامت کا صدور ہوا وُہ مناسبت یا ضرورت اُس نبی کے زمانے میں پیش آتی تو عین ممکن ہے کہ نبی سے معجزے کی صورت میں وُہی کچھ ظاہر ہوتا بلکہ اِس سے عظیم تر ۔

چوتھی وجہ جُملہ اولیائے کرام پر ہر نبی کو جو فضیلت حاصل ہے وُہ دُوسرے فضائل اور دلائل کے لحاظ سے ہے ۔ اگر ایک فعل بطورِ کرامت ولی سے صادر ہُوا اور اُس کا صدور نبی سے نہیں ہُوا تو نہ سہی ، فضیلت کا انحصار صرف کرامت ہی پر نہیں ہے ۔ بعینہٖ یُوں سمجھیے کہ بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو دیگر انبیاء و مرسلین سے صادر ہُوئے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُن کا صدور نہیں ہُوا ، کیونکہ جس مناسبت کے لحاظ سے اُن حضرات سے ایسے معجزات کا صدور ہُوا وُہ مناسبت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں نہ پائی گئی ۔ اگر وُہ مناسبت پائی جاتی تو یقیناً آپ سے بھی اُن معجزات کا صدور ہوتا بلکہ اُن سے بھی عظیم تر صورت میں وقوع ہوتا ۔ جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بکثرت معجزات اِسی عدمِ مناسبت کے باعث دُوسرے انبیائے کرام سے صادر نہیں ہوئے

اِس تقریر سے واضح ہوگیا کہ بعض معجزات کا دیگر انبیائے کرام سے صادر ہونے اور ہمارے اور ساری کائنات کے آقا و مولیٰ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

اُن کا صدور نہ ہونے کے باعث آپ کی افضلیت پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اِس سے کوئی حرج واقع ہوتا ہے کیونکہ دیگر انبیاء و مرسلین کے سارے معجزے بھی اگر اکٹھے کر لیے جائیں تو یہ مجموعہ بھی آپ کے اکیلے معجزۂ قرآنِ مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ تنہا قرآنِ مجید ہی ہزارہا معجزات، آیاتِ بیّنات، علومِ نافعہ، انوارِ ساطعہ اور ہر اُس معرفت کا حامل ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی یا دُور پھینک دیتی ہے۔ علاوہ بریں یہ ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور مسلمان اس سے ہمیشہ نفع حاصل کرتے رہیں گے کیونکہ اِس کی تلاوت بھی عبادت ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قُرب میں لے جاتی رہتی ہے اور اِس کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے دروازے ہر وقت کُھلے رہتے ہیں۔

مذکورہ بحث کی کتابت کے دو ماہ بعد مَیں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب الابریز کے چوتھے باب میں شیخ عبدالعزیز دبّاغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام اپنے مندرجہ بالا بیان کی تائید میں پڑھا۔ اُن کے شاگرد علّامہ احمد بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز مَیں آپ سے گفتگو میں مصروف تھا، تو مَیں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں جنوں، انسانوں، شیاطین اور ہوا پر تسلط دیا تھا اور مَیں نے یہ بھی کہا کہ اُن کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسا معجزہ مرحمت ہُوا کہ لوہے کو اُن کے ہاتھوں میں ایسا نرم کر دیا کہ آٹے کی طرح جدھر چاہتے پھیر جاتا نیز یہ ذکر بھی کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا کمال معجزہ ملا کہ وہ بہروں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو بھی زندہ کر دیا کرتے تھے اور اِسی طرح بعض دیگر انبیائے کرام کے معجزات کا تذکرہ کیا۔ شیخ موصوف نے میری گفتگو کا ماحصل اور مرکزی خیال یہی قرار دیا کہ جب سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں تو آپ سے اُن معجزات کا صدور کیوں نہ ہوا؟ کیونکہ جو دُوسرے بے شمار معجزات آپ سے ظاہر ہُوئے وہ دوسری نوعیت کے ہیں۔

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو مُلک مرحمت فرمایا گیا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے جو مسخر کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو اکرام ہُوا، اللہ تعالیٰ نے یہ سب اور اِس سے بھی زیادہ اُمّتِ محمدیہ کے اہلِ تصرف حضرات کو

مرحمت فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن کے لیے جنّ، انسان، شیاطین، ہوا اور فرشتے بھی مطیع کر دیئے بلکہ جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ اِن کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور اِنھیں بہروں، کوڑھیوں کو شفا دینے اور مُردے زندہ کرنے کی طاقت بھی مرحمت فرمائی ہے لیکن یہ غیبی امر ہے جو چھپا ہُوا ہے اور مخلوق میں عام ظاہر نہیں ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اِس پر ٹوٹ پڑیں اور اِس طرح اپنے ربّ کو بُھلا بیٹھیں۔ اہلِ تصرّف کو یہ قدرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ جُملہ کرامتیں سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہیں۔ حجۃ اللہ علی العالمین سے میری عبارت ختم ہُوئی۔ اب میں صاحبِ عنوان کا باقی کلام نقل کرتے ہُوئے کہتا ہُوں کہ:

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کے پینتیسویں باب میں جس پر وُہ اِس کتاب کو ختم کرتے ہیں، سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ، عاداتِ شریفہ اور سیرتِ طیبہ کا ذکر کیا ہے، جو ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ یہ حدیث شمائلِ ترمذی میں بھی موجود ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے فرموداتِ گرامی کے تحت اِس کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس لیے طوالت کے خوف سے یہاں اُسے نقل نہیں کیا جاتا۔ علاوہ بریں تکرار کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اُنھوں نے آگے فرمایا ہے:

شمائلِ رسُول

اُس دستِ قدرت کے شہکار کا رنگ بالکل سفید نہ تھا اور نہ گندمی، بلکہ آپ پھُول کی مانند کھِلے ہُوئے رنگ والے تھے جسے ازہر کہتے ہیں اور یہ ایسا سفید و سُرخ ہوتا ہے جس میں زردی کی ملاوٹ نہ پائی جائے جو علامتِ مرض ہے۔ اکثر حضرات نے آپ کی رنگت یہی بیان کی ہے لیکن یہ جسمِ اطہر کے اُن حصّوں کا رنگ ہے جو عموماً کھُلے رہتے ہیں اور جنھیں سُورج کی روشنی اور ہوائیں بلا واسطہ پہنچتی رہتی ہیں، اُن کی رنگت واقعی سُرخی مائل تھی لیکن جو حصّے عموماً لباس میں ڈھکے رہتے ہیں وُہ سرخ و سفید تھے۔ جن حضرات نے بھی حُسنِ مصطفیٰ کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کی اُنھوں نے آپ کا رنگ سفید ازہر ہی بیان کیا ہے۔ پس یہ سمجھ

لینا چاہیے کہ جن حضرات نے آپ کا رنگ سفید ازہر بتایا اُن کی مراد اُن حصّوں کا رنگ ہے جو عموماً کپڑوں میں ڈھکے رہتے ہیں اور اِس لحاظ سے وُہ درست ہی کہتے ہیں لیکن جن حضرات نے سُرخی مائل رنگ بتایا ہے، اُن کی مراد وہی ظاہر حصّے ہوں گے جن پر سُورج کی کرنیں براہِ راست پڑتی ہیں اور جنھیں کُھلی ہوا لگتی رہتی ہے اور اِس لحاظ سے اُن حضرات نے بھی درست فرمایا ہے کیونکہ آپ کا اصل رنگ، جس میں کوئی شک و شبہ نہیں وہ ازہر ہی تھا اور ظاہر حصّوں کا سُرخی مائل ہونا خارجی اثرات یعنی دُھوپ اور ہواؤں کے باعث تھا۔ (فَسُبْحَانَ اللّٰہِ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ)

آپ کے چہرۂ انور کا پسینہ موتیوں کی طرح معلوم ہوتا تھا، جس میں تیز خوشبو دار مُشک سے بھی زیادہ مہک تھی۔ بال لمبے اور خم دار، نہ بالکل سیدھے اور نہ ایک دُوسرے میں اُلجھے ہُوئے۔ جب شانہ کیا ہُوا ہوتا تو مانگ اِس طرح نظر آتی جیسے ریتلی زمین میں راستہ واضح دکھائی دیتا ہے یا جیسے سخت پتھریلی زمین میں اُبھری ہُوئی جگہ صاف نظر آتی ہے اور ہوائیں اُس سے اٹھکیلیاں کرتی ہیں۔ شانہ فرماتے تو بال ایک دوسرے سے گُتھ جاتے اور اِس طرح گھیرا کر لیتے جیسے انگوٹھی کے گھیرے ہوتے ہیں۔ شروع میں آپ بالوں کو آگے کی جانب لٹکا لیا کرتے تھے ..... یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام کی گزارش پر بالوں کو پیچھے کی جانب کرنا شروع کر دیا جو بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے تھے اور کبھی کانوں کی لَو تک۔ بعض اوقات آپ بالوں کے چار حصّے کر لیتے۔ دوٗ حصّے دائیں گوشِ مبارک کو اور دوٗ حصّے دُوسرے گوشِ اقدس کو گھیرے میں لے لیتے لیکن دونوں لعلِ سماعت کے کان باہر نکلے ہُوئے ہوتے اور دیکھنے والا یُوں محسوس کرتا جیسے بادلوں کی سیاہی کے اندر سے چمکدار ستارے نظر آ رہے ہیں۔ آپ کی ہر دو کنپٹی مبارک پر چند بال سفید تھے اسی طرح ریش مبارک میں ٹھوڑی کے گرد چند مُوئے مبارک سفید تھے، جن کی سفیدی چاندی کے تاروں کی مانند تھی، جن کا سیاہ بالوں کے درمیان میں چمکنا ایک نرالا اور دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ جب آپ زرد خوشبو استعمال کرتے اور عموماً آپ یہی خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے تو آپ کے سفید بالوں پر سنہری دھاریوں کا گمان گزرتا تھا۔

آپ کا چہرۂ انور تمام لوگوں سے خوب صورت اور رنگ سب سے چمکدار تھا کوئی واصفِ رُخِ مصطفٰی کو چاند سے تشبیہ دئے بغیر نہ رہ سکا جبکہ بعض تو چودھویں رات کے

چاند سے بھی خوشنما اور بارونق قرار دیتے تھے[1] اور ایسا کیوں نہ کہتے جبکہ وہ چہرۂ انور چاند کی طرح ہی چمکتا تھا۔ آپ کی رضا و رغبت کو چہرے ہی سے پہچانا جا سکتا تھا۔ جب آپ خوش و خرّم ہوتے تو چہرۂ پُر نور آئینے کی طرح چمکتا اور جب ناراض ہوتے تو رُخِ مصطفٰی کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آنکھیں سُرخ ہو جاتیں۔ رضا مندی کی حالت کا نقشہ آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یُوں کھینچا ہے:

اَمِیْنٌ مُصْطَفٰی لِلْخَیْرِ یَدْعُوْا[2]

کَضَوْءِ الْبَدْرِ زَایَلَهُ الظَّلَامُ

لوگ جب اِس شعر کو سُنتے تو یہی کہتے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی ایسے ہی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اکثر اوقات زہیر بن ابی سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ شعر وردِ زبان رکھتے:

لَوْ کُنْتَ مِنْ شَیْءٍ سِوٰی بَشَرٍ[3]

کُنْتَ الْمُنَوِّرُ لَیْلَةَ الْبَدْرِ

جو شخص بھی اِسے سُنتا تو کہتا کہ واقعی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ہی تھے۔ جب آپ نے مکّہ مکرّمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطّلب نے گریہ و زاری کرتے ہوئے کہا:

---

[1] اِسی لیے مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

؎

گو ترقی پہ جمالِ مہ کامل ہووے

مُنہ تو دیکھوں کہ ترے منہ کے مقابل ہووے

[2] (ترجمہ) وہ امین، ساری مخلوق سے چنے ہُوئے اور بھلائی کی جانب بلانے والے ہیں۔ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اندھیروں کو زائل کرنے والے تھے۔

[3] (ترجمہ) اگر آپ بشر کے سوا کوئی اور چیز ہوتے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح منوّر ہوتے۔

أَعَيْنِيْ جُوْدِيْ بِالدُّمُوْعِ السَّوَاجِمِ[1] ۔۔۔ عَلَى الْمُصْطَفٰى كَالْبَدْرِ مِنْ آلِ هَاشِمِ

عَلَى الْمُصْطَفٰى لِلْبِرِّ وَالْعَدْلِ وَالتُّقٰى ۔۔۔ وَلِلدِّيْنِ وَالدُّنْيَا مُقِيْمُ الْمَعَالِمِ

عَلَى الصَّادِقِ الْمَيْمُوْنِ ذِي الْحِلْمِ وَالنُّهٰى ۔۔۔ وَذِي الْفَضْلِ وَالدَّاعِيْ لِخَيْرِ التَّرَاحُمِ

آپ کی پھوپھی نے بدر کے ساتھ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشبیہ دی اور اُسی طرح آپ کی تعریف و توصیف کی جیساکہ اللہ جل شانہٗ نے لوگوں کے دلوں میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت رکھی ہُوئی ہے حالانکہ وُہ اپنی قوم کے دین پر تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک روشن تھی اور رات کے اندھیرے میں جب وہ بادلوں کے اندر سے دکھائی دیتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے سورج ہے جس سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ رخسار مبارک صاف تھے، جن پر گوشت کم یا زیادہ نہ تھا۔ چہرہ مبارک نہ لمبا تھا اور نہ بالکل گول۔ ریش مبارک بھاری تھی۔ ٹھوڑی کے بال اُبھرے ہُوئے تھے، گویا اُس کے اردگرد دونوں جانب موتیوں کی سفیدی تھی۔ گردن مبارک سب لوگوں سے خوب صورت تھی، جو بالکل مناسب تھی، اُسے نہ لمبی کہا جا سکتا نہ کوتاہ۔ گردن کا ظاہری حصہ یوں محسوس ہوتا کہ چاندی ہے جس میں سونے کی ملاوٹ ہو۔ اُس میں چاندی سونے جیسی دمک تھی کیونکہ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سُرخی اپنی نیرنگیاں دکھاتی تھی جبکہ گردن مبارک کا ملبوس حصہ چاند کے مانند تھا۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینۂ بے کینہ جو علوم و معارفِ الٰہیہ کا گنجینہ تھا، وُہ کشادہ تھا۔ گلے کے نیچے سے ناف تک بالوں کی دھاری تھی، جو ناف کو گلے سے ملاتی تھی۔ اِن کے علاوہ آپ کے سینۂ اقدس یا شکم مبارک پر اور کسی جگہ بال نہیں تھے۔ آپ کی ہتھیلیاں کشادہ اور انگشت ہائے مبارک لمبی تھیں، گویا وہ چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ ہتھیلیاں ریشم

---

[1] (ترجمہ) اے میری دونوں آنکھو! مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے فراق میں بہنے والے آنسوؤں کے ساتھ میری مدد کرو کیونکہ وہ قبیلۂ بنی ہاشم کے چاند تھے۔

● اُس مصطفیٰ پر جو بھلائی، انصاف اور پرہیزگاری کی حدود کو دین اور دنیا کے لیے قائم کرنے والے تھے۔

● اُس صادق اور بابرکت پر جو تحمل والا، عقلمند، صاحبِ فضل و کرم اور بہتر ہمدردی کی طرف بلانے والا ہے۔

سے زیادہ نرم اور ملائم تھیں، جن کی مہک کو دیکھ کر یہی گمان گزرتا تھا کہ شاید کسی عطّار کی ہتھیلیاں ہیں
آپ خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے، ہر حالت میں یہ اسی طرح عطر بیزی اور عطر ریزی کا کام کرتی
رہتی تھیں۔ اگر کوئی شخص مصافحہ کرتا تو اُس کے ہاتھ بھی خوشبو دار ہو جاتے۔ اگر آپ کسی بچے کے
سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو کے باعث دُوسرے بچوّں سے پہچانا جاتا۔
ازار سے نیچے آپ کی رانیں اور پنڈلیاں مبارک بھی خوب صورت اور معتدل
تھیں۔ آپ آگے کی جانب ذرا سا جُھک کر چلا کرتے تھے، جیسے اُونچی جگہ سے نشیبی جگہ کی جانب اُترنے
کی حالت ہُوا کرتی ہے۔ آرام سے چلتے اور اُس میں متکبّرانہ انداز کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔
چلتے وقت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اور آرام سے اٹھاتے۔ جب کسی نیک کام کے لیے
جانا ہوتا تو جلدی فرماتے اور سب لوگوں سے آگے چلتے اور جن مواقع پر ایسی کوئی جلدی نہ ہوتی تو
لوگوں کے پیچھے چلتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ باقی لوگوں سے مجھے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام
سے زیادہ مناسبت ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خُلق اور پیدائش میں میرے مشابہ تھے
یہ اُس حصّے کی نقل ہے جس کا میں نے حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف، دلائل النبوۃ سے
انتخاب کیا تھا۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

امام کبیر و صدر مشاہیر قاضی ابو الحسن ماوردی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرمودات گرامی

اخلاق و فضائل

قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) نے اپنی تصنیف لطیف اعلام النبوۃ کے بیسویں باب کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقی شرف اور فضائل کمالیہ کے بیان کی خاطر وضع فرمایا ہے کیونکہ اخلاق کے لحاظ سے آپ سب سے شرف والے ہیں اور آپ کے افعال سب سے حسین و جمیل ہیں۔ بلحاظ اعلیٰ مراتب اور افضل اعمال کے اِس کائنات کے گوہرِ یک دانہ آپ ہیں، کیونکہ اصول و قوانین ہمیشہ اپنی مناسبت کی جانب رجوع ہوتے اور مخالف سمت سے نفرت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اِس دنیا میں نبوت سے اُوپر اور کوئی منصب نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان نبوت ہی سفارتی تعلقات کا ذریعہ ہے۔

تبعث علی مصالح الخلق وطاعة	مخلوق کی بھلائی اور خالق کی اطاعت کیلئے
الخالق فکان افضل الخلق بها	نبی کو مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ پس جو ساری
اخص۔ (ص۹۳)	مخلوق سے افضل ہو وہی اس کے لیے
	مختص کیا جاتا تھا۔

نبی اپنے معاصرین سے اعلیٰ اور کامل اوصاف کے لائق ہوگا اور اِس کا ثبوت پیش کر سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو فضیلت میں کسی طرح بھی آپ کا ہم پلہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص ہی تھا جو اخلاقی و تخلیقی صفات میں یا اقوال و افعال کے کمالات میں آپ سے نزدیک ہو۔ اِسی لیے تو اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں آپ کی یوں توصیف فرمائی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[1] اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کے فضائل تو نبوت کی دلیل نہیں ہو سکتے کیونکہ سُنا نہیں گیا کہ کسی نبی نے اپنی اُمت کے سامنے اِنھیں نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہو اور نہ اپنی رسالت کی مقبولیت میں اِن

---

[1] پ ۲۹، سورۂ القلم، آیت ۴

پر اعتماد کیا ہے کیونکہ ان میں کبھی غیر نبی بھی شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن نبی جب خرقِ عادت امر (معجزہ) ظاہر کرے پھر اُن سے ممتاز شخصیت ثابت ہوتا ہے۔ اِس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ ہی دلیلِ نبوت ہے نہ کہ دیگر فضائل اوصاف۔

اِس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فضیلت نبوت کی متاع اور نشانیوں سے ہے اگرچہ اُس کے معجزات میں شمار نہیں، حالانکہ فضیلت میں کمال درجے کو پہنچنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہے اور مرتبۂ کمال تک پہنچنا بھی معجزے کی مانند ہے۔ دُوسرے انداز سے دیکھیے تو جھُوٹ سے بچنا کمال فضیلت ہے اور جو شخص دعوٰئ نبوت ہی میں جھوٹا ہو وہاں فضیلت کیسی اور کمال کہاں؛ لہٰذا کمال فضل صدق کا موجب ہُوا اور صدق کلام کی مقبولیت کا باعث اور مُوجب ہے۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ انبیاء و مرسلین کے لیے فضیلت میں کمال رکھنا، اُن کی نبوت و رسالت کی دلیل بن سکتا ہے۔ جب یہ امر واضح ہو چکا تو جان لینا چاہیے کہ کمالات بشریہ کے معتبر ہونے کی چار وجوہات ہیں، یعنی:

۱۔ کمال پیدائش ۲۔ کمال اخلاق
۳۔ کلام کے فضائل ۴۔ اعمال کے فضائل

پہلی وجہ

اعتدالِ صورت کے بعد آپ کے اخلاقِ عالیہ کا کمال درجہ چار اوصاف کے لحاظ سے ہے:

اوّل وقار و طمانیت، جو ہیبت اور تعظیم کا سبب بنتی اور تقدیم و تسلیم کی جانب بُلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی ہیبت تھی، یہاں تک کہ کسرٰی کے قاصد جب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو اُن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، حالانکہ ایران کے بادشاہوں کی سطوت و دبدبہ اور ظلم و تشدّد کے باوجود اُن سے اِتنے خائف نہ تھے لیکن آپ کی ہیبت اُن کے دلوں اور دماغوں پر مسلط ہو جاتی اور اُن کی نگاہوں میں آپ کی عظمت سما جاتی تھی، حالانکہ آپ نے کبھی شاہانہ عظمت دکھانے کا تکلف نہیں فرمایا تھا اور نہ کبھی اِس انداز سے فخر کیا جس سے سطوت و دبدبے کی نمائش مترشح ہوتی کیونکہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو تواضع کی صفت سے

مُتصِف اور اس وصف میں شہرۂ آفاق تھے۔

دوم خندہ پیشانی، جو اخلاص و محبت کی مُوجب اور مودّت و خلوص کا باعث ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں میں محبوب تھے کیونکہ خندہ پیشانی کے سبب دلوں میں آپ کی محبت مستحکم ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ بارگاہِ رسالت میں اکثر حاضر رہنے والے حضرات بھی کبھی ناراض نہ ہو سکے اور جو آپ کے قریب تھا وہ کبھی دُور نہ ہُوا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب اُسی طرح محبوب تھے جیسے ایک باپ کو اپنے بیٹے عزیز ہوتے ہیں یا ایک پیاسے کو جس طرح ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے، اِن سے بدرجہا محبوب تھے۔

سوم حُسنِ قبول، جو دِلوں کو آپ کی جانب مائل کرتا تھا۔ اسی لیے لوگ آپ کی اطاعت گزاری میں تیزی دکھاتے اور موافقت پر تُلے رہتے تھے۔ آپ اُن میں اس درجہ مقبول تھے کہ دِلوں کو جیت رکھا تھا۔ اِسی لیے قلوب میں آپ کی مصاحبت اور محبت کے جذبات مضبوط و مستحکم ہو گئے تھے، یہاں تک مخالف بھی آپ سے بھاگتا نہ تھا اور نہ دُور ہونے والا آپ سے متوحّش ہوتا، ہاں جو بدبختی کے باعث حسد کی آگ میں جلنا پسند کرتا یا محرومی کی بدولت آپ کی مخالفت پر کمربستہ رہتا، اُس کا معاملہ ہی اور ہے۔

چہارم آپ کی اطاعت گزاری کی جانب دلوں کا مَیلان اور لوگوں کا آپ کی موافقت کے لیے ایسا اطاعت شعار بن جانا کہ خواہ وہ ظلم و ستم کی چکی میں خُوب پِیسے جاتے لیکن اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آتی۔ یہی وجہ ہے کہ خلوصِ دل سے حلقہ بگوش ہونے والا کوئی آپ سے جُدا نہ ہُوا اور خواص میں سے کسی نے دُوری گوارا نہ کی۔ یہ چاروں اوصاف سعادت کی طرف بُلانے والے اور قوانینِ رسالت ہیں۔ یہ اوصاف نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مکمل طور پر پائے جاتے تھے اور آپ اُن اخلاق و صفات میں بھی کامل تھے جو اِن کے موازی شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مقتضیٰ کے آپ پُوری طرح مستحق تھے۔ صَلَوَاتُ اللہِ تَعَالیٰ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ۔

دُوسری وجہ

دُوسری وجہ آپ کے اخلاقی کمال سے متعلق ہے اور یہ چھ اوصاف۔ د

خصائل پر مشتمل ہے:

پہلی خصلت یہ عقلِ مصطفیٰ کے بارے میں ہے کہ آپ کا ذہنی رُجحان اور خیالات صحیح اور فراست مبنی بر صداقت تھی۔ فہم و فراست کے وفور و کمال پر آپ کی اصابت رائے، حُسنِ تدبیر اور احسن تالیف دلالت کرتی ہیں۔ آپ نے تدبیر میں کبھی غفلت اور سختی میں عجز کو قطعاً اختیار نہیں فرمایا بلکہ شروع ہی میں انجام تک غور فرما لیتے اور اُن کے عیوب و نقائص کو معلوم کر کے مشکلات پر قابو پانے کی تدابیر اختیار کرتے اور اُنھیں حل کر کے چھوڑتے۔ یہ بات فہم کی درستی اور یقین کی پختگی کے بغیر کہاں حاصل ہوتی ہے؟

دُوسری خصلت دشوار امُور اور نامساعد حالات میں ثابت قدم رہنا اور یہی مطلوبِ کمال ہے۔ جنگوں اور تکالیف شدیدہ کے مواقع پر صبر و سکون کا پایا جانا انتہائی حیران کُن ہے لیکن قُربان جائیں حبیبِ پروردگار (جلّ جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حوصلے پر کہ بادِ مخالف کی ایسی تندی و تیزی کے وقت بھی آپ کو مطمئن ہی دیکھا گیا۔ کسی بڑی سے بڑی تکلیف نے آپ کے اوسان خطا نہ کیے اور کسی مصیبت سے آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اگر ایک جانب سے مصائب و آلام کے بادل گھر کر آتے تھے تو اِدھر آپ کو اِتنی قدرت حاصل تھی کہ خندہ پیشانی کے ساتھ تمام اندھیروں کو چھانٹ کر رکھ دیتے تھے۔ قریشِ مکہ نے آپ کو ایسے ایسے شدائد و تکالیف میں مبتلا کیا جو پیشانیوں کو سفید کر دینے والی اور قلعوں کو ڈھانے والی تھیں لیکن آپ عددی ضعف کے باعث صبر کرتے اور سب کچھ اِس طرح برداشت کرتے رہے جیسے غالب آنے والا مطمئن رہتا ہے۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے اور اُنھوں نے حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا لیکن نہ ڈرے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کی تو اُس کی پاداش میں مجھے اِتنی تکالیف پہنچائی گئیں جتنی کسی دُوسرے کو نہیں پہنچائی گئیں۔ ایسے بھی وقت آئے کہ ایک مرتبہ تین شب و روز گزر گئے لیکن ہمارے پاس صرف وہی طعام تھا، جو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغل کے نیچے چھپایا ہُوا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر والوں نے کبھی سیر ہو کر متواتر دُو دن جَو کی روٹیاں بھی نہیں کھائی تھیں اور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے تک اُن کی یہی حالت رہی۔ جائے غور ہے کہ جو ہستی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے کے عوض اِتنی تکالیف اٹھائے اور صبر کرے، اُس پر کسی دنیاوی منفعت چاہنے کا تصوّر کرنا بھی حماقت ہے یا نہیں؛

تیسری خصلت فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا زہد یعنی دنیا سے اعراض کرنا اور معمولی سی چیز پر قناعت کرنا ہے۔ آپ نے دنیاوی عیش و عشرت کا کبھی تصوّر بھی نہیں کیا اور نہ اُس کی رنگا رنگی کو ترک کرنے کا کبھی افسوس ہی فرمایا۔ حضرت سفیان ثوری نے حبیب بن ابی ثابت سے اور اُنھوں نے خیثمہ بن عبدالرحمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ اس قدر دنیا کے خزانے چاہیں جو نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئے ہوں اور نہ آپ کے بعد کسی دُوسرے کو دیئے جائیں اور آپ کے ثوابِ آخرت میں بھی کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو، تو آپ کی خواہش پُوری کر دی جائیگی۔ آپ نے یہی جواب دیا کہ وُہ خزانے بھی میری آخرت ہی کے لیے ذخیرہ کر دیئے جائیں۔ اِس پر یہ آیۂ مبارکہ نازل ہُوئی:

تَبَارَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ	بڑی برکت والا ہے وُہ کہ اگر چاہے تو تمہارے
لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ	لیے بہت بہتر اِس سے کر دے، جنّتیں جن کے
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمھارے لیے
وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ [1]	اُونچے اُونچے محل۔

ہلال بن ابی خباب نے عکرمہ سے اُنھوں نے عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئے۔ اُس وقت

---

[1] پ ۱۸، سورۂ الفرقان، آیت ۱۰

کونین کے تاجدار، حبیبِ پروردگار (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) چٹائی پر تشریف فرما تھے اور چٹائی کے نشانات آپ کے جسمِ مبارک پر پڑے ہُوئے تھے[1]۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقائے کائنات کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ اُٹھے اور عرض گزار ہُوئے: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اگر آپ نرم بستر استعمال فرما لیا کریں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ کونین کے تاجدار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرا دنیا سے کیا تعلق؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میری مثال جنگل میں سفر کرنے والے اُس مسافر سوار جیسی ہے جو گرمیوں میں دوپہر کے وقت کسی درخت کے سایے میں آرام کرنے لگے اور دن ڈھلتے ہی اُسے چھوڑ کر چل دے۔

حضرت حمید بن ہلال بن ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمارے سامنے ایک موٹا کمبل اور ایک موٹی سی چادر نکالی اور فرمایا: اِن دونوں کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تھا حالانکہ اُس وقت حالت یہ تھی کہ حجازِ مقدس کے آخری کنارے سے عراق کی آخری حد تک اور یمن کی پرے والی سرحد سے عمان کے سمندر تک کے آپ مالک و مختار تھے، لیکن آپ دنیا کمانے اور ذخیرہ کرنے میں سب سے بڑے زاہد اور دنیوی منفعت حاصل کرنے میں تمام انسانوں سے زیادہ اعراض فرمانے والے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ پیچھے مال چھوڑا نہ قرضہ، نہ نہر کھدوائی نہ مکان بنوایا اور نہ اپنے بیوی بچّوں کو کسی قسم کے دنیاوی مال و متاع کا وارث قرار دیا۔ اِس سے یہی مقصود تھا کہ جس طرح آپ نے زُہد کو اختیار فرمایا اور دنیا کی جانب رغبت کرنے سے اپنی ذات کو روکے رکھا، اِسی طرح اہلِ بیتِ اطہار بھی منزلِ دنیا میں صرف آپ ہی کے نقوشِ قدم پر گامزن رہیں اور دنیا سے حتی الامکان کنارہ کشی فرمائیں۔

---

[1] مولانا اختر الحامدی مدظلہٗ نے یہ نقشہ یوں پیش کیا ہے: ؎

بستر چٹائی، دوش پہ کمبل، غذا کھجور

اے تاجدار! یہ تری شانِ گدا پسند

ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے والدِ محترم کی وراثت کا مطالبہ کیا تو اُنھوں نے ایسا مطالبہ کرنے سے منع کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: اچھا آپ کا وارث کون ہوگا؟ جواب دیا: میری اولاد اور بیوی۔ اِس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ یہ معاملہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی کیوں اُنکی وارث نہیں ہوسکتی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ پس جن کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفالت فرماتے تھے اُن کی کفالت اب میرے ذمے ہے۔ جس پر ہمارے آقا خرچ کرتے تھے اُن پر اب میں خرچ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں زُہد اختیار کرنے اور اُس کی زیب وزینت سے اعراض کرنے کی جانب رغبت دلائی ہے تاکہ لوگ دُنیا کے نقصانات سے محفوظ رہیں اور اِسی لیے دنیوی خواہشات سے روکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زُہد کی فضیلت میں اور خلفائے راشدین کی اقتدا کرنے کے متعلق حدیث بیان کرکے مذکورہ بالا وضاحت فرمائی تھی۔

چوتھی خصلت لوگوں سے آپ کا تواضع کے ساتھ پیش آنا حالانکہ وُہ آپ کے مطیع تھے اور اُن سے مشفقانہ سلوک کرنا حالانکہ وہ آپ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ بازار میں تشریف لے جاتے تو مٹی پر بھی بیٹھ جاتے۔ اپنے اصحاب اور اہلِ مجلس سے گھُل مِل کر رہتے۔ حیا کے سبب نظریں نیچی رکھنے کے باعث پہچانے جاتے تھے۔ تواضع کے سبب ممتاز اور عاجزی کے باعث باوقار تھے۔ آپ کے پاس جب کوئی دیہاتی آتا تو مارے خوف اور ہیبت کے کانپنے لگتا۔ آپ فرماتے: اطمینان رکھو، میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں سُوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یہ تھا آپ کا شرف والا اخلاق اور یہ تھیں آپ کی حسین عادتیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فطرت میں داخل تھیں۔ سیرتِ مصطفیٰ میں یہ باتیں نادر نہ تھیں کہ انھیں شمار کیا جائے اور اِتنی کم نہ تھیں جن کا احاطہ کیا جاسکے۔

پانچویں خصلت مشتعل کر دینے والے اُمور کے مواقع پر بُردباری اور وقار سے کام لینا۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھبراہٹ کے وقت ہر عقلمند سے بڑھ کر ثابت قدم اور جھگڑوں کے مواقع پر ہر عقلِ سلیم رکھنے والے سے زیادہ راہِ راست پر رہتے۔ بدووں والی سنگدلی کا آپ کی سیرتِ مقدسہ پر نام ونشان بھی نہیں تھا اور نہ کسی نے یہ نقل کیا کہ جلد بازی آپ کے قریب بھی پھٹکنے پائی ہو۔ آپ کے سوا کوئی حلیم ایسا نہیں جو پھسلا نہ ہو اور کوئی باوقار ایسا نہیں جس سے لغزش صادر نہ ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواہشات کی حرکت اور خفّت والی لغزش سے اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے محفوظ فرمایا تھا تاکہ اپنی اُمت پر رحیم اور مخلوق پر مہربان رہیں۔ قریش نے آپ پر طرح طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ گرائے لیکن آپ نے مظالم کے مقابلے میں صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اُن کی ذات سے اعراض فرماتے رہے۔ آپ کے ساتھ نازیبا سلوک صرف بے وقوف اور کمینے لوگ ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ جو بڑے عقلمند شمار ہوتے تھے اُنھوں نے بھی ذلیل انسانوں کی طرح آپ کی ذات پر حملے کیے۔ وہ آپ پر زیادتی کرتے لیکن آپ اُن سے ملنے کی کوشش کرتے اور درگزر فرماتے رہتے۔ جب آپ مخالفوں پر غالب آئے تو اُنھیں معاف فرما دیا اور قدرت پانے پر اُنھیں بخش دیا۔ جب آپ نے مکّہ مکرمہ کو فتح کر لیا تو کامیابی حاصل کر لینے کے باوجود دشمنوں کو معاف فرما دیا۔ وہ سارے کے سارے آپ کے حضور کھڑے تھے، پوچھا: تم مجھ سے کیسے سلوک کا گمان رکھتے ہو؟ جواب دیا کہ آپ احسان فرمانے والے باپ کے احسان فرمانے والے بیٹے ہیں، ہمارا گمان تو یہی ہے کہ آپ ہمیں معاف فرما دیں گے اور اگر آپ انتقام لیں تو ایسا کرنا زیادتی نہیں کیونکہ خطاکار ہونے کے سبب ہم اسی لائق ہیں۔ یہ سُن کر اس رحمتِ مجسّم نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ[1]
آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی: اے پروردگارِ عالم! اس سے پہلے تُو نے قریش پر عذاب بھیجا تھا، اب انھیں اپنے انعامات سے مالا مال فرما۔ رسولِ اکرم صلی اللہ

---

[1] پ ۱۳ ، سورۂ یوسف، آیت ۹۲

تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہند بنت عتبہ حاضر ہوئی آپ نے اُس کے افعال سے درگزر کرتے ہوئے بیعت فرما لیا، حالانکہ اُس نے آپ کے عمِ محترم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکم مبارک چیر کر آپ کا کلیجہ نکالا اور چبایا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کو کھڑا کر کے ایک ہی دن میں سات سو افراد کی گردنیں کٹوا دی تھیں، وہاں عفو و درگزر سے کام کیوں نہ لیا؟ وہاں آپ نے اُس شخص کی طرح انتقام لیا جس کے نزدیک سے بھی مہربانی کا گزر نہ ہوا ہو اور آپ کا دل اُن پر ذرا نہ پسیجا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ یہ سلوک حقوق اللہ کے سلسلے میں کیا تھا نیز بنی قریظہ خود ہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحکیم (ثالثی) پر رضامند ہوئے تھے اور یہ فیصلہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے سُنایا تھا کہ بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کر دیا جائے اور نابالغوں کو غلام بنا کر رکھا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سُن کر فرمایا تھا کہ اللہ رب العزت کا آسمانی فیصلہ بھی یہی ہے۔ پس جو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا تھا آپ کے لیے اُسے تبدیل کرنا کب جائز تھا؛ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درگزر کرنا صرف اُن امور سے متعلق تھا جن کا تعلق صرف آپ کی ذات سے ہوتا تھا۔

چھٹی خصلت آپ عہد کی حفاظت اور وعدے کا ایفاء فرماتے تھے۔ آپ نے عہد کا پاس لحاظ کرنے والے کے ساتھ کبھی عہد نہیں توڑا اور نہ کبھی وعدے کا خلاف کیا کیونکہ وعدہ خلافی کرنا آپ کے نزدیک ایک بہت بڑا گناہ تھا اور وعدے کی خلاف ورزی کو بُری عادتوں میں شمار فرماتے تھے۔ عہد کی حفاظت اور وعدے کو وفا کرنے کے معاملے میں آپ پختگی کا التزام فرماتے اور عہد کو قائم رکھنے کی خاطر سخت مشکلات کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم فرما لیا کرتے تھے اور اس طرح ہر صورت میں وعدے پر قائم رہتے تھے۔ ہاں جب معاہدہ کرنے والا دوسرا فریق ہی عہد توڑنے لگتا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بہتر راستہ نکال دیا کرتا تھا جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں نے کیا اور جس کا مظاہرہ صُلح حدیبیہ میں قریشِ مکہ نے کیا، تو پروردگارِ عالم نے اُن کی عہد شکنی کے باوجود اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بہتری کا پہلو نکال دیا ہے۔ یہ چھٹی

خصائل ہیں جو آپ کے اخلاقِ عالیہ میں کامل طور پر موجود تھے اور جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق پر آپ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔

تیسری وجہ

یہ وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائلِ اقوال میں ہے۔ یہ آٹھ خصلتوں کے باعث معتبر ہے، جو یہ ہیں:

خصلتِ اوّل آپ کو حکمتِ بالغہ اور بڑے بڑے علوم مرحمت فرمائے گئے حالانکہ آپ اِس اُمت کے اُمّی نبی ہیں کیونکہ نہ کسی سے کوئی کتاب پڑھی نہ کوئی علم ہی کسی سے سیکھا اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ ہی تہہ کرنے کی نوبت آئی، اِس کے باوجود آپ سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس سے عقلیں حیران اور انسانی فہم و ذکاء کو اپنی نارسائی کا یقین ہو جاتا ہے۔ آپ سے اقوال و افعال میں کبھی لغزش صادر نہیں ہوئی۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شریعتِ مطہرہ کا دارومدار چار احادیث پر رکھا، جن سے مقصد حاصل اور اجتہاد کی جڑیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے:

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی۔ (صـ ۹۷)	بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اُس نے کمایا۔

اسی سلسلے کی دوسری حدیث یہ ہے:

الحلال بین والحرام بین و بین ذالک امور مشتبہات ومن یحوم حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔ (صـ ۹۷)	حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے لیکن ان کے درمیان بعض امور مشتبہ ہیں۔ جو شخص چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے، خطرہ ہے کہ ایک روز وہ اُس میں داخل ہو جائے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِس بارے میں تیسرا فرمان یہ ہے:

من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ۔ (صـ ۹۷)	انسان کا اچھا اسلام اِس بات سے ظاہر ہوتا ہے جب وہ غیر مقصود کو ترک کر دے۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چوتھا بنیادی ارشادِ گرامی یہ ہے:

دع ما یریبک الا ما لا یریبک ۔ جو بات شک و شبہ میں ڈالے اُسے چھوڑ دو (ص ۹۷) اور اُسے اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو ۔

سرورِ عالم کی جلوہ گری سے پہلے حکمائے فلاسفہ نے کچھ اصول وضع کیے تھے اور لوگوں کو اُن پر عمل کرنے کے لیے اُبھارتے تھے لیکن وُہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے کہ دُنیا والوں کی اصلاح دین کے بغیر ممکن نہیں۔ اصلاح کا صرف یہی طریقہ ہے کہ لوگ سچے دین کے تابع ہو کر اُس کے مطابق عمل کریں کیونکہ فلاسفہ کا نہ تو صحیح معنوں میں اثر ہُوا اور نہ اُن کی خبریں واضح اور اطمینان بخش تھیں حالانکہ لوگ اُنھیں حکمتوں کے سرچشمے اور قوموں میں ممتاز شمار کرتے تھے۔ ایسی فطرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پائی گئی، جو جوہر کی صفائی اور سچا مخبر ہونے کے باعث ہے۔

خصلت دوم سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصلت دوم کے بارے میں قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ یُوں رقمطراز ہیں:

حفظہ لما اطلعہ اللہ علیہ من قصص الانبیاء مع الامم واخبار العالم فی الزمن الاقدم حتی لم یعزب عنہ منہا صغیر ولا کبیر ولا شذ عنہ منہا قلیل ولا کثیر وھو صلی اللہ علیہ وسلم لا یضبطہا بکتاب یدرسہ ولا یحفظہا بعین تحرسہ وما ذاک الا من ذھن صحیح و صدر فسیح وقلب شریح وھذہ

آپ کا اُن سب باتوں کو یاد رکھنا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ انبیائے کرام کے اُن کی اُمتوں سمیت واقعات و حالات پر مطلع فرمایا جو پہلے زمانوں کے متعلق دنیا بھر کی خبریں ہیں، یہاں تک کہ آپ سے کوئی چھوٹی بڑی چیز پوشیدہ نہ رہی اور نہ کوئی قلیل یا کثیر چیز آپ سے دُور رہی حالانکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن حالات کو کسی کتاب سے ذہن نشین نہیں کیا جسے آپ پڑھتے ہوں اور نہ اُنھیں آنکھوں سے دیکھ کر صفحۂ یادداشت پر محفوظ کیا تھا۔ آپ کی علمی وسعت تو ذہن صحیح، سینہ وسیع اور قلب شریح کی بدولت ہے اور یہی تو وہ تینوں آلات ہیں

الثالثة الة ما استودع من	جن کے سپرد رسالت کی جاتی ہے اور ان کے ذریعے
الرسالة وحمل من اعباء	ہی نبوت کا بارِ گراں اُٹھایا جاتا ہے۔ پس آپ ہی
النبوة فجدیر ان یکون	اس قابل تھے کہ ان کے ساتھ مبعوث ہوئے
بہا مبعوثا وعلی القیام بہا محثوثا۔ (ص ۲۷۹)	اور انھیں قائم رکھنے پر آپ کو اُبھارا گیا۔

خصلت سوم آپ کا شریعتِ مطہرہ کو ظاہر دلائل کے ساتھ مضبوط کرنا اور واضح علل کے ساتھ بیان فرمانا یہاں تک کہ کوئی ایسی بات نہ چھوڑنا جسے عقلِ انسانی معقول نہ قرار دے اور نہ اُس میں کوئی ایسی چیز داخل کی جائے جسے عقل ردّ کرتی ہو۔ اسی لیے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جوامع الکلم یعنی حکمت آمیز جامع کلمات دیا گیا ہوں اور حکمت میرے لیے مختصر فرما دی گئی ہے۔ اسی لیے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند لفظوں کے ساتھ کثیر حقائق سے مطلع فرمایا کرتے تھے۔ آپ کلام کو طول دینے سے احتراز فرماتے۔ کوئی مجہول امر آپ نے ایسا نہیں چھوڑا جسے واضح نہ کر دیا ہو۔ ایسا کرنا آپ کے لیے بایں وجہ آسان تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی تھی اور اسی راستے پر آپ کو چلایا گیا تھا۔

خصلت چہارم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اچھے اخلاق کا حکم دیا اور مستحسن آداب کی جانب لوگوں کو بلایا ہے۔ صلہ رحمی پر اُبھارا، ضعیفوں اور یتیموں پر مہربانی کرنے کا حکم دیا، ایک دوسرے سے حسد کرنے اور بغض رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک دوسرے سے تعلقات منقطع کر لینے اور دُور ہو جانے سے روکا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک دوسرے سے تعلق منقطع نہ کرو، نہ کسی سے منہ پھیرو، نہ کسی سے بغض و عداوت رکھو، اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ تاکہ اِس طرح تمہاری فضیلت کے آسمان میں چار چاند لگ جائیں اور آپس میں اچھے اخلاق کی خوب نشر و اشاعت ہو جائے اور مستحسن آداب کثرت سے ظاہر ہونے لگیں اور تمہارے اندر بھلائی کی جانب دوڑنے والی سپرٹ پیدا ہو جائے اور تمہارا ضمیر تمہیں بُرے کاموں سے بالکل منع کرنے لگے اور تم پر اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی پوری طرح صادق آتا ہے کہ:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ — تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ [1] بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو۔

پس اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنے اُوپر لازم کر لیا اور جن کاموں سے منع فرمایا گیا تھا اُن سے بچے۔ ایسے لوگوں کی اُن کے افعال و کردار کے باعث دین و دنیا کی بہتری کمال کو پہنچ جاتی ہے، یہاں تک کہ ایسوں کے ذریعے کمزوری کے بعد اسلام پھر غالب آجاتا ہے اور شرک اپنے غلبے کے بعد پھر ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے نیکو کار درجۂ امامت پر فائز ہوتے ہیں اور وہ بہترین قائد ہوتے ہیں۔

خصلت پنجم اگر آپ سے کچھ پُوچھا جاتا تو جواب واضح اور اطمینان بخش ہوتا۔ جب کوئی آپ سے جھگڑتا تو حجِ قاہرہ اور دلائل باہرہ سے آپ مخالف پر غالب آتے۔ عجز کبھی آپ کے راستے میں حائل نہ ہوتا اور کوئی آپ کے دعوے کو رد کرنے پر قادر نہ ہوتا اور کوئی مدِ مقابل بننے والا آپ سے معارضہ نہ کر سکا کیونکہ دلائل و براہین کے ساتھ غالب آپ ہی رہتے اور مخالف بغلیں جھانکتے رہ جاتے۔

اُبَی بن خلف جمحی قبرستان سے ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ ہڈی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اُسے اپنے ہاتھ سے مَسل کر راکھ کی طرح باریک کر کے کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کا یہ گمان ہے کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر اس طرح بوسیدہ ہو جائیں گے اس کے باوجود پھر زندہ کیے جائیں گے۔ آپ کا یہ دعویٰ بڑا ہی حیران کن ہے حالانکہ ایسی بات کسی اور شخص سے ہم نے قطعاً نہیں سُنی۔ بھلا بوسیدہ ہونے کے بعد یہ ہڈیاں کس طرح زندہ ہو سکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بُرہانِ نبوت کے ساتھ جواب سکھایا اور آپ کو یُوں جواب دینے کا حکم ملا:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ [2] تم فرماؤ، انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انھیں بنایا اور اُسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

---

[1] پ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۱۰ [2] پ ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۷۹

مبہوت ہو کر واپس لوٹ گیا کیونکہ اس دعوے کو رد کرنے والی اسے کوئی دلیل نہیں سوجھتی تھی۔
اسی طرح جب ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مرض متعدی نہیں ہوتا اور بدفالی کوئی چیز نہیں ایک شخص کہنے لگا: ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ایک اونٹ کے ہونٹ پر معمولی سی خارش ہو جائے تو یہ بیماری سارے اونٹوں میں پھیل جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے جواباً فرمایا، اچھا پہلے اونٹ کو کس نے بیمار کیا تھا؟ سائل خاموش ہو گیا۔

خصلت ششم کلام میں تضاد اور خبر میں استرسال سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کو محفوظ رکھا تھا کیونکہ استرسال جھوٹ کے نزدیک اور سچائی سے دور ہوتا ہے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بچپن ہی سے صدق میں مشہور تھے یہاں تک کہ صادق اور امین جیسے القاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے قریش کا آپ کے سچے ہونے پر پورا یقین تھا، لیکن جب آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو تکذیب کرنے لگے۔ بعض حسد کے باعث اور بعض نے معاندانہ رویے کے ساتھ تکذیب کی اور کتنے ایک نے تو آپ کے نبی اور رسول ہونے کو بعید جان کر تکذیب کا ارتکاب کیا۔ ان حالات میں اگر ان لوگوں کے دائرۂ معلومات میں آپ کا کوئی معمولی سا جھوٹ بھی ہوتا تو اسے تکذیبِ رسالت کی دلیل ضرور بناتے۔ لیکن جس نے اوائل عمر ہی میں صدق کو اپنے لیے ضروری ٹھہرا لیا ہو۔ یقیناً بڑی عمر میں تو اس نے خوب ہی پختگی حاصل کر لی ہو گی۔ علاوہ بریں قابلِ غور ہے کہ جو اپنے معاملات اور امت کے بارے میں جھوٹ سے معصوم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کیوں نہ زیادہ معصوم ہو گا۔ یہ کلیہ منکر و معاند کو دفع کرنے اور ان کے رد میں کافی ہے۔

خصلت ہفتم بوقتِ حاجت آپ کلام کا ارادہ فرماتے اور اس میں بھی بقدرِ کفایت پر اقتصار فرماتے۔ نہ زائد گفتگو کرتے اور نہ بالکل خاموش رہتے، ہاں حاجت و کفایت کے مطابق گفتگو کرنے کے بعد خاموشی اختیار فرما لیا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کا کلام محفوظ رہا اور مختل نہ ہوا، دلکش ٹھہرا کیونکہ کمزوری سے مبرّا تھا، سننے والے اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ دلوں اور دماغوں میں گھر کرتا چلا گیا، کیونکہ زیادہ باتیں کرنے والا لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور بیہودہ باتیں بنانے والا تنگ دل ہوئے بغیر

نہیں رہتا۔ ایک اعرابی آپ کے پاس بہت زیادہ باتیں کر رہا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اعرابی! تمہاری زبان کے سامنے کتنے پردے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہونٹ اور دانت۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلام کی تیزی اور زیادتی کو ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت اس شخص کو خوشی و خرمی سے دوچار رکھتا ہے جو زبان کو تیزی سے روکے اور بقدرِ حاجت گفتگو پر اکتفا کرے۔

خصلت ہشتم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔ اپنے بیان کی خوب وضاحت فرما دیا کرتے تھے۔ کلام میں اختصار، الفاظ میں فصاحت و وضاحت اور مفہوم و معانی میں صحت ملحوظ ہوتی۔ آپ نے کبھی تکلف نہیں فرمایا، اور نہ لگی لپٹی بات کی۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ باتیں کرنیوالے مجھے مبغوض ہیں۔ فرمایا: کلام میں تکلف کرنے سے بچو۔ جب آپ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی،

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ — اُن گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے
وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ۔[۱] — اور اُن میں اُس کا نام لیا جاتا ہے۔

تو آپ نے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھ دی۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ بارگاہ ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! جس نے مسجدیں بنائیں وہ کامیاب ہوا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک کہتے ہو، اے ابن رواحہ! پھر عرض گزار ہوئے، وہ لوگ جو نمازیں پڑھیں کبھی قیام میں جاکر اور کبھی قعدے میں۔ فرمایا، اے ابن رواحہ! ٹھیک کہتے ہو۔ پھر عرض کرنے لگے: ہیں رات نہیں گزارتا مگر سجدے کرتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! یہ کیسی تنگ بندی ہے؟ ایسی باتوں سے خود کو روکو۔ زبان کی فراخی سے زیادہ بری چیز انسان کو اور کوئی نہیں دی گئی۔ ایجاز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام جیسا کسی کا کلام نہیں مثلاً:

۱۔ الناس بزمانھم اشبہ — لوگ اپنے زمانے والوں کی طرح ہوتے ہیں۔

---

[۱] پ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۳۶

۲۔ ماھلك امرء عرف قدرہ	جس نے اپنی قدر پہچانی وہ ہلاک نہیں ہوتا۔
۳۔ لوتکاشفتم ماتدافنتم	اگر قبروں کے حالات پر مطلع ہو جاؤ تو مُردے دفن کرنے چھوڑ دو گے۔
۴۔ السعید من وعظ لغیرہ	نیک بخت وُہ ہے جو دُوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔
۵۔ العاقل الوف مألوف	عقلمند آدمی محبوب ہوتا ہے۔
۶۔ حبك الشئي یعمی ویصم	کسی چیز کی محبت اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔
۷۔ العدۃ عطیۃ	تیاری عطیہ ہے۔
۸۔ اللّٰھم انی اعوذبك من طمع یھدی الیٰ طبع	اے اللہ! میں طمع سے تیری پناہ چاہتا ہُوں جو نفس کی جانب لے جاتی ہے۔
۹۔ افضل الصدقہ جھد المقل	بہترین صدقہ غریب کی کوشش ہے۔
۱۰۔ الید العلیا خیر من الید السفلیٰ	اُوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔
۱۱۔ ترك الشر صدقۃ	بُرائی کو چھوڑنا صدقہ ہے۔
۱۲۔ الخیر کثیر وقلیل فاعلہ۔	بھلائی تو بہت ہے لیکن بھلا کرنے والے کم ہیں۔
۱۳۔ الناس کمعادن الذھب والفضۃ	لوگ سونے چاندی کی کانوں کے مانند ہیں۔
۱۴۔ نزلت المعونۃ علیٰ قدر المؤنۃ	مشقت کے مطابق اعانت نازل ہُوئی ہے۔
۱۵۔ اذا اراد اللہ بعبد خیرًا جعل لہ واعظا من نفسہ۔	جب کسی بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نفس کے لیے اُسے نصیحت کرنیوالا بنا دیتا ہے۔
۱۶۔ أدالامانۃ الی من ائتمنك ولا تخن ماخانك۔	جو تجھے امین بنائے اُس کی امانت ادا کر دے جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔
۱۷۔ المؤمن غرّ کریم والفاجر خبّ لئیم۔	مومن نیک اور کریم ہوتا ہے، فاجر دھوکہ باز اور لئیم ہوتا ہے۔

۱۸ - الدنیا سجن المومن وبلاؤہٗ و جنۃ الکافر ورضاؤہٗ۔ | دنیا مومن کے لیے جیل خانہ اور مقامِ مصیبت ہے لیکن کافر کے لیے جنت اور پسندیدہ جگہ ہے۔

اب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا کلام ملاحظہ فرمایا جائے جس کی فصاحت و بلاغت میں کلام نہیں۔

۱۹ - ایاکم والمشارۃ فانھا تمیت العزۃ وتحیی الغرۃ۔ | جھگڑے سے بچو کیونکہ یہ عزت کو تباہ کر دیتا ہے اور غفلت کو تازہ کرتا ہے۔

۲۰ - لاتزال امتی بخیر مالم ترالامانۃ مغنمًا والصدقۃ مغرمًا۔ | میری امت کا حال اُس وقت تک درست رہے گا جب تک امانت کو مالِ غنیمت اور صدقہ کو تاوان نہ سمجھا جائیگا۔

۲۱ - رحم اللہ عبدًا قال خیرًا فغنم اوسکت فسلم۔ | اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو اچھی بات کہنے کو غنیمت جانے یا خاموشی اختیار کر کے سلامت رہے۔

۲۲ - اللّٰھمّ انی اعوذبك من علم لا ینفع ونفس لاتشبع وقلب لا یخشع وعین لاتدمع ھل ینتوقع احدکم الا غنیً مطغیًا اوفقرًا منسیًا اومرضًا مفسدًا اوھرمًا مفندًا اوالدجال فھو شرغائب ینتظر اوالساعۃ فی الساعۃ ادھی وامر۔ (ص۹۹) | اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے دل سے جو (خدا سے) نہ ڈرے، ایسی آنکھ سے جو (تیرے خوف سے) آنسو نہ بہائے، کیا تم میں سے کوئی شخص امیری چاہتا ہے جو سرکشی پر اُبھارتی ہے یا ایسی فقیری جو (خدا کو) بھلانے والی ہے یا مرض جو (جسم کو) بیکار کرتا ہے یا بڑھاپا جو عقل کو کمزور کر دیتا ہے یا دجال کو جو چھپا ہوا شر ہے اِنتظار اُس کا اور قیامت کا ہے جو بہت سخت اور بڑی کڑی ہے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین ہلاک کرنے والی۔ اُن میں سے نجات دینے والی یہ ہیں: (۱) ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (۲) امیری ہو یا غریبی، ہر حالت میں میانہ روی اختیار کرنا (۳) رضامندی ہو یا ناراضگی، ہر حالت میں انصاف کرنا ——— ہلاک کرنے والی باتیں یہ ہیں: (۱) بخل کی اطاعت (۲) خواہش کی پیروی (۳) خود کو بڑا سمجھنا۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میری چھ باتوں کو قبول کر لو، میں تمہارے لیے جنّت کا ضامن ہو جاتا ہوں۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! وہ چھ باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: (۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اُس کا خلاف نہ کرے (۳) جب امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے (۴) اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے (۵) شرمگاہ کی حفاظت کرے۔ (۶) ہاتھوں کو روک کر رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعض خطبوں میں فرمایا: خبردار رہو کہ زمانہ لپیٹا جا رہا ہے، عمریں فنا ہو رہی ہیں، رات اور دن ڈاکیے کی طرح دوڑ رہے ہیں جو ہر بعید کو قریب لا رہے ہیں اور ہر نئی چیز کو پرانی کر دیتے ہیں۔ اے اللہ کے بندو! اس مرورِ زمانہ سے سبق حاصل کر کے خواہشاتِ نفسانی سے بچو اور اُن نیک کاموں کی جانب راغب ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے بعض صحابہ سے شرعی امور میں تساہل کا خطرہ نظر آیا تو اپنے ایک خطبے میں فرمایا: اے لوگو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس دنیا میں موت صرف دوسروں کے لیے ہے اور حقوق کا ادا کرنا صرف غیروں پر واجب ہے اور جن مُردوں کو ہم دفن کر رہے ہیں وہ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے پاس لوٹ آئیں گے؟ جن عزیزوں کو ہم دفن کر چکے، اُن کا مال اس طرح کھا رہے ہیں گویا ہم اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ آخر عبرت آموز واقعات اور نصیحت آمیز باتوں کو ہم کیوں بھول جاتے ہیں؟ آخرت کی خاطر تکلیف برداشت کرنے کے بجائے دنیاوی راحت و آرام کو کس لیے مطمحِ نظر بنا لیا جاتا ہے۔ خوشخبری ہو اُس نیک بخت کو جسے فکرِ آخرت نے دُنیا سے غافل کر دیا اور اپنے عیبوں پر نظر رکھنے کے باعث اُسے دُوسروں کی بُرائیاں معلوم کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ میں فصاحت و بلاغت کے اتنے محیّر العقول نمونے موجود ہیں جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اُن کی انتہا کو پہنچا جا سکتا ہے۔ اُوپر جو کچھ بیان ہُوا ہے یہ مُشتِ نمونہ از خروارے ہے تاکہ ہر صاحبِ عقل و دانش پر یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام معجز نظام بلاغت کی ہر شرط کا جامع ہے اور فصاحت

کے ہر طریقے کو واضح کرنے والا ہے۔ آپ کے کلام کو اگر دُوسرے کے کلام میں ملا دیا جائے تو آپ کے ارشاداتِ عالیہ اپنے اسلوب و انداز کے باعث دُوسرے کلام سے ممتاز نظر آئیں گے اور بنظرِ غائر دیکھنے سے دُوسرے شخص کے کلام کی خامیاں ظاہر ہونے لگیں گی کیونکہ حق و باطل میں اور جھوٹ سچ میں گھُل مِل نہیں سکتا۔

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلیغ ارشاداتِ عالیہ کسی محنت یا تکلف کے مرہونِ منت نہیں ہیں کیونکہ آپ کا خطباء، شعراء اور فصحاء سے اختلاط نہیں تھا، بلکہ یہ سارا کمال بھی آپ کی فطرتِ مقدسہ کا ایک حصّہ تھا، جس تک کوئی انتہائی کمال کے باوجود بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا کلام جب کمال کی اِس حد تک ہے کہ فصاحت و بلاغت میں دُوسروں کے کلام سے ممتاز ہے اور کسی کے لیے وہاں تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں ہے تو یہ بھی آپ کا معجزہ ہُوا۔ اِس کا ہماری جانب سے یہی جواب ہے کہ واقعی آپ کا کلام ایسا ہی معجز نظام ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور دُوسرا کوئی شخص آپ سے یقیناً معارضہ بھی نہیں کر سکتا، دریں حالات واقعی یہ معجزہ ہے اور معجزہ وہی ہوتا ہے جس کے مقابلے سے دُوسرے عاجز ہوں۔

چوتھی وجہ

یہ وجہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال کے فضائل میں ہے، جس کو آٹھ خصلتوں کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

پہلی خصلت آپ کی بہترین سیرت، صحیح سیاست اور دین میں اعلیٰ انتظام، جس کا اجراء از سرِ نو ہوا، یہاں تک کہ خوب مستحکم ہو گیا اور بہترین طریقے پر وضع فرمایا جو اب تک جاری ہے۔ اِس دین کے باعث آپ نے اُمت کو اُن کی مرغوب و محبوب چیزوں سے ہٹایا اور معروف سے اُنھیں غیر معروف کی جانب لے گئے تو لوگوں نے بخوشی اِس دین کو قبول کیا اور خوف و طمع کے باعث آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس قدر استحکام اور احسن انتظام اُسی صورت میں ممکن ہے کہ صائب اور پختہ رائے نیز روشن ارادہ ہو اور اِس کے

ساتھ تائیدِ ربانی حاصل ہو۔ دین کی جس بات کا آپ نے اعلان فرمایا اگر اس میں مامور ہیں تو بھی آپ کے لیے حجتِ قاہرہ ہے، لیکن وہ بات اگر اپنے اجتہاد سے فرمائی، تب بھی یہ حقانیت کا واضح نشان ہے آپ کے بیان فرمودہ قواعد کی صحت ہمیشہ مسلمہ رہے گی اور تمہارے یقین کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سلف سے خلف تک سب انہیں تسلیم کرتے آئے ہیں، بلکہ اُن میں دین کی حلاوت بڑھتی اور اس کی جدت مضبوط تر ہوتی رہی ہے۔ وہ دین کو اپنائے زمانہ کے لیے ایک نظامِ حیات مانتے ہیں، جس کے حوادثات بدلتے اور مالوف مختلف ہوتے رہتے ہیں، جو اس پر قایم رہنے والے کے لیے دلیل اور شک کرنے والے کے لیے واضح بیان ہے۔

دُوسری خصلت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجبّر کرنے والوں اور خوف کھانے والوں کو اپنے پاس جمع ہونے کی جانب راغب کیا۔ یہ دونوں فریق آپ کی نصرت کے لیے اکٹھے ہو گئے اور آپ کے ساتھ خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں منہمک ہو گئے کہ دنیا اور آخرت میں دین ہی ان کا مطمحِ نظر ہو گیا۔ نعمت کے زائل ہونے اور آخرت میں عذاب کے خطرے سے وہ خوف کھاتے تھے، لیکن اطاعت و فرماں برداری میں طبائع مختلف ہیں، جو مذکورہ دونوں فریقوں کے ساتھ قایم ہیں۔ دین صرف ایک فریق کے ذریعے حسنِ انتظام کے ساتھ قایم نہیں رہ سکتا، کیونکہ دونوں فریق ہی اس کے باقی و جاری رکھنے کے لیے ضروری ہیں اور دونوں کی بھلائی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

تیسری خصلت فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کو نصاریٰ کے غلو اور یہود کی غلطیوں سے پاک صاف اور مبرّا رکھا ہے۔

چوتھی خصلت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دنیا کی طرف مائل نہیں ہونے دیا جیسے کہ یہودی دنیا داری میں ہی غرق ہو کر رہ گئے تھے اور نہ نصاریٰ کی طرح دنیا کو چھوڑ دینے ہی کا درس دیا، بلکہ انھیں راہِ اعتدال پر چلایا کہ دنیا سے بقدرِ ضرورت و کفایت حصّہ ضرور لیں لیکن حاجت سے زیادہ حاصل کرنے کی جانب راغب نہ ہوں۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے بہتر شخص وُہ ہے جو دنیا کو آخرت کے لیے اور آخرت کو دنیا کے لیے ترک نہ کرے۔ دونوں سے حصّہ لو، اس میں

بہتری ہے جبکہ صرف ایک کے اختیار کر لینے سے خلل واقع ہو جاتا ہے اور دونوں کا جمع کرنا راہِ اعتدال ہے۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا بہتر سواری ہے۔ اِسے سواری بنا کر رکھو۔ یہ تمہیں اس طرح منزلِ آخرت تک بطریقِ احسن پہنچا دے گی۔ مومن دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لیے توشہ جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے اور طاعت گزاری میں چستی اور پھرتی دکھاتا ہے۔ دنیا کا تارک محروم اور ضیاع کرنے والا ہے لیکن قابلِ رحم اور مستحقِ رعایت ہے۔ پہلی صورت میں وہ بوجھ اور دوسری میں ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بعض صحابہ کرام نے ایک شخص کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب ہم سوار ہوئے اُس وقت سے اُترنے تک وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتا رہا اور جب ہم کسی جگہ قیام کرتے تو کوچ کرنے تک وہ نماز ہی میں مشغول رہتا۔ آپ نے دریافت فرمایا: اُس کے گھوڑے کے لیے چارہ اور خود اس کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کون کرتا تھا؟ اُن اصحاب نے جواب دیا: ہم سب مل کر اُس کے یہ کام کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم سب اُس سے بہتر ہو۔

پانچویں خصلت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علومِ دینیہ اور احکامِ نازلہ کا اہتمام فرمانا، یہاں تک کہ اُمت کے لیے احکامِ تکلیفیہ کو بالکل واضح کر دینا۔

مباحات و محظورات سے اُمت کے لیے حلال اور حرام چیزوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ نکاح اور باہمی معاملات کے عہد معاہدوں کو بالکل واضح کر دیا، حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ تک معاملات اور میراث وغیرہ کے قواعد و ضوابط میں آپ کی شریعتِ مطہرہ سے اصول و قواعد حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے حالانکہ شریعتِ محمدیہ دوسری کسی بھی شریعت کی محتاج نہیں ہے۔ آپ نے شریعت کے اصول اِس طرح مقرر فرمائے جو اُن واقعات و حوادث پر دلالت کرتے ہیں، جن سے دنیا والے بے خبر تھے اور اُن سے وہ احکام نکالے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی علت اور سبب پر مبنی ہیں۔ اِس کے بعد آپ نے حاضرین کو حکم دیا کہ یہ احکام اُن لوگوں تک پہنچا دیئے جائیں جو موجود نہیں ہیں۔ اِس لحاظ سے آپ نے اُمت کو نص کے مرتفع ہو جانے اور التباس کے غلط کر دینے سے مستغنی کر دیا۔

غائب تک پہنچانے کا حکم دیا تاکہ وہ آپ کے انذار کو جان لے اور اُس کے ظاہر سے دلیل پکڑے۔ آپ نے حکم دیا کہ میرے احکام دوسروں تک پہنچانا لیکن میری جانب سے جھوٹی روایت نہ کرنا کیونکہ جن لوگوں تک میرے احکام پہنچاتے جائیں گے اُن میں بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بیان کرنے والوں سے زیادہ محفوظ کریں گے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاملِ فقہ سے وہ شخص زیادہ فقیہ ہوتا ہے جس تک وُہ بات پہنچائی جاتے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے شریعتِ مطہرہ کے امور کو نص کے ساتھ محکم بیان فرمایا اور حاضر و غائب، قریب و بعید سب کے لیے عام حکم رکھا کہ احکامِ شریعت ہر کسی تک پہنچا دیے جائیں اور اِس طرح اُمت کے حقوق پورے فرما دیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی قسم کی کوتاہی نہ رہ جائے اور اُمت کے مصالح میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ سارا کام ایک قلیل مدت میں انجام دیا۔ آپ نے کوئی طویل زمانہ نہیں پایا تھا کہ تمام امور کو ہر شخص تک پہنچایا جا سکتا۔ لیکن تھوڑی سی مدت میں اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینا بھی ایک عدیم النظیر معجزہ ہے۔

چھٹی خصلت فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا حالانکہ اُنھوں نے ہر چہار جانب سے آپ کو گھیر رکھا تھا اور آپ کو پُوری طرح نرغے میں لیا ہُوا تھا۔ آپ اِس وقت بے یار و مددگار تھے صرف چند نفوس ساتھ تھے جو آپ کی برکت سے بڑھتے گئے، کمزور سے طاقت ور اور مغلوب سے غالب ہُوتے۔ اپنی طاقت اور شدت کے باعث دشمنوں سے محفوظ رہے اور اُن کے مقابلے میں رُعب کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دُو امور کو بیک وقت حاصل کیا۔ اوّلاً دین کے پھیلنے اور غالب ہونے تک شب و روز اُس کے اہتمام میں مصروف رہے۔ ثانیاً دشمن پر غالب آنے تک اُن کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ اِن دونوں امور میں اِس درجہ کامیابی و کامرانی حاصل کر لینا اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔

ساتویں خصلت حبیب پروردگار، احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ آپ لڑائیوں میں شجاعت اور دلیری کا ایسا مظاہرہ فرماتے جو اپنی مثال آپ ہے نیز دشمن کے مقابلے میں محیر العقول صبر و استقلال اور جرأت و دلیری

دکھاتے حتیٰ کہ میدانِ کارزار میں گھس جاتے اور وہاں بھی دشمن کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے، یہاں تک فتح وکامرانی سے دوچار ہوجاتے یا بطریقِ احسن اپنا دفاع کرتے، لیکن نہ کبھی اپنے مقام سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹے اور نہ کبھی مرعوب ہوئے بلکہ اطمینان اور سکون کے ساتھ قدم جمائے رکھتے۔

غزوۂ حنین میں جبکہ اکثر صحابۂ کرام کے قدم اُکھڑ گئے تھے تو آپ دشمن کی ایک بہت بڑی ٹولی کے مقابلے پر کھڑے تھے۔ اُس وقت آپ کے گرد اہلِ بیتِ اطہار اور صحابۂ کرام سے صرف نو افراد تھے۔ اُس وقت آپ ایک سست رفتار خچر پر سوار تھے۔ آپ اصحاب کو پکارتے اور خود کو ظاہر کر رہے تھے چنانچہ آپ اعلان فرما رہے تھے: اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں اور عبدالمطلب کا بیٹا میں ہوں۔ صحابۂ کرام نے جب آپ کی آواز سُنی تو جہاں بھی وہ اپنے حال میں گرفتار تھے وہاں سے آپ کی جانب لوٹے۔ قبیلہ ہوازن والے آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہیبت کے مارے آپ کے نزدیک پھٹکنے سے کتراتے رہے۔ آپ کبھی دشمن کی ٹڈی دَل فوج سے بھی نہیں ڈرے اور نہ کسی مقابلہ کرنے والے حملہ آور سے کبھی کترائے۔

پروردگارِ عالم نے طاقتور لشکروں کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی، جو آپ کی آواز پر لبیک کہتے تھے، چنانچہ وہ ایک جگہ جمع ہوئے اور آپ صبر و استقلال کا مظاہرہ فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی (یعنی فرشتے بھیج دیے)، آپ کی شجاعت کا یہ ایسا مظاہرہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ایک پریشان کُن آواز سُنی گئی (جیسا کہ وہاں خطرے کے وقت آواز دینے کا رواج تھا)، لوگ اس آواز کی جانب دوڑے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے اس قدر سبقت لے گئے تھے کہ آپ اُنھیں واپس لوٹتے ہوئے ملے۔ چنانچہ آپ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ کے دستِ اقدس میں تلوار تھی فرمایا لوگو! مت گھبراؤ، مت گھبراؤ۔ اِس کے بعد ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ہم نے تمہارے گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رفتار دیکھا ہے، حالانکہ وہ گھوڑا بالکل سُست تھا۔ اُس روز سے گھوڑے کی یہ حالت ہوگئی کہ کوئی تیز رفتار گھوڑا بھی اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

یہ بے خوفی اسی وجہ سے تھی کہ آپ کا اس بات پر کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا اور آپ کے دین کو جلد غلبہ دے گا، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے وعدہ فرمایا ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ ۱؎ تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے۔

اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کی تصدیق ہیں ہے:

زویت لی الارض فرأیت مشارقہا	میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی ہے، پس میں نے
ومغاربہا سیبلغ ملک امتی	اُس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا ہے عنقریب
ما زوی لی منہا۔ (ص ۱۰۲)	میری اُمت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک
	میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق کو قائم کرنا، یہی گواہ آپ کی صداقت کے لیے کافی ہے۔

آٹھویں خصلت نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سخاوت عطا فرمائی گئی تھی، حتیٰ کہ جو چیز بھی موجود ہوتی آپ دوسروں کو مرحمت فرما دیتے لیکن مطلوب و محبوب کو ترجیح دیتے۔ جب آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ چند سیر جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، جو آپ نے گھر والوں کے لیے اُس سے حاصل کیے تھے، حالانکہ اُس وقت جزیرۂ عرب کے سفید و سیاہ کے مالک آپ تھے۔ عرب میں گنتے ہی بادشاہ اور دولت مند تھے، جن کے پاس خزانے اور دولت کے ذخیرے تھے، جن کے باعث وہ فخر کیا کرتے تھے اور خوش رہتے تھے لیکن آپ نے اُن علاقوں کو فتح کر لیا اور اُن کے ملک اب آپ کے زیرِ فرمان تھے لیکن آپ نے درہم و دینار قطعاً جمع نہ کیے بلکہ خشک کھانا کھاتے، موٹا اور سخت لباس پہنتے لیکن سخاوت خُوب کرتے۔ بڑی بڑی جماعتوں میں دولت تقسیم کر دیتے اور خود معمولی کھانے پر اکتفا کرتے۔ فاقوں پر صبر کرتے حالانکہ قبیلہ ہوازن سے آپ کو بکثرت مالِ غنیمت حاصل ہُوا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قیدی ——— چھ ہزار (۶۰۰۰)

۲۔ اونٹ ——— چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰)

۱؎ پ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۸

۳- بکریاں ــــــــــــ چالیس ہزار (۴۰۰۰۰)

۴- چاندی ــــــــــــ چار ہزار اوقیہ (۴۰۰۰)

یہ سارا مالِ غنیمت مستحقین میں تقسیم فرما کر کاشانۂ اقدس کی جانب خالی ہاتھ لوٹے۔

ابُووائل مسروق سے، اور وُہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے روایت کرتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درہم و دینار یا بکری اور اُونٹ وراثت میں نہیں چھوڑے اور نہ کسی چیز کے بارے میں وصیت ہی فرمائی۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

عمرو بن مُرّہ حضرت سُوید بن حارث سے اور وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے دنیاوی چیزیں خوش نہیں کرتیں اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں اُسے خدا کی راہ میں خرچ کر دوں گا اور جس دن بھی وفات پاؤں تو میرے پاس قرض ادا کرنے کے علاوہ ایک دینار بھی باقی نہیں ہوگا۔ (سُبحان اللہ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا اور اُس وقت وُہ آپ کے پاس نہ ہوتی تو آئندہ کے لیے وعدہ فرما لیتے لیکن نفی میں جواب نہ دیتے اور منعمِ حقیقی کی عطا کا انتظار کرتے۔ حماد بن زیاد نے حضرت یعلیٰ بن زیاد سے اور اُنھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ وُہ بیٹھ گیا اور اسی دوران میں کئی سائل اور آ گئے، تو اُنھیں بھی بٹھاتے گئے، یہاں تک کہ ایک آدمی چار اوقیہ لے کر حاضرِ بارگاہِ رسالت ہُوا اور عرض گزار ہُوا کہ یا رسول اللہ! یہ صدقہ ہے۔ آپ نے پہلے شخص کو بُلایا اور اُسے ایک اوقیہ عطا فرمایا، پھر دُوسرے کو بلایا اور ایک اوقیہ اسے مرحمت فرمایا، اِسی طرح تیسرے کو عطا فرمانے کے بعد آپ کے پاس ایک اوقیہ بچ گیا۔ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو حاجت مند ہو اسے لے سکتا ہے۔ کوئی شخص لینے کے لیے تیار نہ ہُوا۔ جب رات ہُوئی تو آپ نے سرہانے رکھ لیا۔ آپ اُونی کمبل پر آرام فرماتے تھے لیکن ساری رات نیند نہ آئی۔ صبح مسجد

میں نماز ادا فرمائی۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پُوچھا: کیا دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے؟ فرمایا: بحمد اللہ ٹھیک ہوں۔ عرض گزار ہوئیں، کیا اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اِس رات کوئی حکم نازل فرمایا گیا ہے؟ فرمایا، نہیں۔ عرض کی، آج رات آپ نے بڑی بے قراری سے گزاری ہے جبکہ اِس سے پہلے یہ حالت کبھی دیکھی نہیں گئی۔ آپ نے سرہانے کے نیچے سے وہ اوقیہ نکال کر دکھاتے ہوئے فرمایا: مجھے ساری رات اِس نے بے قرار رکھا ہے۔ میری پریشان حالی جو تم نے دیکھی وہ اِسی کے باعث تھی۔ میں ڈر رہا تھا کہ اسے فی سبیل اللہ خرچ نہیں کر سکا، مبادا ایسی حالت میں خدا کی طرف سے کوئی حکم آجائے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اُنھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ مہربان ہُوں۔ جس شخص نے مرتے وقت قرضہ چھوڑا وہ میرے ذمے ہے، اُسے میں ادا کروں گا اور جس نے مال چھوڑا وہ اُس کے وارثوں کے لیے ہے۔ کیا سخاوت کا ایسا عالم اور کسی جگہ نظر آیا ہے؟ کیا دنیا کے مال و متاع سے اعراض کرنے والا ایسا زاہد کوئی اور دیکھا یا سُنا گیا ہے؟ آپ کی طرح دنیا سے اعراض کر کے زاہد بننا دوسروں سے بعید ہے۔ آپ کے اِن فضائل کے کچھ حصے کو بھی نہیں پایا جا سکتا اور نہ آپ کے بے شمار محاسن و کمالات سے کسی ایک خصلت ہی کو آپ کی طرح حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ کمالاتِ مصطفیٰ کی کسی کو غایت ہی معلوم نہیں اور نہ کسی دُوسرے میں وُہ کمالات کامل طور پر پاتے ہی جا سکتے ہیں تاکہ اُسے آپ کا ہم پلہ قرار دیا جا سکے۔ لُطف کی بات تو یہ ہے کہ دشمن بھی آپ کے کمالات کا انکار نہ کر سکے۔ تمام منافقوں، مخالفوں، زندیقوں اور ملحدوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا کہ وُہ آپ کی کسی لغزش ہی پر مطلع ہو جائیں جو بغیر کسی قصد کے یا بے توجہی سے واقع ہو گئی ہو تاکہ اُس کے سبب آپ کی شانِ اقدس میں ایک گونہ اہانت جاری کر کے اپنے دلوں کی لگی بلکہ بھڑکتی ہُوئی آگ بجھا سکیں، لیکن سعیِ بسیار کے باوجود وہ کسی لغزش پر مطلع ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ حاسدوں اور دشمنوں کی باریک بین اور عیب جُو نگاہیں بھی آپ کی کسی لغزش کا کھوج نہ لگا سکیں اور اُن عیب لگانے والوں اور رُسوا کرنیوالوں کو نہ اہانت کی

گنجائش ملی اور نہ طعن و تشنیع کا موقع۔ آپ کا حال وہی ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

شہد[1] الانام بفضلہ حتی العدآء

والفضل ماشہدت بہ الاعدآء

جو فضیلت میں اُس کی غایت کو پہنچا ہو اور اُمور کی غایت کے اسباب کو کامل طور پر حاصل کر لیا ہو، وُہی ساری دنیا کی سیادت و قیادت کے لائق اور اصلاحِ خلق کی ذمہ داری کا اہل ہے۔ نبوّت سے بڑھ کر اور کون سی غایت ایسی ہے جس کے ذریعے اُمور کی اصلاح کی جا سکے اور فساد کا مادّہ دفع ہو جائے۔ اِس کا مقتضیٰ یہی تھا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اِس کے اہل ہیں اور اِن امور کا قیام آپ ہی کا مرہونِ منت ہے کیونکہ جب آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تو آپ ہی کے باعث اِن امور نے قرار پکڑا تھا۔ جب آپ ان امور کی حفاظت کے لیے کھڑے ہُوئے تو اِس احسن طریقے سے حفاظت فرمائی کہ محافظت کا حق ادا کر دیا۔ پس آپ ہی اُن کے لیے مناسب تھے اور وُہ آپ ہی کے مناسب تھے۔ اِن امور کی کفالت کا فریضہ آپ پر عائد ہُوا تو اُس کی ادائیگی میں آپ نے ذرا سی کوتاہی بھی واقع نہیں ہونے دی۔

جن دُو چیزوں میں باہم مشابہت ہو، وہ متشاکل ہوتی ہیں اور جو متشاکل ہوں اُن کو ایک دُوسرے سے محبّت ہوتی ہے اور جو ایک دُوسرے سے محبّت کریں وہ آپس میں متفق ہوتے ہیں اور اتفاق و فاق کی دلیل ہے جو ہر ایک انتظام کی دلیل اور ہر نظم کا قاعدہ و قانون ہے۔ یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی بہت ہی واضح دلیل اور آپ کی رسالت کے سچے ہونے کا ظاہر نشان ہے۔ ایسی وضاحت کے باوجود آپ کی فضیلت کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو شرفِ انسانیت ہی سے عاری ہو۔ سب تعریفیں اُسی خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں آپ کی اطاعت کی توفیق بخشی اور آپ کی رسالت کو سچا ماننے کی جانب رہنمائی فرمائی۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

---

[1] لوگوں نے اُس کے فضل و کمال کی گواہی دی، حتیٰ کہ دشمنوں نے بھی اور اعلیٰ فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

بعثت اور استقرارِ نبوّت

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اعلامِ نبوت" کے اکیسویں باب میں
لکھا ہے اور وہ آخری باب ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مبداء اور نبوت
کا استقرار بیان کیا ہے۔ ہر کام جو مقدور ہوتا ہے جب وہ قریب الوقوع پہنچے تو خواہ اُس کا
تعلق ڈرانے سے ہو یا خوشخبری سنانے سے، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے سبب پوشیدہ امور کے
مبادی کو ظاہر فرما دیتا ہے اور اُس کے قضاو قدر میں جو کچھ چھپا ہُوا ہے اُس کی خبر دیتا ہے تاکہ یہ
تعذیر و تحذیر کا کام دیں، جن کے باعث عقلیں بیدار ہوں اور جاہل ڈریں۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے
اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی ہے تاکہ وُہ اچانک پیش آنے والے امور سے بچیں، جو اُنھیں
تدابیر سے غافل کر دینے والے ہوں جبکہ وُہ اُنھیں پُوری تیزی کے ساتھ پہنچیں اور وُہ ان کا دفعیہ
نہ کر سکیں۔ آپ کی بعثت کے باعث نفوس کو اس قابل بنانا تھا تاکہ وہ پیش آمدہ حالات کی سختی کا
دفاع کرنے اور اُن کی شدت سے نپٹنے کے اہل بن جائیں۔ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت میں مبعوث ہونے کا وقت قریب آیا، تاکہ مخلوقِ خدا کو خوشخبری
دیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، تو اُممِ سابقہ میں بھی یہ چرچا عام تھا کہ عنقریب وُہ وقت
آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم الشان نبی کو بھیجے گا۔ جس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے کتاب مرحمت
فرمائی تھی وہ حضرات اُس کتاب کے باعث آپ کو پہچانتے تھے اور جنھیں کوئی کتاب عطا نہیں
فرمائی گئی تھی اُنھیں ایسی نشانیوں کے ذریعے آپ کی معرفت حاصل ہُوئی جس پر عقلِ سلیم دلالت
کرتی ہے نیز اُن قلبی جاسُوسوں کے ذریعے الہامی طور پر مطلع ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دِلوں
میں پیدا کر دیتا ہے اور پاکیزہ ذہن بھی اس معاملے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور محتاط آدمی لوگوں کو
ڈراتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جانب توجہ بھی نہیں فرمائی تھی کہ
اِس اعلان سے آپ ہی مراد ہیں اور دارین کی سیادت کے اہل صرف آپ ہیں۔ یہاں تک کہ
آپ کے اوصاف کی منادی کر دی گئی اور جب آپ کو اعلان کرنے کا حکم ملا اُس وقت اظہار
فرمایا تاکہ تہمت سے دُور اور بدگمانی سے محفوظ رہیں۔ یہ آپ کی حقانیت کی واضح برہان اور

غالب دلیل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اخلاقی شرف اور مکرم طبیعت کے باعث اپنی قوم میں امتیازی مقام رکھتے تھے، بایں وجہ نہ کسی کے سامنے آپ نے بتوں کی تعریف کی اور نہ انھیں کسی طرح کی تعظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ تمام فقہاء اور متکلمین کے نزدیک آپ توحید، قدمِ باری تعالیٰ، حدوثِ عالم، شکرِ منعمِ حقیقی، انسدادِ ظلم وستم، ضرورتِ انصاف اور امانت واپس لوٹانے کو بمقتضائے عقل جانتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔

اہلِ علم حضرات کا اِس بات میں اختلاف ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت سے پہلے کس نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔ اکثر متکلمین اور بعض وہ فقہا جو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصحاب تھے اِس جانب گئے ہیں کہ گزشتہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اگر آپ کسی بھی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تو پہلے اُسے سیکھنا پڑتا اُس کے بعد ہی عمل کر پاتے، عمل کرنے سے وُہ شریعت ظاہر ہوتی اور شریعت کے ظاہر ہونے سے لازمی طور پر بعض لوگ آپ کی موافقت کا دم بھرنے ہوتے پیروی کرتے جبکہ بعض مخالف جھگڑتے اور مخاصمت پر آمادہ ہو جاتے۔

بعض متکلمین اور امام شافعی و امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصحاب بعض فقہائے کرام اِس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انبیائے گزشتہ کی شرائع کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے کیونکہ اُن انبیائے کرام نے اپنے زمانے والوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو اپنی شریعتوں کی دعوت دی تھی اور اُن کی شریعت اُس وقت تک جاری رہتی تھی جب تک دُوسری شریعت آکر اُسے منسوخ نہ کرے۔ بعثت سے پہلے نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اِس دعوت کے عموم میں داخل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے کو شریعت سے کبھی خالی نہیں رکھا اور نہ ایسے متدین لوگوں سے خالی رکھتا ہے جو دُوسروں سے سُن کر عبادت کرتے ہیں۔

اِس مذہب کے قائلین میں بھی اختلاف ہے کہ آقائے نامدار، احمد مختار

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی شریعتوں میں سے کس نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔ (۱) اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو دل کا احمق ہے۔

علاوہ بریں آپ حج اور عمرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر کاربند تھے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عامل تھے، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے منسوخ نہیں کیا تھا کیونکہ پہلی شریعتیں مٹ چکی تھیں اور توریت کے ذریعے صرف موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کے احکام واضح تھے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ۔ (۲) بے شک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے کیونکہ اُن کی شریعت نے شریعتِ موسوی کو منسوخ کر دیا تھا۔ اس طرح بعثت سے پہلے اپنے دین میں حرج واقع ہونے اور یقین میں قدح کے خدشات سے محفوظ رہے۔ یہی تو شانِ مصطفائی کی نشانیاں اور منصبِ مجتبائی کا مقدمہ ہے۔ (صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ)

جب اعلانِ نبوت کا وقت ثابت ہوا اور قریب آیا اور حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دنیاوی حیات کی چالیس منزلیں طے کرنے والے تھے تو اللہ رب العزت نے آپ کو خلوت پسند کر دیا کیونکہ آپ کی عمر پختہ اور قویٰ مضبوط ہو چکے تھے اور اس طرح اُس امانت کو بطریقِ احسن سنبھالنے کے قابل ہو چکے تھے جو آپ کے لیے مقدر

---

(۱) پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۳۰ (۲) پ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۴۴

فرمادی گئی تھی۔ وقتِ معینہ سے پہلے غارِ حرا کے اندر چند راتیں آپ نے تنہائی میں گزاریں۔ بعض کا
خیال یہ ہے کہ قریش کی عادت کے مطابق سال میں ایک مہینہ آپ غارِ حرا میں مجاورت کیا کرتے تھے
اِس سے مقصود نیکی حاصل کرنا ہوتا اور ایک ماہ کے بعد اپنے اہل و عیال میں واپس لوٹ آتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے بارِ نبوت کی امانت آپ کے سپرد کرنے کا ارادہ فرمایا تو
غار میں اتنے دنوں تک خلوت گزیں رہے کہ کھانے پینے کی چیزیں آپ کے لیے غار ہی میں پہنچائی
جاتی تھیں۔ آپ اُن میں سے خود کھاتے اور غرباء و مساکین کو کھلایا کرتے تھے۔ جب آپ غار میں
گوشہ نشین تھے اُس وقت بھی آپ کا دعوئ نبوت کی طرف کوئی ارادہ نہیں تھا حالاں کہ
بعض لوگوں کو ایسا گمان گزرتا تھا اور اہلِ کتاب کے نزدیک تو آپ کا نبیِ آخرالزماں ہونا بالکل
واضح تھا۔ نبوت کے متعلق آپ کا ایک لفظ بھی قبل بعثت زبان پر نہ لانا اِسی وجہ سے تھا تاکہ
ابتدائی حصہ بھی تصنّع اور تکلّف سے مانع رہے اور نبوّت کے دعوے کو اختراع کی جانب
منسوب نہ کیا جاسکے۔ اگر آپ تصنّع سے کام لیتے یا اختراع کرتے تو اُس کے اسباب ضرور
ظاہر ہوتے اور اُس کے بارے میں شہادتیں درجۂ شہرت تک پہنچ جاتیں اور معاندین کے لیے
اُنھیں مشہور کرنے میں جھجک کیا تھی؟ نیز آپ سے محبت رکھنے والے اِس صورت میں تاویل
کی راہیں مسدود پاتے۔ اہلِ علم و دانش کے لیے یہی وضاحت کافی ہے جو تہمت سے بعید
اور بدگمانی سے محفوظ رکھنے والی ہے۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر خلوت گزیں رہے یہاں تک
کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے نبوت کی نشانیاں ظاہر فرمادیں اور غفلت وعدمِ التفات سے
بیدار کرکے کچھ عرصے بعد اِس امر کی بشارت دی، پھر بشارت کے بعد آپ کو منصبِ رسالت پر
فائز کردیا۔ اِس دَور میں بتدریج آپ کے احوال کو اِس طرح ترقی دی گئی کہ بارِ نبوّت کے
متحمل ہوسکیں اور اِس کے حقوق و لوازم سے آشنائی ہوجائے۔ یہ احوال اچانک یا بغیر
کسی ترتیب کے نہیں تھے، جس سے عدمِ توجہی اور حقوق کے مخفی رہنے کے باعث کمزوری
آنے کا خدشہ رہتا ہے بلکہ خاص نظم وضبط کے ماتحت تھے کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص
مہربانی ہے اور یہ خاص الخاص انعام تھا اور وہی منعمِ حقیقی اُمّتِ مرحومہ کو آپ کی اطاعت و

فرمانبرداری کی جانب بُلانے والا ہے۔ اللہ ہر عیب سے پاک اور اپنی مخلوق سے خاص بندوں کو خصوصی انعامات سے نوازنے والا ہے۔

جس کی نبوت کے احوال اِس ترتیب سے ہوں کہ ایک وقت آنے پر اُسے صاف طور پر مطلع کر دیا جاتے کہ وہ نبی مبعوث اور رسول مبلغ ہے۔ اُس کے یہ تدریجی احوال چھ مراتب پر منقسم ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ان میں سے ایک حال سے دُوسرے کی طرف ترقی فرماتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ جملہ مراتب کو طے کر کے منتہائے کمال کو پہنچ گئے۔ مذکورہ مراتب حسبِ ذیل ہیں:

پہلا مرتبہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا پہلا مرتبہ رؤیائے صالحہ تھے، تاکہ آپ اِس جانب مائل ہو جائیں کیونکہ اُن کے ذریعے ایک ایسی بات کا ذکر کرنا تھا جس سے آپ خوش ہو جائیں اور اوسانِ علیٰ وجہ الکمال مجتمع رہیں، تاکہ جب آپ کو مبعوث فرمایا جاتے تو پیشگی اطلاع کے سبب تقویت کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

زہری نے حضرت عروہ سے اور اُنھوں نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت سچے خوابوں سے شروع ہُوئی، جن کی تعبیر صبحِ منوّر کی طرح سامنے آجاتی تھی، یہاں تک کہ آپ پر وحی لے کر فرشتہ نازل ہُوا۔ مذکورہ خوابوں کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ آیا وہ غارِ حرا میں خلوت گزینی کے دوران دیکھے یا اِس سے پہلے؛

حضرت عروہ نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ رؤیائے صادقہ کے بعد آپ کا رُجحان خلوت کی جانب ہُوا تھا۔ لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خلوت کے بعد ایسے خواب نظر آئے تھے کیونکہ آپ نبوت کی جانب سے عدمِ التفات کی حالت میں خلوت گاہ کی طرف گئے تھے۔

برہ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے آخری رسول کو منصبِ نبوت مرحمت فرمانا چاہا تو آپ جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے، وہ عرض کرتا، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (اے اللہ کے رسول! آپ پر

سلام ہو) آپ دائیں بائیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے تو کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ ایک احتمال یہ ہے کہ ایسے واقعات خوابوں سے پہلے پیش آئے ہوں گے اور یہ غیبی آوازیں ہوں جو اعلامِ وحی کا حصّہ اور اعجازِ نبوّت کی دلیل ہے۔ دُوسرا احتمال یہ ہے کہ ایسے واقعات خوابوں کے بعد پیش آئے ہوں، جن کا مقصد نبوت کی تصدیق اور اُس کی صحت کی تحقیق ہو۔

دُوسرا مرتبہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا دُوسرا مرتبہ جس کے باعث آپ ساری مخلوق سے ممتاز ہیں، وُہ آپ کا جملہ عیوب سے مبرّا اور نجاستوں سے پاک صاف رہنا ہے، تاکہ اِس کمال کے باعث آپ کو ساری مخلوق سے چُن لیا جائے اور کدورتوں سے پاک ہونے کی وجہ سے قُربِ خاص میں لیا جائے۔ یہ منصبِ نبوّت کے سبب انذار اور اُخروی معاملات سے باخبر کرنا ہے، جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اعلانِ نبوت سے پہلے حالات دریافت کیے، تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے جبکہ میں مکہ معظمہ کی وادیٔ بطحاء میں تھا، اُن میں سے ایک زمین پر تھا اور دُوسرا زمین و آسمان کے درمیان۔ ایک نے اپنے ساتھی سے پُوچھا: کیا یہ شخص وہی ہے؟ دُوسرے نے جواب دیا، ہاں یہ وہی ہے۔ پہلا کہنے لگا: اچھا اِن کا ایک اُمتی کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ میرے ایک اُمتی کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو مَیں بھاری نکلا۔ وہ پھر کہنے لگا: اچھا دس مردوں سے اِن کا وزن کرو۔ دس آدمیوں کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو بھاری مَیں رہا۔ اُس نے پھر کہا: ایک سَو کے ساتھ وزن کرو۔ اِسی طرح میرا وزن کیا گیا اور بھاری مَیں نکلا۔ پھر ایک ہزار کے ساتھ وزن کرنے کے لیے کہا اور تولنے پر جب میں وزنی نکلا تو اُنہیں ترازو کے پلڑے سے نکالتے ہُوئے ایک دُوسرے سے کہنے لگے، اگر اِن کا ساری اُمت کے ساتھ بھی وزن کیا جائے تو بھاری یہی نکلیں گے۔ اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اِن کا شکم مبارک چاک کرنا چاہیے۔ چنانچہ میرا پیٹ چاک کیا گیا۔ پھر کہنے لگا: اِن کا دل بھی چیرنا چاہیے۔ پس اُنھوں نے میرا دل بھی چیرا اور اُس میں سے گوشت کا جما ہُوا حصّہ نکال لیا اور شیطان کے وسوسہ کرنے کی جگہ بھی۔ پھر کہنے لگا: اِن کے شکم مبارک کو برتن کی طرح اور قلبِ اطہر کو کپڑے کی طرح

خوب دھو دیا جائے۔ پھر سکینہ طلب کی اور اُسے میرے قلب میں داخل کر دیا۔ اِس کے بعد اُس نے میرے شکم کو سینے کا حکم دیا تو وُہ سی دیا گیا اور اِس کے بعد وُہ چلے گئے۔ یہ واقعہ مَیں نے اِس طرح دیکھا گویا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہُوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منصبِ نبوت کے تفویض فرمانے کا وقت قریب ہُوا۔ آپ کعبہ کے نزدیک سوئے ہُوئے تھے اور قریشِ مکہ بھی کعبہ کے ارد گرد سویا کرتے تھے۔ اُس وقت حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السّلام حاضرِ بارگاہِ رسالت ہُوئے اور اپنے ہاتھوں سے آپ کی جانب اشارہ کرتے ہُوئے کہنے لگے: ——— ہمیں سرورِ کائنات کے متعلق حکم ملا ہے۔ اِس کے بعد وُہ چلے گئے اور دُوسری رات بھی حاضر ہُوئے لیکن اِس دفعہ وُہ تین تھے۔ اُنھوں نے اِس دفعہ بھی فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سوتے ہُوئے پایا۔ پس آپ کو چت لٹایا، شکم مبارک کو چیرا، اور آبِ زمزم لا کر اُس سے خُوب دھویا اور جو بھی شک و شبہات اور جاہلیت وغیرہ کے مواضع بتقاضائے بشریت ہوتے ہیں اُنھیں دھو کر دُور کر دیا۔ اِس کے بعد سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان و حکمت سے لبریز تھا اور سارا نورِ ایمان مع حکمت قلبِ مصطفیٰ میں رکھ دیا گیا۔ یہ حدیث بھی معناً حدیثِ ابُو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق ہے اگرچہ بعض الفاظ مختلف ہیں۔ یہ دونوں روایتیں انذارِ نبوت کے متعلق وارد ہُوئی ہیں۔

تیسرا مرتبہ فرشتے کا نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت کی بشارت دینا۔ اُس کا یہ بشارت دینا تکلیف و انذار سے خالی اور صرف ایک خبر تک محدود تھا کیونکہ آپ پر اُس وقت نہ کوئی وحی نازل ہُوئی اور نہ کسی پیغام رساں کو آپ نے بچشمِ خود دیکھا، حالانکہ فرشتے کا یہ احساس بھی واضح دلالت کرنے والی نشانی سے ملحق اور قریب تر ہے، جو مشاہدے کا قائم مقام اور بالمشافہ گفتگو سے بے نیاز کرنے والا ہے اور اِس کے ذریعے یہی بتانا مقصود تھا کہ وُہ زمرۂ انبیائے کرام کے ایک فرد ہیں اور اِس طرح وحی سُننے کے لیے تیار ہو جائیں اور مشقت و تکالیف کے صبر و سکون کے ساتھ متحمل ہو سکیں اور اُس کے انعامات پر شکر گزار رہیں۔

امام شعبی اور داؤد بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت سے اسرافیل علیہ السلام کو تین سال تک قریب رکھا۔ آپ اُن کی معیت کو محسوس کرتے تھے لیکن نظر کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ وُہ آپ کو یکے بعد دیگرے کسی نہ کسی چیز کی خبر دیتے رہتے تھے لیکن وُہ قرآن نازل نہیں کر سکتے تھے۔ اِس تین سالہ مدت گزرنے کے بعد نبوت کی بشارت دی گئی لیکن اُمت کی طرف اُس وقت تک مبعوث نہیں فرماتے گئے تھے۔ احتمال یہی ہے کہ اِس مہلت سے فرائضِ رسالت پر آپ کی امداد و اعانت مقصود ہو۔ دُوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اِس مہلت سے اُمتِ مرحومہ پر شفقت فرمائی گئی ہو۔ تیسرا احتمال مصلحتِ وقت کا ہو سکتا ہے۔ مذکورہ سارے احتمالات کا پایا جانا بھی ممتنع نہیں ہے کیونکہ ظاہر اور پوشیدہ معانی کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

چوتھا مرتبہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہُوتے۔ آپ نے اُنھیں دیکھا، اُن کی باتوں کو سُنا اور اُنھوں نے بالمشافہ خبر دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ یہ معاملہ اِسی اطلاع تک محدود ہے۔ اِس کے علاوہ آپ کو انذار کا حکم نہیں ملا تاکہ آپ کو بشارت کے بعد اِس کا عین الیقین حاصل ہو جاتے اور وثوق میں زیادتی ہوتی جائے اور اِس کے بارے میں خود آپ کا علم ایسا راسخ و صادق ہو جاتے کہ اِس کی جانب وہم اور شکوک و شبہات کو کوئی راستہ نہ مل سکے۔

زہری نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نبوت دیئے گئے تو آپ کی بارگاہ میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوتے اور کہنے لگے، اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، حالانکہ اُس وقت مَیں کھڑا تھا۔ اِس کے بعد مَیں (غارِ حرا سے) واپس لوٹ آیا اور میرے کندھے بھی مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ مَیں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور اُن سے کہنے لگا کہ مجھے کپڑا اُڑھاؤ، مجھے کپڑوں میں لپیٹ دو۔ تھوڑی دیر بعد یہ خوف و ہراس دُور ہو گیا۔ اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام پھر حاضر ہُوتے اور کہنے لگے: یا محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مَیں جبرئیل ہُوں اور آپ

اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے کہا: پڑھیے۔ میں نے پُوچھا: کیا پڑھوں؟ آپ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر تین مرتبہ زور سے دبایا اور دبانے میں خُوب زور لگایا یا دبانے سے مجھے تنگی ہو رہی تھی اِس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ [1] پڑھو اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا۔

میں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور اُن سے کہنے لگا کہ مجھے اپنی ہلاکت کا پُورا خطرہ ہے اور اِس کے ساتھ ہی سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اُنھوں نے کہا، یہ تو آپ کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ صِلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانت کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں، مشکلات برداشت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور نیکی کے کاموں میں دوسروں کی مدد فرماتے ہیں۔ اِس کے بعد وُہ مجھے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو حق کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ توریت و انجیل کا عالِم تھا اور نصرانی مذہب قبول کر چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ بن نوفل سے کہا کہ اپنے بھتیجے (بلحاظِ عمر بھتیجا کہا ہوگا) کی بات سُنئے۔ ورقہ بن نوفل نے مُجھ سے پُوچھا: کیا بات ہے؟ مَیں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو سُنتے ہی کہنے لگا: یہی تو وُہ ناموس ہے جو حضرت مُوسٰی علیہ السلام پر نازل ہُوا تھا، اُس کا نام جبرئیل علیہ السلام ہے۔ کاش! مَیں اُس وقت تک زندہ رہوں جب قوم آپ کو مکّہ مکرمہ سے نکال دے گی۔ مَیں نے کہا، کیا لوگ مجھے میرے شہر سے بھی نکال دیں گے؟ جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہوگا۔ کیوں کہ جس پیغامِ حق کو لے کر آپ اُٹھنے والے ہیں، جو فرد بھی اِس پیغام کو لے کر آیا اُس کے ساتھ معاندانہ برتاؤ ہی ہوتا رہا ہے۔ اگر مَیں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی پُوری طرح مدد کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہی سب سے پہلی وحی ہے۔ اِس کے بعد سورۂ القلم کی یہ آیات نازل ہُوئیں:

---

[1] پ ۳۰، سورۂ العلق، آیت پہلی

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝	قلم اور اس کے لکھے کی قسم۔ تم اپنے رب
مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝	کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝	لیے بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تمہاری
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ	خو بڑی شان کی ہے تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی
وَیُبْصِرُوْنَ ۝ [1]	دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔

اِن آیات کا اُس وقت نزول اِس غرض سے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ ثابت قدم ہو جائیں، نورِ بصیرت میں اضافہ ہو اور اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئیں، کیا جب آپ کے صاحب (جبرئیل علیہ السلام) حاضرِ بارگاہ ہوں تو اُن کی آمد سے مجھے مطلع فرمایا جا سکے گا؟ آپ نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ عرض کی: جب بھی وہ آئیں تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ جب جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خدیجہ! یہ جبرئیل آ گئے ہیں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حاضر ہو گئیں اور کہنے لگیں: یا رسول اللہ! آپ یہاں سے اُٹھ جائیں اور میری بائیں ران پر بیٹھ جائیے۔ آپ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بائیں ران پر جا بیٹھے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا جبرئیل علیہ السلام اب بھی آپ کو نظر آ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: اب آپ میری دائیں ران پر آ جائیں۔ چنانچہ جب آپ اُن کی دائیں ران پر بیٹھ گئے تو اُنھوں نے پوچھا، کیا اب بھی آپ اُس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اب آپ میری گود میں تشریف فرما ہو جائیں۔ چنانچہ آپ اُن کی گود میں بیٹھ گئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا اب بھی آپ اُنھیں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمالِ حسرت کے ساتھ اپنا دوپٹہ مبارک سر سے اتار دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس وقت اُن کی گود میں جلوہ افروز تھے۔ اِس کے بعد پوچھا، یا رسول اللہ!

---

[1] پ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۱تا۵

کیا اب آپ اُس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِس مرتبہ نفی میں جواب دیا۔

یہ جواب سُن کر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: اے میرے چچا کے بیٹے! ثابت قدم رہیے، یہ آپ کے لیے خوشخبری ہے کیونکہ خدا کی قسم، وُہ آنے والا یقیناً فرشتہ ہے اور شیطان ہرگز نہیں۔ چنانچہ اُسی وقت وُہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور وُہ سب لوگوں سے پہلے مسلمان ہونے والی ہیں[1]۔ اِس موقع پر جو کچھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا وہ صرف اُن کی ذات سے متعلق تھا کہ حق کو ظاہر دیکھنا چاہتی تھیں۔ اُن کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حق ظاہر ہو جائے اور اِس کا غالب یقین ہو جائے۔ چونکہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے اِسی برحق معجزے کو دیکھنا چاہتی تھیں، اِسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی صرف جبرئیل علیہ السلام کی تصدیق کرنے پر ہی اکتفا فرماتے رہے تھے۔

اِس دوران میں جو کچھ بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر نازل ہوتے رہے وہ صرف نبوّت کے بارے میں خبریں تھیں تاکہ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کو چُن لیا ہے اور اِس طرح آپ اللہ تعالیٰ کی طرف پُوری طرح متوجہ ہو جائیں اور جو احکام آپ پر نازل ہوں اُن کے لیے پُورے طور پر خود کو وقف کر دیں۔ اِس طرح قبل ازیں آپ احکامِ الٰہی کے پُوری طرح متبع ہو جائیں اور جو کچھ اُنھیں مرحمت فرمانے کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کے پُوری طرح متوقع رہیں۔ اِس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعلانِ نبوّت کی اجازت تو مل گئی لیکن ابھی تبلیغ و انذار کی اجازت نہیں ملی تھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝[2] اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

---

[1] اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے یُوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے: ؎

سیما، پہلی ماں، کہفِ امن و اماں — حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی — اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

[2] پ ۳۰، سورۂ والضحیٰ، آیت ۱۱

یعنی نبوت کے بارے میں جو خبریں آپ کو دی گئیں اُن کے ذکر کی اجازت دی، چنانچہ آپ چُھپ کر اس کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

پانچواں مرتبہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ آپ کو منصبِ نبوت کے بعد تبلیغ و انذار کا حکم ملا، منصبِ رسالت تفویض ہُوا اور اوامر و نواہی کے ساتھ قرآنِ کریم نازل ہونا شروع ہوا جس کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا گیا تھا لیکن اِس وقت تک آپ کو ڈنکے کی چوٹ نبوت کا اعلان کرنے اور عام تبلیغ و انذار کا حکم نہیں دیا گیا تھا، تاکہ جو آپ پر ایمان لے آئے اس کی تخصیص ہو اور جو آپ کی دعوت کو قبول کرلے وہ اپنے عزم میں پختہ ہو جائے۔ اللہ جل شانہُ نے مندرجہ ذیل آیات اِسی بارے میں نازل فرمائیں:

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝	اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر
وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ ۝	ڈر سناؤ اور اپنے رب کی ہی بڑائی بولو اور اپنے
وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ	کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دُور رہو اور زیادہ
تَسْتَکْثِرُ ۝ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ۝[1]	لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو اور اپنے
	رب کے لیے صبر کیے رہو۔

وحی و انذار کے ساتھ آپ کی نبوت مکمل ہوگئی اگرچہ وُہ ابھی پوشیدہ تھی۔ نزولِ وحی اور منصبِ نبوت کا حصول رمضان المبارک میں دوشنبہ مبارکہ (بروز پیر) کو ہوا۔ ہشام بن محمد کہتے ہیں کہ ہفتہ اور اتوار کی رات کو بھی جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کے لیے پیغامِ رسالت لے کر پیر کے روز حاضر ہوئے۔

حضرت ابو قتادہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پُوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ میری پیدائش کا دن ہے اور اِسی روز مجھے نبوت عطا فرمائی گئی۔

---

[1] پ ۲۹، سورہ المدثر، آیت ۱ تا ۷

ہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُس پیر کو رمضان المبارک کی کون سی تاریخ تھی؟ ابوقلابہ نے کہا کہ اٹھارہ تاریخ تھی اور ابوخلد نے چوبیس بتائی ہے۔ اکثر کا یہی قول ہے کہ اُس وقت آپ چالیس سالہ تھے اور عام الفیل کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اُس وقت آپ کی عمر تینتالیس برس تھی۔

ہشام بن محمد نے کہا کہ کسریٰ پرویز کی حکومت سے بیس برس بعد اور بقول بعض سولہ برس بعد آپ پر وحی نازل ہوئی۔ روایت کی گئی ہے کہ اس کے بعد منگل کے روز دوبارہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے جبکہ آپ مکہ مکرمہ کے بالائی جانب تشریف فرما تھے وادی کے ایک جانب جبرئیل علیہ السلام نے ایڑی ماری تو وہاں سے پانی کا چشمہ بہہ نکلا اور جبرئیل علیہ السلام نے وضو کی کیفیت بتانے کی خاطر خود وضو کیا اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی انھیں دیکھ کر وضو کیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی طرح آپ نے نماز ادا کی۔ یہ پہلی نماز ہے جو آپ پر فرض ہوئی تھی۔ اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام واپس چلے گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے آئے اور اُن کی تعلیم کے لیے آپ نے وضو فرمایا۔ جب حضرت خدیجہ وضو سے فارغ ہوئیں تو انھیں اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ اُمتِ مرحومہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وُہ فرد ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اِس عرصے میں جس شخص کی جانب سے آپ کو انکار اور بحث تکرار کا خطرہ نہ ہوتا اُسے چھُپ کر تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ اِس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والا کون ہے؟ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مَردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور اُس وقت وہ نَو برس کے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ دس برس کے تھے، یہ جابر بن عبداللہ اور زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یحییٰ بن عفیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ جب وہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آتے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ٹھہرے۔ جب سورج نکلا اور وُہ آسمان میں

بلند اور روشن ہُوا ، تو ایک نوجوان آیا اور اُس نے آسمان کی جانب نظر اُٹھائی اور کعبے کی طرف مُنہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکا آ گیا اور اُس کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک عورت آئی اور وُہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اُس نوجوان نے رکوع کیا تو لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ وُہ نوجوان رکوع سے اُٹھا تو وہ دونوں بھی اُٹھ گئے۔ وہ نوجوان سجدے میں گیا تو اُس کے ساتھ وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔

عفیف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا : یہ کیا عجیب و غریب معاملہ ہے ؟ کیا آپ انھیں جانتے ہیں ؟ اُنھوں نے جواب دیا : ہاں ! وہ نوجوان میرا بھتیجا محمد بن عبد اللہ ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ وہ لڑکا بھی میرا ہی بھتیجا علی بن ابو طالب ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور وُہ عورت میرے اُسی نوجوان بھتیجے کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ آسمانوں کے رب نے انھیں ایسا ہی حکم دیا ہے ، جیسا کہ آپ نے ابھی دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم ! اِس وقت روئے زمین پر ان تینوں کے سوا کوئی اور میرے علم میں اِس دین پر نہیں ہے۔

دُوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہُوئے اور نماز پڑھی۔ یہ ابن عباس اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ ابو امامہ باہلی نے عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہُوا اور آپ عکاظ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! دین میں آپ کے پیروکار کون کون ہیں ؟ آپ نے فرمایا : دُو مرد میرا اتباع کر رہے ہیں ، جن میں سے ایک آزاد ہے اور دُوسرا غلام۔ یعنی آزاد سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلام سے مراد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وُہ فرماتے ہیں کہ اتنا سُنتے ہی میں نے اسلام قبول کر لیا اور اِس لحاظ سے مَیں اپنے آپ کو چوتھا مسلمان شمار کرتا تھا۔ (پہلے تین حضرت خدیجہ ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ہیں)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والا کون ہے ؟

تو انھوں نے کہا: کیا تم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار نہیں سُنے ہیں؟ لہ

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة   فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا

خیر البریة اتقاھا و اعدلھا   بعد النبی و اوفاھا بما حملا

الثانی التالی المحمود مشھدہ   و اوّل النّاس منھم صدق الرّسلا

تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہُوئے۔ یہ عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس شخص کے بارے میں وثوق ہوتا اُسے اسلام کی دعوت دیتے کیونکہ جس وقت آفتابِ ہدایت جلوہ فگن ہُوا اُس وقت وہ تاجر تھے وہ قریش میں ایک با اخلاق اور عالی نسب تھے اور اپنی قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ خوب حُسنِ تالیف سے کام لیتے اور قریش کی مجالس میں اکثر شرکت فرمایا کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرفِ اسلام اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہُوئے تھے، جبکہ وہ اُنھیں بارگاہِ رسالت میں لے کر حاضر ہُوئے تو اُنھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور نماز پڑھی اور سابقین کے ساتھ مل کر حلقہ بگوشانِ اسلام کی تعداد آٹھ ہو گئی، جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور

لہ ترجمہ: (۱) جب کسی ثقہ بھائی کی تو حاجت یاد کرے تو اپنے بھائی ابوبکر کو اُن کے افعال و کردار کے سبب یاد کر لیا کر۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد وہ ساری مخلوق سے بہتر، متقی اور عادل تھے اور جس ذمہ داری کا بار اٹھاتے اُسے نبھاتے تھے۔

(۳) وہ دوسرے اور بعد میں آنے والے ہیں، اُن کا مشہد محمود ہے اور مخلوق میں وہ سب سے پہلے ہیں جنھوں نے رسولِ خدا کی تصدیق کی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

نماز پڑھی۔ بعض نے کہا ہے کہ ان حضرات کے ہمراہ حضرت سعید بن عاص اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی دولتِ اسلام سے مشرف ہو گئے تھے۔ اس کے بعد پے در پے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر ہی تبلیغ کر رہے تھے لیکن قریشِ مکہ کے اندر آپ کی اسلامی دعوت کا چرچا ہونے لگا تھا۔

چھٹا مرتبہ امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ مخصوص انذار کے بعد آپ کو عموم انذار کا حکم مل گیا اور اسلام کی طرف پوشیدہ طور پر دعوت دینے کی جگہ آپ اعلانیہ لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری کلام میں یہ حکم نازل فرما دیا تھا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ [1] — تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

اس حکمِ خداوندی کے بعد آپ کھل کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم آپ کے مبعث سے تین سال بعد دیا گیا اور اس کام کی اپنے قریبی رشتہ داروں سے ابتدا کرنے کا حکم ہوا، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ [2] — اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور زور سے آواز دی یا صباحاہ اے بنی عبد المطلب! اے بنی عبد مناف! یہاں تک کہ قریش کے ہر قریبی قبیلے کو یکے بعد دیگرے آواز دی، تو تھوڑی سی دیر میں وہ سارے کے سارے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ بات کیا ہے؟ فرمایا: اگر میں آپ کو یہ خبر دوں کہ ایک لشکرِ جرار، گھوڑوں پر سوار اس پہاڑی کے دوسری جانب کھڑا ہے اور عنقریب

---

[1] پ ۱۴، سورہ الحجر، آیت ۹۴
[2] پ ۱۹، سورہ الشعراء، آیت ۲۱۴، ۲۱۵

وہ آپ پر حملہ آور ہو جائے گا، تو میری اس خبر کی، کیا آپ تصدیق کریں گے ؟ کہنے لگے : کیوں نہیں، ہم نے کبھی آپ کی زبان سے کوئی جھوٹی بات نہیں سنی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ (ص ۱۰۹)	سامنے سخت عذاب ہے، میں اُس سے تمھیں ڈرانے کے لیے نبی بن کر آیا ہوں۔

ابولہب کہنے لگا، اس کی ہلاکت ہو، کیا ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا ؟ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے بارے میں یہ آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں :

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ٥ مَآ	تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ
اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ٥	تباہ ہو ہی گیا۔ اُسے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور
سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ٥ وَّ	جو کمایا۔ اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں۔ وہ
امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ٥ فِىْ	اور اُس کی جورو لکڑیوں کا گٹھا سر پہ اٹھاتی۔
جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ٥ ؎	اُس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسّا ہے۔

ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قریش کو آپ کی اِس دعوت سے کوئی زیادہ اختلاف نہ ہوتا اور وہ آپ کی دعوت کے کچھ حصے ہی کو مسترد کرتے لیکن آپ نے جو اُن کے باطل معبودوں کا ذکر کیا، اُن کی عبادت کرنے کو بُرا بتایا اور اِس طرح اُن کی عقلوں کو کمزور قرار دیا، تو اُنھوں نے آپ کی مخالفت پر پُورا اتفاق کر لیا اور آپ سے آخری دم تک عداوت رکھنے کے لیے کمربستہ ہو گئے، ماسوائے اُن خوش نصیب حضرات کے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور آپ کی مخالفت سے بچا لیا، حالانکہ ایسے حضرات بہت ہی کم ہیں اور اُس معاشرے میں اُنھیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

عمومِ انذار اور علانیہ دعوت کے باعث آپ کی نبوت عام ہوگئی۔ توحید اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کی خاطر آپ کو ساری اُمت کی طرف مبعوث فرما دیا گیا اور اِس طرح آپ کی نبوت کو مکمل اور منصبِ رسالت کو کامل کر دیا گیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

؎ پ ۳۰، سورہ لہب، آیت ۱ تا ۵

امر کو واضح فرمایا، حق کا بول بالا کرنے اُٹھے، علانیہ انذار فرمایا، دعوتِ اسلام کو عام کیا اور راہِ حق میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔ قریش آپ سے بسبب مخالفت کے جھگڑتے رہے لیکن آپ صبر و سکون کے ساتھ اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ اُنھوں نے ہمیشہ آپ کے ساتھ مخالفانہ سلوک کیا، حالانکہ اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی، اِس کے باوجود آپ کا بول بالا ہُوا اور آپ کی دعوت کو غلبہ حاصل ہُوا۔ اِس دوران میں آپ نے ایسی تکلیفیں اور سختیاں برداشت کیں جن کے مقابلے میں معصوم کے سوا کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور نہ تائیدِ الٰہی کے بغیر اُن کے اندر سے کوئی صحیح سالم نکل سکتا تھا۔ یہ تمام حقائق آپ کی حقانیت کے دلائل اور صداقت کے مُنہ بولتے شواہد ہیں کیونکہ بددیانت لوگوں کی تدابیر کو اللہ تعالیٰ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیتا اور نہ کبھی فتنہ و فساد پھیلانے والوں کے عمل کو درست کرتا ہے۔ قدرت کا قانون یہی ہے۔

جن امور کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شریعت کی حیثیت دی وہ توحید کے بعد دو قسم کے ہیں۔ ایک عبادات اور دُوسرے احکام۔ مکہ مکرمہ میں عبادات سے صرف طہارت اور نماز کے سوا کچھ اور مشروع نہیں ہُوا تھا جس کی جبرئیل علیہ السلام نے تعلیم دی تھی اور وُہ آپ پر فرض اور اُمت کے لیے مسنون تھیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا	اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما
قَلِيْلًا o نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ	سوا کچھ رات کے، آدھی رات یا اِس سے کچھ
قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ	کم کر دو یا اِس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر
تَرْتِيْلًا o [1]	پڑھو۔

یہ حکم اگرچہ آپ کے لیے تھا لیکن اِس میں اُمت بھی شامل ہے، یہاں تک کہ شبِ معراج میں، جس میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر بھی ہے، پنجوقتہ نماز فرض ہُوئی۔ یہ نبوت کا نواں سال تھا کہ پانچ وقت کی نماز آپ پر اور آپ کی اُمت پر فرض ہُوئی۔ اِس کے علاوہ عبادات سے اور کوئی چیز

---

[1] پ ۲۹، سورہ المزمل، آیت ۱ تا ۴

فرض نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ چنانچہ وُہ آپ کے لیے دارالاسلام ہوا اور وہاں کے رہنے والے آپ کے یار و مددگار رہے۔

مکہ مکرمہ میں پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد عبادات سے کچھ اور فرض نہ ہوا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمانے کے دُوسرے سال ماہ شعبان المعظم میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال قبلے کی تحویل ہوئی یعنی بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کی جانب مُنہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔ اُسی سال صدقۂ فطر واجب ہوا اور عید کی نماز مشروع ہوئی۔ جمعہ کی فرضیت ہجرت کے پہلے سال میں ظہر کی نماز کے بدلے ہو چکی تھی۔ ان کے بعد اموال میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا اور مالی ضروریات میں مسلمان خود کفیل ہو گئے تو حج اور عمرہ مشروع ہوئے۔

بہرحال وُہ احکام جن کا وجوب عقل کا مقتضیٰ ہے جیسے تحریم قتل و زنا یہ مکہ مکرمہ میں آپ کے انذار کے وقت ہی مشروع ہو گئے تھے اور وُہ احکام جن کے کرنے نہ کرنے میں عقل متردد ہوتی ہے جیسے حلال وحرام، خطر و اباحت اور استحباب و کراہت وغیرہ ان سے خاموشی اختیار کی گئی، حتیٰ کہ مکہ معظمہ میں نہ کسی حلال کو حلال کہا گیا اور نہ کسی حرام کو حرام ٹھہرایا گیا بلکہ ہجرت کے بعد ہی حلال وحرام اور اباحت و ممانعت کے احکام نازل ہوئے تھے کیونکہ قریش کے غلبے کے باعث آپ مکہ معظمہ میں مغلوب تھے اور اُس وقت وہ شرک خانہ تھا لہٰذا اسلامی احکام وہاں کس طرح جاری ہوتے؟ بایں وجہ کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کیا گیا بلکہ جب آپ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے جو دارالاسلام بن گیا تھا، تو وہاں اسلامی احکام نافذ ہوئے اور صاف طور پر بیان فرما دیا گیا کہ حلال وحرام، مباح و ممنوع اور صحیح و فاسد کیا ہیں؟ اسی لیے آپ مکہ معظمہ میں صلح و آشتی کے ساتھ رہے لیکن مدینہ منورہ میں آنے کے بعد دفاعی جنگیں بھی لڑیں اور یہ حکمت آپ کے افعال و احوال کے موافق اور توفیق الٰہی آپ کے اقوال کی مددگار تھی کیونکہ آپ منجانب اللہ مامور تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اور وہ کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو

يُّوْحٰى ۝ [1]　　　　　　　　اُنھیں کی جاتی ہے۔

چنانچہ آپ کا اُنھیں بطریقِ احسن قائم کرنا اور بہتر حالات و مواضع کے لحاظ سے اُنھیں قائم کرنے میں آپ کے حزم و احتیاط، عزم کی صحت و صداقت سے حکمتِ بالغہ کے عجیب آثار سامنے آتے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

---

[1] پ ۲۷، سورۂ النجم، آیت ۳، ۴

سلطان العارفین، امام المکاشفین، شیخِ اکبر، محی الدین ابن عربی

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

ایک مشاہدہ

شیخ اکبر محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۶۳۸ھ) نے اپنی تصنیف لطیف فتوحاتِ مکیہ کے خطبے میں صفحہ ۲ پر اپنے مخصوص اندازِ تحریر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا ہے کہ:

والصلاة على سرّ العالم ونكتته ومطلب العالم وبغيته السيّد الصادق المدلج الى ربه الطارق المخترق به السبع الطرائق ليريه من سرى به اليه ما اودع من الآيات والحقائق فيما ابدع من الخلائق الذى شاهدته عند انشائى لهذه الخطبة فى عالم حقائق المثال فى حضرة الجلال مكاشفة قلبية فى حضرة غيبية ولما شاهدته صلى الله عليه وسلم فى ذالك العالم سيدا معصوم المقاصد محفوظا المشاهد منصورا مؤيدا وجميع الرسل بين يديه مصطفون وامته التى هى خير امة اخرجت للناس عليه ملتفون وملائكة التسخير من حول عرش مقامه حافون و

درود اُس ذات پر جو سِرِّ عالم، خدائی بھید اور تخلیقِ عالم کا مطلوب و مقصود ہے۔ وہی سچا سردار جو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر گزر جانے والا ہے تاکہ جس ذات نے آپ کو سیر کرائی وہ آپ کو دکھائے کہ مخلوق کے اندر اُس نے کیا نشانیاں اور حقائق ودیعت فرمائے ہیں، جن کا یہ خطبہ لکھتے وقت میں نے عالمِ مثال میں خود بھی مشاہدہ کیا ہے۔ یہ حقائق کی مثال کا مشاہدہ ذاتِ ذوالجلال کے حضور میں نصیب ہوا، جو ذاتِ غیبیہ کے حضور میں قلبی مشاہدہ تھا۔ جب میں نے وہاں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا تو یہی دیکھا کہ ایسے عظیم الشان سردار ہیں جو اپنے مقاصد میں معصوم، مشاہد میں محفوظ اور منصور و مؤید ہیں۔ جملہ مرسلین عظام آپ کے حضور صف بستہ حاضر ہیں اور آپ کی اُمت جو لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا فرمائی گئی، وہ آپ کی جانب متوجہ ہے اور تسخیرِ عالم کے فرشتوں نے عرشِ اعظم کے گرداگرد آپ کے مقام کو ڈھانپ رکھا ہے اور

الملائكة المولدة من الاعمال بين
يديه صافون والصديق عن يمينه
الانفس والفاروق عن يساره
الاقدس والختم عليه السلام بين
يديه قد جثا يخبره بحديث الانثى
وعلى رضى الله عنه وكرم الله وجهه
يترجم عن الختم بلسانه وذو النورين
مشتمل بردا حيائه مقبل على
شانه الى آخر ما ذكره رضى الله
عنه مما راه فى تلك الواقعة۔
(ص ۱۱-۱۱)

اعمال سے پیدا ہونے والے فرشتے آپ کے سامنے
صف بستہ کھڑے ہیں۔ صدیق اکبر آپ کے
دائیں جانب اور فاروق اعظم بائیں جانب ہیں اور
حضرت ختم علیہ السلام (شاید حضرت جبریل مراد
ہیں) آپ کے سامنے دو زانو بیٹھے ہیں اور حدیث انثیٰ
کی خبر دے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ
وجہہ الکریم حضرت ختم علیہ السلام کے بیانات کا اپنی
زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ عثمان ذوالنورین آپ کی
حیا کی چادر اوڑھے آپ کی جانب متوجہ ہیں۔ شیخ اکبر
نے آخر تک اس واقعے کا ذکر کیا ہے، جو کچھ انھوں نے
اُس وقت دیکھا تھا۔

علمِ اسماء و علمِ معانی

طالب تحقیق کو چاہیے کہ وہ فتوحاتِ مکیہ کی طرف رجوع کرے (کیونکہ شیخ اکبر نے اس واقعے کو مذکورہ خطبے میں تفصیلاً بیان کیا ہے) شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے پانچویں باب، صفحہ ۱۴۰ پر لکھا ہے:

ان آدم عليه السلام هو حامل
الاسماء قال تعالىٰ وَعَلَّمَ آدَمَ
الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ومحمد صلى الله
عليه وسلم حامل معانى تلك
الاسماء التى علمها الله آدم عليه
السلام وهى الكلم قال عليه
الصلوٰة والسلام اوتيت جوامع

بے شک حضرت آدم علیہ السلام علمِ اسماء کے حامل
ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اور ہم نے
آدم کو سارے نام سکھا دیئے"۔ اور محمد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن سارے اسماء کے معانی
کے حامل ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے
گئے تھے اور معانی کے اس علم کو زبانِ رسالت
میں الکلم کہا گیا ہے جیسا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ

الکلم ومن اثنى على نفسه امكن
ذاتهم ممن اثنى عليه كيحيى
وعيسى عليهما السلام ومن
حصل له الذات فالاسماء
تحت حكمه وليس من حصل
الاسماء يكون المسمى محصلا
عنده وبهذا فضلت الصحابة
علينا فانهم حصلوا الذات
وحصلنا الاسم ولما راعينا
الاسم مراعاتهم الذات
ضوعف لنا الاجر لحسرت الغيبة
التي لم تكن لهم فكان تضعيفا
على تضعيف فنحن الاخوان
وهم الاصحاب وهو صلى
الله عليه وسلم الينا بالاشواق
وما افرحه بلقاء واحد
منا وكيف لا يفرح وقد
ورد عليه من كان بالاشواق
اليه فهل نقاس كرامته
وبره وتحفته وللعامل
منا اجر خمسين ممن
يعمل بعمل اصحابه
لا من اعيانهم لكن

علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں
جو اپنی خوبی خود بیان کرے وہ دوسرے کسی تعریف
کرنے والے کی نسبت زیادہ قادر ہے اور بہتر
بیان کر سکتا ہے جیسے یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام
اور جسے ذات حاصل ہو جائے تو اسماء بھی اُسی
کے زیر فرمان ہیں، لیکن جو اسماء کا علم حاصل کرے
تو یہ ضروری نہیں کہ اُسے مسمیات کا علم بھی حاصل
ہو جائے۔ اسی لیے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کو ہم پر فضیلت ہے کیونکہ انھوں نے
ذات کو حاصل کر لیا تھا اور ہمیں اسم حاصل
ہوا ہے۔ لیکن جب ہم نے اسم کا وہی احترام کیا
جو انھوں نے ذات کا کیا تھا تو ہمارے ثواب کو
دُگنا کر دیا گیا کیونکہ جدائی کا جو صدمہ ہمیں اٹھانا
پڑ رہا ہے یہ اُنھیں نہیں پہنچا تھا، پس علیٰ قدر
مراتب یہ مضاعف در مضاعف ہو سکتا ہے۔ پس
ہم اخوان اور وہ اصحاب ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے بہت مشتاق ہیں اور جب
ہم میں سے کوئی حاضر بارگاہ ہوتا ہے تو آپ کو بڑی
فرحت ہوتی ہے اور وہ خوش کیوں نہ ہوں جبکہ
وہی اُن کے پاس پہنچ گیا جس کے مشتاق تھے۔
کیا ہم ایسے شخص کی بزرگی، نیکوکاری اور
مقبولیت کا اندازہ کر سکتے ہیں؟ جو ہم میں سے
نیک عمل کریں اُنھیں صحابۂ کرام جیسے نیک

من امثالهم فذالك قوله	عمل کرنے والے پچاس اشخاص کے برابر اجر ملے گا۔
علیہ الصلوٰۃ والسلام بل	پچاس صحابہ جتنا نہیں بلکہ اُن جیسے عمل کرنے والے
منکم مجید واو اجتهد واحتی	پچاس کے برابر۔ اسی لیے سرورِ کون و مکاں
یعرفوا انهم خلفوا لبعدهم	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "بلکہ تم میں
رجالا لو ادرکوه ماسبقوهم	سے" اُنھیں ذات کا شرف حاصل ہُوا اور کوشش
الیه ومن هنا تقع المجاوراة	کی یہاں تک کہ جان گئے کہ اُن کے بعد ایسے افراد
والله المستعان۔ (ص۱۱۱)	بھی ہیں جو آقائے کائنات کو پاتے تو سرکار کی
	جانب وہ (صحابہ) سبقت نہ لے جاتے۔ اِس لحاظ
	سے موافقت پائی گئی اور اللہ ہی مددگار ہے۔

سیادت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے دسویں باب میں صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے، طالبِ حقیقت کو جان لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میں آدم کی اولاد کا سردار ہُوں اور اِس میں فخر نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہُوں گا —— پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادت اور جملہ بنی نوعِ انسان سے اشرف ہونا ثابت ہُوا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ پس ثابت ہُوا کہ:

یرید علیٰ علم بذالك فاخبره	یہ آپ کے علم پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
الله تعالیٰ بمرتبته وهو	اِنسانی اجسام کی پیدائش سے بھی پہلے آپ کو
روح قبل ایجاده الاجسام	آپ کے عالی منصب سے آگاہ کر دیا تھا حالانکہ
الانسانية كما اخذ الميثاق	اُس وقت آپ رُوح تھے، جیسے کہ بنی آدم سے
علیٰ بنی آدم قبل ایجاده	عہد لیا تھا حالانکہ اُن کے جسم ابھی ایجاد نہیں
اجسامهم والحقنا الله	ہُوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں (اُمتِ مرحومہ کو)
تعالیٰ بانبیاءه اذجعلنا	انبیائے کرام سے اِس معاملے میں ملایا ہے کیونکہ

شهداء على اممهم معهم حيث يبعث من كل امة شهيداً عليهم من انفسهم وهم الرسل فكانت الانبياء فى العالم نوابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اٰدم الى اٰخر الرسل عليهم السلام وهو عيسٰى عليه السلام وقد ابان صلى الله عليه وسلم عن هٰذا

ہمیں اُن کے ساتھ اُن کی اُمتوں پر گواہ بنایا ہے جبکہ ہر اُمّت سے اُس پر گواہ کھڑے کیے جائیں گے سارے مرسلین عظام اور انبیائے کرام علیہم السلام وہ اِس دنیا میں آدم علیہم السلام سے عیسٰی علیہ السلام تک فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اِس سلسلے کے آخری عیسٰی علیہ السلام ہیں۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ السلام نے مختلف طریقوں سے اس عالی منصب کی وضاحت فرمائی ہے۔

المقام بامور۔ (ص۱۱۱)

فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا اُن کے لیے اور کوئی چارہ نہ ہوتا اور عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے بارے میں آپ کا ارشادِ گرامی کہ جب وہ دوبارہ نازل ہوں گے تو ہم میں سے ایک ہوں گے۔ یعنی ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سُنّت (شریعتِ مطہرہ) کے مطابق ہی حکم کریں گے نیز صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔

لوكان محمد صلى الله عليه وسلم موجوداً بجسمه من لدن اٰدم الى زمن وجوده الاٰن لكان جميع بنى اٰدم تحت حكم شريعته الى يوم القيامة حساً ويدل على ذٰلك قوله صلى الله عليه وسلم اٰدم ومن دون تحت لوائى ولهٰذا

اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ زمانۂ آدم علیہ السلام سے اپنے عہدِ کرامت تک یہاں موجود ہوتے تو حسّی طور پر تمام بنی آدم قیامت تک آپ کی شریعتِ مطہرہ کے تحت ہوتے اور اِس بات پر یہ فرمانِ رسالت دلالت کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کے ماسواء سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

لم يبعث عامة الا هو خاصة
فهو الملك والسيد وكل
رسول سواه بعث الى قوم
مخصوصين ولم تعم رسالة
احد من الرسل سوى رسالته
صلى الله عليه وسلم فمن زمان
ادم الى زمان بعث محمد
صلى الله عليه وسلم الى
يوم القيامة ملكه وتقدمه على
جميع الرسل وسيادة في
الأخرة منصوص عليهما في
الصحيح عنه فروحانيته
صلى الله عليه وسلم وروحانية
كل نبي ورسول موجودة
فكان الامداد ياتي اليهم
من تلك الروح الطاهرة
بما يظهرون به من الشرائع
والعلوم في زمان وجودهم رسلا
وتشريعهم الشرائع كعلي ومعاذ
وغيرهما في زمان وجودهم ووجوده
صلى الله عليه وسلم وكالياس و
الخضر عليهما السلام وعيسى
عليه السلام حين ينزل في

اسی لیے کسی نبی کی بعثت عام نہیں مگر یہ خصوصیت
صرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ پس بادشاہ اور
سردار آپ ہیں اور آپ کے ماسوا جملہ مرسلین
خاص خاص اقوام کی جانب بھیجے گئے اور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے علاوہ
کسی بھی رسول کی رسالت عام نہیں ہے۔ پس
آدم علیہ السلام کے زمانے سے آپ کے زمانۂ
مبارک تک، جو قیامت تک ہے، آپ ہی کا
ملک ہے اور اس معاملے میں جملہ مرسلین پر آپ کو
تقدیم حاصل ہے اور آخرت میں سیادت آپ کی
ہو گی۔ یہ دونوں امور صحیح احادیث سے منصوص
ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت
اور دیگر ہر نبی اور رسول کی روحانیت موجود ہے۔
وہ حضرات اپنے زمانوں میں جو احکام اور علوم
ظاہر کرتے تھے اُن میں آپ کی رُوحِ پاک سے
اُن کو امداد پہنچتی تھی اور تشریعِ شرائع میں اعانت
فرمائی جاتی تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم اپنے زمانۂ اقدس میں علی اور معاذ
وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امداد پہنچاتے رہتے تھے
اور جیسے الیاس اور خضر علیہما السلام کو آپ کی
مدد پہنچتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جبکہ آپ کے
آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو وہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کے مطابق

آخرالزمان حاکما بشرع	آپ کی اُمت پر حکومت کریں گے اور علی الاعلان
محمد صلی اللہ علیہ وسلم	آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور کرائیں گے۔
فی امتہ لیقرر شرعہ فی	لیکن اس عالم محسوسات میں چونکہ پہلے آپ کا
الظاہر لکن لما لم یتقدم فی	عین وجودِ انور موجود نہیں تھا، اسی لیے ہر
عالم الحس وجود عینہ	شریعت اُسی نبی کی جانب منسوب ہوئی جو اُسے
صلی اللہ علیہ وسلم اولاً.	دے کر بھیجا گیا تھا۔ حالانکہ حقیقت میں تمام
نسب کل شرع الی من	گزشتہ شرائع بھی شریعتِ محمدیہ ہی
بعث بہ و ہو فی الحقیقۃ	ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
شرع محمد صلی اللہ علیہ	
وسلم۔ (ص ۱۱۲-۱۱۱)	

اگرچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ قبل ازیں مفقود تھی کیونکہ کسی اور کو اس کا علم نہیں تھا جیسے وہ اب بعینہٖ مفقود ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور آپ کی شریعتِ مطہرہ کے مطابق حکم نافذ کرنے کے زمانے میں بعینہٖ مفقود ہوگی اور فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت سے سابقہ جملہ شرائع کو منسوخ کر دینا یہ نسخ انھیں آپ کی شریعت سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر قرآن وسُنّت سے ظاہر ہونیوالی شریعت میں نسخ ظاہر کیا ہے حالانکہ ہمارا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ وہ منسوخ ہونے والی شریعت بھی شریعتِ محمدیہ ہے، جسے لے کر آپ مبعوث ہوئے۔ بات صرف اتنی ہوئی ہے کہ متأخر سے متقدم کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس نسخ پر ہمیں قرآن وسُنّت نے مطلع فرمایا ہے اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنا انھیں آپ کی شریعت ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانے میں اپنی شریعت کے بغیر نازل ہونا اور دوسری شریعت کے مطابق حکمرانی کرنا اور اپنی شریعت کے مطابق حکم نہ کرنا حالانکہ اپنے دورِ رسالت میں وہ اُسی کا حکم فرماتے تھے بلکہ اس کے باوجود وہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے یہ سریحاً اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی شریعتِ مطہرہ کی موجودگی میں کسی دوسری شریعت کے مطابق

حکم نہیں کیا جا سکتا اور اِس میں وُہ اہلِ کتاب بھی شامل ہیں جو ذمّی ہیں جب تک وہ ذلّت اور رُسوائی کے ساتھ جزیہ ادا کرتے رہیں کیونکہ شرع کا حکم ہر حالت کو مشتمل ہے۔ پس

فخرج من هذا المجموع	مذکورہ مجموعے سے یہ معلوم ہوا کہ جملہ بنی آدم
كله انه ملك وسيد على	کے بادشاہ اور سردار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
جميع بنى آدم وان جميع من	وسلم ہیں اور آپ سے پہلے جو بھی عالمِ وجود میں
تقدمه كان ملكًا له وتبعًا	آیا وہ آپ کی مِلک اور تابع ہے اور آپ سے
الحاكمون فيه نواب عنه صلى	پہلے صاحبانِ حکم (انبیاء) آپ ہی کے نائب تھے۔
الله عليه وسلم۔ (ص ۱۱۲)	(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے کسی پر فضیلت نہ دو۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو فضیلت نہیں دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اور اگرچہ یہ وارد ہوا ہے :

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ	یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم اُنھیں کی
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ[1]	راہ چلو۔

چونکہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اُن کی ہدایت کی ـــــ اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ ہے۔ یعنی اپنی اُس شریعت کو بھی لازم پکڑو جو تمہارے نائبوں کے ذریعے اقامتِ دین کے سلسلے میں ظاہر ہُوئی اور اُس میں تفریق نہیں ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اُن (انبیائے کرام) کا اتباع کرو۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا کہ: تفریق نہ کرو ـــــ اِس میں شریعت کے واحد ہونے کی دلیل ہے۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ[2]	اور ابراہیم کے دین پر چلا، جو ہر باطل سے جُدا تھا۔

---

[1] پ ۷، سُورۃ الانعام، آیت ۹۰ ۔ [2] پ ۵، سُورۃ النساء، آیت ۱۲۵

اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت دین ہے اور دین کے اتباع پر آپ مامور ہیں کیونکہ دین تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی اور کی جانب سے نہیں۔ اب نبیِ آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی کی طرف توجہ فرمائیے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے اتباع کے سوا اُنھیں کوئی چارہ نہ تھا۔ اتباع کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کو دین کے اتباع اور ہدایتِ انبیاء کے اقتداء کا حکم دیا گیا نہ کہ اُن کی اقتداء کا کیونکہ:

فان الامام الاعظم اذا حضر لا ینبغی لنائب من نوابه حکم الا له فان غاب حکم النواب بمراسمه فهو الحاکم غیبًا وشهادة وما اوردنا هٰذه الاخبار والتنبیهات الا تانیسًا لمن لا یعرف هٰذه المرتبة من کشفه ولا اطلعه الله علیها من نفسه وما اهل الله فهم فیها علیٰ ما نحن علیه قد قامت لهم شواهد التحقیق علیٰ ذٰلك من عند ربهم فی نفوسهم۔ (ص ۱۱۳)

جب شہنشاہِ اعظم موجود ہو تو اُس کے حکم کے سامنے اُس کے نائبوں کا حکم کب چل سکتا ہے؟ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر نواب کا حکم رسمی طور پر غائب ہو، تب بھی پوشیدہ اور ظاہر طور پر حاکم وہی شہنشاہ ہے۔ ہم نے یہاں جو احادیث اور تنبیہات نقل کی ہیں، اِس سے مقصود اُس شخص کی تانیس و تالیف ہے جو اِس عظیم الشان مرتبے سے ناآشنا ہے۔ وہ نہ کشف کے ذریعے اِسے جانتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اِسکی اطلاع دی ہے لیکن اللہ والوں (اولیاء اللہ) کا خیال وہی ہے جو ہمارا ہے۔ ایسے حضرات کے سامنے اُن کے نفوس میں اُن کے رب کی جانب سے تحقیقی دلائل و شواہد موجود ہوتے ہیں۔

شیخِ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارا مذکورہ بالا کلام اِس تقدیر پر ہے کہ ملک سے انسان مراد لے لیے جائیں لیکن جب ہم فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادت کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ سب پر دکھائی دیتی ہے جیسے کہ بعض لوگ اس جانب گئے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر تم نہ ہوتے تو نہ زمین و آسمان کو پیدا کیا جاتا اور نہ جنت و دوزخ کو۔ اِس میں اللہ تعالیٰ

نے اپنے سوا ساری مخلوق کا ذکر فرمایا ہے۔ پس اوّل موجود جو فصلِ اوّل ہے اُس سے پہلا منفصل ہونے والا نفسِ کُلّی ہے اور اِس میں آخری منفصل حضرت حوّا ہیں، جو آخری موجود سے منفصل ہُوئیں اور آخری موجود حضرت آدم علیہ السّلام ہیں۔ پس اجناسِ عالَم میں انسان سب سے آخری موجود ہے۔ یہاں صرف چھ اجناس ہیں اور ہر جنس کے تحت انواع ہیں، اِس کے بعد انواع کے تحت اور انواع ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلی جنس فرشتے ہیں، دُوسری جنّ، تیسری معدن، چوتھی نباتات، پانچویں حیوانات، اور جب ملک کی انتہا ہُوئی نیز اپنی شان کے لحاظ سے ذاتِ باری تعالیٰ ممتہد و مستوی ہوئی تو چھٹی جنس انسان کو بنایا جو اُس کی اِس مملکت میں اُس کا خلیفہ ہے اور آخر میں اِس لیے موجود ہُوا تاکہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ وہ بالفعل امام ہے صلاحیت یا قوّت کی بِنا پر نہیں۔ نیز:

فعندما اوجد عینه لم یوجده	جب عین (مرکزِ دائرۂ تخلیق) کو پیدا فرمایا تو
الا والیاً سلطاناً ملحوظاً	اُن کے منصب کے لحاظ سے سب کا والی اور
ثم جعل له نوابا حین تاخرت	سلطان بنایا گیا اور اُنھیں جسمانی لحاظ سے
نشاة جسده فاول نائب	متأخر کرنے کی وجہ سے اُن کے نائب بنائے۔
کان له وخلیفة آدم	پس جو اُن کا سب سے پہلا نائب ہُوا وہ حضرت
علیه السلام ثم ولد واتصل	آدم علیہ السلام ہیں، پھر اُن کی اولاد ہُوئی اور
النسل وعین فی کل زمان	نسلی سلسلہ چلتا گیا، جن سے ہر زمانے میں
خلفاء الی ان وصل زمان	آپ کے خلفاء معین فرمائے گئے، یہاں تک
نشاة الجسم الطاهر المحمدی	کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر
صلی الله علیه وسلم فظهر مثل	کے ظہور کا وقت قریب آگیا۔ پس آپ آفتابِ
الشمس الباهرة فاندرج کل	نصف النہار کی طرح جلوہ افروز ہُوئے۔ پس
نور فی نوره الساطع وغاب کل	ہر نور آپ کے بلند نور میں داخل ہوگیا اور ہر حکم
حکم فی حکمه وانقادت	آپ کے حکم میں غائب ہوگیا اور تمام شریعتیں

جمیع الشرائع الیه وظهرت
سیادته التی کانت باطنة
فهو الاوّل والأخر والظاهر و
الباطن وهو بکل شیٔ علیم ٥ فانه
قال اوتیت جوامع الکلم وقال
عن ربه ضرب بیده بین
کتفی فوجدت بردانامله بین
ثدیی فعلمت علم الاوّلین و
الأخرین فحصل له التخلق
والنسب الالٰهی من قوله تعالیٰ
عن نفسه هو الاوّل والأخر
والظاهر والباطن
وهو بکل شیٔ علیم
وجآءت هٰذه الأیة
فی سورة الحدید الذی فیه
بأس شدید ومنافع للناس
فلذٰلك بعث صلی الله
علیه وسلم بالسیف
وارسل رحمة للعٰلمین۔
(ص ۱۱۳)

آپ کے تابع ہو کر رہ گئیں اور آپ کی سیادت
جو پوشیدہ تھی وہ ظاہر و باہر ہو گئی، پس آپ
اوّل، آخر، ظاہر اور باطن ہیں نیز نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام اشیاء کا علم دئے
گئے ہیں، جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے کہ: مجھے
جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں اور اپنے رب کے
متعلق فرمایا کہ اپنے دستِ قدرت کو میرے
دونوں کندھوں کے درمیان میں رکھا تو میں نے
دستِ قدرت کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے
میں محسوس کی اور مجھے سب اگلے پچھلوں کا علم
حاصل ہو گیا، پس آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق
سے تخلّق اور نسبتِ الٰہی حاصل ہو گئی جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ وُہ اوّل،
آخر، ظاہر اور باطن ہے نیز ہر چیز کا علم
رکھنے والا ہے۔ یہ آیت سورۂ حدید کی ہے۔
لوہے میں شدید بأس ہوتا ہے اور لوگوں کیلیے
لوہا بڑی کارآمد چیز بھی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو تلوار دے کر مبعوث فرمایا گیا
اور آپ کو ایسا عظیم الشان رسول بنا کر
بھیجا گیا جو سارے جہان کے لیے رحمت ہے۔

تخلیقِ رُوحِ محمّدی

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے بارھویں باب کے صفحہ ۱۸۵ پر فرمایا ہے:

الا بابی من کان ملك وسیّدا — وآدم بین المآء والطین واقف

فذاك الرسول الابطحی محمد — له فی العلامجد تلیه وطارف

اتی بزمان السعد فی اخری المدی — وکانت له فی کل عصر مواقف

اتی لانکسار الدھر یجبر صدعه — فاثنت علیه ألسن وعوارف

اذا رام امرا لا یکون خلافه — ولیس لذاك الامر فی الکون صارف[1]

طالب حقیقت کو معلوم ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے، جب ارواحِ محصورہ کو پیدا فرمایا گیا جو زمانے میں تمام اجسام کی تدبیر کرتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدتِ معلومہ کی تعیین کے لیے فلک کی حرکت کے وقت حاصل ہوتا ہے اور زمانے کی حرکت سے بھی پہلے اپنی حقیقت کو ظاہر فرمانے کی خاطر جس رُوحِ مدبّرہ کو پیدا کیا وہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک ہے۔ اِس کے بعد فلک کی حرکات کے وقت اور ارواح کا صدور ہُوا۔ اُن کا وجود عالمِ غیب میں تھا اور عالمِ شہادت میں وہ موجود نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے مطلع فرمایا اور خوشخبری دی اور آدم علیہ السلام کی اُس وقت وُہی حالت تھی جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے کہ وُہ مٹی اور پانی میں تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمِ باطن کا زمانہ ختم ہُوا، جو آپ کے جسمِ اطہر کے وجود تک ہے، یعنی رُوح اور جسم کے ارتباط تک تو زمانے کا حکم اسمِ باطن سے اسمِ ظاہر کی جانب منتقل ہو گیا اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم اور رُوح کے ساتھ کلیتہً جلوہ افروز ہو گئے

---

[1] ترجمہ: (۱) میرا باپ اُس پر قربان ہو، جو اُس وقت بھی بادشاہ اور سردار تھا، جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں ٹھہرے ہُوئے تھے۔ (۲) وُہ وادیِ بطحا کے رہنے والے رسول ہی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، جن کی رفعتِ شان میں ہر قسم کی بزرگی موجود ہے۔ (۳) آپ اُس آخری دَور میں جلوہ افروز ہُوتے جو بڑا مبارک زمانہ ہے اور ہر زمانے میں آپ کے لیے مواقف ہیں۔ (۴) آپ زمانے کی شکستگی کے وقت تشریف لائے اور اِس کے ٹکڑوں کو جمع کیا، جس کے باعث ہر زبان میں ہر ذی علم و دانشمند نے آپ کی تعریف کی۔ (۵) آپ نے جس امر کا قصد فرمایا اُس کا خلاف نہیں ہُوا کیونکہ آپ کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں ہے۔

پس تمام انبیاء و مرسلین علیہ السلام کے شرائع سے جو کچھ ظاہر ہُوا پہلے اُس کی نسبت آپ کی جانب باطنی تھی لیکن آپ کے رونق آرائے گیتی ہوجانے پر اُن کا حکم ظاہر طور پر آپ کی طرف ہُوا، اسی لیے تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں تاکہ آپ کے اسمِ باطن اور اسمِ ظاہر کا فرق ظاہر ہوجائے حالانکہ مشروع واحد ہے اور آپ ہی صاحبِ شرع ہیں، جیسا کہ خود فرمایا ہے کُنْتُ نَبِیًّا یعنی نبی میں تھا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں انسان تھا، نہ یہ فرمایا کہ میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شرع کے بغیر نبوت نہیں ہوتی، لیکن آپ نے خبر دی ہے کہ میں انبیائے کرام کے موجود ہونے سے پہلے بھی نبی تھا، حالانکہ اِس دنیا میں وُہ آپ کے نائب اور صاحبِ شریعت تھے۔

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد فرمایا ہے کہ اِس سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ علم میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی سیادت ہے اور اسی طرح حکم میں آپ کو سیادت حاصل ہے، اسی لیے تو آپ نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اب زندہ ہوتے تو اُنھیں میری اتباع کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اسی طرح آپ کا یہ فرمانا کہ دوبارہ نازل ہونے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام میری اُمت میں قرآن کریم کا حکم جاری کریں گے۔ اِس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ اِس دنیا میں آپ کی سیادت ہر لحاظ سے مسلّم اور واضح ہے۔ بعد ازیں قیامت میں شفاعت کا دروازہ کھولنے سے تمام انسانوں پر آپ کی سیادت ثابت کی ہے۔ یہ شرف قیامت میں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں ہوگا۔ آپ ہی فرمائیں گے کہ انبیاء و مرسلین کو شفاعت کی اجازت بخشی جائے اور ملائکہ کے لیے بھی یہ شفاعت کی جائے گی۔ پس آپ کی اِس شفاعت کے باعث ہی ملائکہ و انبیاء و مرسلین و مؤمنین کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی۔ اِس لحاظ سے حقیقی شفیع اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والے صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں۔

اِس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شریعتِ مطہرہ سے دُوسری شریعتوں کو اور اپنے دین سے دُوسرے ادیان کو منسوخ کردیا ہے، خود اُنھیں سابقہ مرسلینِ عظام لے کر آئے یا وہ پہلی آسمانی

کتابوں میں موجود تھا پس کسی دین کا کوئی حکم باقی نہیں رہا سوائے اُسی دین کے جسے اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھنا مقرر فرمایا ہے اور وُہ شریعتِ مصطفوی اور آپ کی عام رسالت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی حکم باقی رہ گیا ہو، پس وُہ خدا کا حکم نہیں ہے سوائے خاص جزئیہ کے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اب وُہ خدا کا حکم نہیں ہے کیونکہ خود باری تعالیٰ نے اُنھیں باطل قرار دے دیا ہے اور وہ اتباع کرنے والے کے لیے محض ایک بوجھ ہے۔ پس یہ آپ کے دین کا تمام ادیان پر غلبہ ہے جیسا کہ نابغہ شاعر نے کہا ہے:

الم تران اللہ اعطاک صولۃ — تری کل ملک دونہا یتذبذب

فانک شمس والملوک کواکب — اذا طلعت لم یبد منہن کوکب[1]

پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا مرتبہ دیگر انبیاء و مرسلین کے ساتھ اور آپ کی شریعت کا دیگر شرائع کے ساتھ اُسی طرح ہے جیسے سُورج کے سامنے ستارے، جن کا نور سُورج کے نُور میں گم ہو جاتا ہے جبکہ سارے ہی برحق اور اللہ رب العزت کی جانب سے ہیں جیسا کہ مذکور ہُوا۔ حضرت شیخ موصوف نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور بھی بڑے اوصاف بیان کیے ہیں، جو تحقیق یا تفصیل کا شائق ہے وُہ اُن کی اصل کتاب کی جانب رجوع کرے۔

دستگیرِ کائنات

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے چودھویں باب، صفحہ ۱۴۴ پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نبی وُہ ہوتا ہے جس کے پاس فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آئے، جو شریعت کو متضمن ہوتی ہے، جس کی روشنی میں وہ بنفسہٖ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبودیت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُسے شریعت دے کر لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے تو ایسی ہستی کو رسول کہتے ہیں۔ (علیہ وعلیہم السلام)

---

[1] کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا غلبہ مرحمت فرمایا ہے کہ ہر بادشاہ آپ کے سامنے لرزہ براندام ہوتا ہے۔ (۲) آپ کی مثال سورج کی ہے اور دُوسرے بادشاہ ستارے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سورج جلوہ افروز ہو جائے تو کسی ستارے کا وجود نظر نہیں آتا۔

اُن کے پاس فرشتہ دو حالتوں میں آتا ہے: (۱) یا اُن کے قلب پر نزول کرتا ہے اور اُس نزول کے احوال مختلف ہوتے ہیں (۲) یا خارج میں مجسّم ہو کر آتا ہے اور نبی کے کان میں اُس کا اِلقاء کرتا ہے جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہے اور نبی اُس کی آواز کو بخوبی سُنتا ہے یا اُس کی بصارت پر القا کرتا ہے اور وہ اُسے دیکھتا ہے نیز دیکھنے سے وُہی فائدہ حاصل کرتا ہے جو سُننے سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اِس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی طرح حواس کی باقی قوتوں کا حال ہے۔ یہ دروازہ (وحی کا) نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بند ہو گیا ہے۔ کسی دُوسرے کے لیے اِس کی جانب ہرگز کوئی راستہ نہیں ہے کہ وُہ ایسی شریعت پر عمل کرسکے جو شریعتِ محمدیہ کی ناسخ ہو، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب دوبارہ نزول ہوگا تو وُہ بھی شریعتِ محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام خاتم الاولیاء قرار پائیں گے کیونکہ یہ شرف بھی صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کی ولایت اور ولایتِ مختصہ کو ایک ایسے فرد پر ختم فرمائے گا جو نبی اور رسول بھی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روزِ شمار میں دو حشر ہوں گے۔ ایک انبیاء و مرسلین کے ساتھ بحیثیت ایک رسول کے اور دوسرا ولی کی حیثیت میں اُمتِ محمدیہ کے ساتھ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور اِس فضیلت میں وہ دُوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔

اِسی کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولیاء و اقطاب کی شان بیان کر کے فرمایا کہ قطبِ واحد صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کی رُوح مبارک ہے اور آپ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اقطاب کے تخلیقِ نوعِ انسان کے وقت سے ممد و معاون ہیں اور تا قیامت رہیں گے[1]۔ جیسا کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا کہ

---

[1] اسی لیے تو اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے | باغِ خلیل کا گُلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہُوں تجھے اُمیدگہ کہوں | جانِ مُراد و کانِ تمنّا کہوں تجھے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یا رسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا: میں تو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اس کے بعد سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک کے اِس عالمِ آب گِل میں مختلف مظاہر ہیں اور اُن میں سے اکمل مظاہر کے نام قطبِ زمان، افراد اور ختمِ ولایت محمدی ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ختمِ ولایتِ عامہ ہیں۔

فضائل اہلِ بیت

شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کے انتیسویں باب میں صفحہ ۱۹۶ پر اِس امر کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس شرف اور جن عنایات سے نوازا ہے اُن کی رعایت سے آپ کے اہلِ بیتِ اطہار کی فضیلت کیا ہے؛ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالص عبد ہیں اس لیے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو پاک صاف فرما دیا[1] اور ان سے ہر قسم کی رِجس کو دُور کر دیا اور رِجس ہر معیوب چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بارے میں یُوں فرمایا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ	اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے
الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ	ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خُوب
تَطۡہِیۡرًا ۚ[2]	ستھرا کر دے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

گلزارِ قدس کا گُلِ رنگیں ادا کہوں ۔ درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے
اِس مُردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دُوں ۔ تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری ۔ حیراں ہُوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اِس پہ کر دیا ۔ خالق کا بندہ، خَلق کا آقا کہوں تجھے

[1] فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: ؎
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

[2] پ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۳۳

پس اُن حضرات کی جانب نہیں نسبت کر سکتے مگر پاکیزگی کی اور جس چیز کی اُن کی طرف نسبت کی گئی ہے وُہ اُن کے حال کے عین مطابق ہے اور اُن کی طرف وہی منسوب ہو گا جیسے طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو گی نیز سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی طہارت، حفظِ الٰہی اور گناہوں سے بچنے کی شہادت دی گئی ہے۔ علاوہ بریں اُن کے متعلق فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ سلمان ہم سے اور ہمارے اہلِ بیت سے ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

اہلِ بیت اطہار کے حق میں اللہ ربّ العزت نے طہارت اور ذہابِ رجس کی گواہی دی ہے اور جب اُن کی جانب مقدس ومطہر کے سوا کوئی دُوسرا منسوب ہی نہیں ہوسکتا اور اس نسبت کے باعث آدمی عنایتِ الٰہی کا اس درجہ مستحق ہو جاتا ہے تو خود اہلِ بیت کی مقدس ہستیوں کے بارے میں کیا گمان ہونا چاہیے؛ معلوم ہوا کہ وُہ حضرات نہ صرف پاک صاف بلکہ عین طہارت ہیں۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اہلِ بیت کو اس آیت کریمہ میں بھی شامل فرمایا ہو گا، جو یُوں ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ [1] تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

کیونکہ گناہوں سے بڑی اور کون سی گندگی ہو سکتی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغفرت کے ساتھ اُس چیز سے پاک صاف رکھا جو ہمارے حق میں گناہ ہے اور ایسا کوئی فعل اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرزد ہو تو خواہ وہ دیکھنے والے کو صورتاً گناہ نظر آئے لیکن حقیقت میں گناہ ہرگز نہیں ہو گا کیونکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شرعاً ہماری جانب سے کوئی مذمت لاحق نہیں ہوسکتی، بصورتِ دیگر اگر حقیقت میں وُہ گناہ ہوتا تو وہی مذمت لاحق ہوسکتی جو گناہ کرنے سے ہوتی ہے۔ اس صورت

---

[1] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۲

میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ: اللہ تعالیٰ اہلِ بیت سے ہر قسم کی گندگی کو دُور کرنا اور اُنھیں پاک صاف رکھنا چاہتا ہے، کیونکر صادق آئے گا؟

پس سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ امجاد اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے، جو قیامت تک زمرۂ اہلِ بیت میں ہیں وہ مذکورہ آیت کریمہ کے حکمِ مغفرت میں بھی شامل ہیں۔ ایسے جملہ حضرات فخرِ کون ومکاں، افتخارِ زمین و زماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کے ساتھ خاص طور پر پاک صاف ہیں اور اہلِ بیت کے اِس خصوصی شرف کا مظاہرہ حقیقت میں بروزِ قیامت ہوگا کیونکہ یہ حضرات قدسی صفات قبروں سے مغفور و مرحوم ہی اٹھائے جائیں گے اور اِس دارِ عمل و مکافات میں اگر اُن میں سے کسی پر حد قائم کرنا لازم آئے تو تائب کی طرح اُس پر حد قائم کی جائے گی، جس نے زنا کیا یا چوری کی یا شراب پی اور اُس کی شکایت حاکم تک پہنچی اور حاکم اُس پر اِس حالت میں حد قائم کر رہا ہو کہ اُس نے توبہ کر لی ہے۔ ایسے کی مغفرت چونکہ ثابت ہے لہٰذا اُس کی مذمت جائز نہیں۔ پس ہر وُہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے کلام معجز نظام پر ایمان رکھتا ہے اُس کو چاہیے کہ اللہ رب العزت کے اِس ارشادِ عالی کی دل و جان سے تصدیق کرے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ	بیشک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت!
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ	تم سے ہر قسم کی گندگی کو دُور کر کے تمھیں
تَطْهِيْرًا ۝ [1]	پاک صاف فرمائے۔

اور اہلِ بیتِ اطہار سے اگر کوئی نا شدنی فعل سرزد ہو جاتے تو اُس کے متعلق یہی گمان کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتا ہے اور کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایسے کسی امر کے باعث اُن کی مذمت کرے اور نہ کسی ایسے فعل کے سبب جو کارِ خیر ہو لیکن وُہ اُسے نہ کر سکے تو اُن کے تقویٰ و طہارت کی پاک صاف چادر کو داغدار کرنے کا وبال اپنے

---

[1] پ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۳۳

سرزد ہوئے کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسا پاک کیا ہے کہ ہر طرح کی گندگی اُن سے دُور فرما دی ہے۔ یہ اُن کے حال پر اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور وُہ بڑا فضل والا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جو خبر وارد ہُوئی وہ حق اور صحیح ہے، واقعی اُن کا وہی درجہ اور مرتبہ ہے۔ اگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت ایسی ہوتی جو ظاہری شرع کے نزدیک پسندیدہ نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔ اِس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اہلِ بیت کی جانب ایسے حضرات بھی منسوب ہیں جن سے رجس دُور نہیں ہُوئی ہے اور اُس منسوب کے رجس کے مطابق حضرات اہلِ بیت کی شان پر حرف آئے گا حالانکہ اُن مقدس ہستیوں کی طہارت نصِ قطعی سے ثابت ہے اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بالیقین اہلِ بیت سے ہیں۔ مَیں اُمید کرتا ہُوں کہ عقیل و سلمان کے عقب کو بھی یہ شرف حاصل ہوگا جیسے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد و عقب اور اہلِ بیت کے آزاد کردہ غلاموں کو یہ شرف حاصل ہے اور دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کا یہ مرتبہ ہے کہ اہلِ فضل و کمال کی جانب منسوب ہونے والا بھی اُس کمال سے منسوب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ شرف اُن کے نفوس کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اُنھیں منتخب کر کے شرافت کی پوشاک پہناتا ہے۔ پس اے اللہ کے دوست! اُس شخص کا مقام کتنا بلند ہو گا جو اُس ذات کی طرف منسوب ہو جس کے لیے عنایت، بزرگی اور شرف خود اپنی ذات سے ہے اور وُہ ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے وُہ بندے جو صرف اُسی کی جانب منسوب ہیں، اُن کی یہی شان ہے کہ آخرت میں کسی مخلوق کو اُن پر غلبہ نہیں ہو گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِسی لیے تو ابلیس علیہ اللعنۃ سے فرما دیا تھا کہ:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ [1]	بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

---

[1] پ ۱۴، سورۃ الحجر، آیت ۴۲

اِس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہمیں نیک لوگوں کے سوا اور کسی کی اللہ ربُّ العزّت کی طرف نسبت نہیں ملتی اور دُوسری قسم کے لوگوں کے لیے صرف عباد کا لفظ آتا ہے۔ پس کیا خیال ہے تمھارا اُن ہستیوں کے بارے میں جو گناہوں سے بچائے ہُوئے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ کی قائم کردہ حدود اور نشانات پر قائم رہتے ہیں۔ وُہ اعلیٰ مراتب پر فائز اور کامل انسان ہیں۔

اِس کے بعد شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب تیرے نزدیک اہلِ بیتِ اطہار کا مرتبہ واضح ہو چکا جو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں مرحمت فرمایا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اُن سے واقع ہونے والے کسی فعل پر اُن کی مذمت کرے کیونکہ ربِّ کریم نے اُنھیں پاک صاف فرمایا ہے، اِن حالات میں مذمت کرنے والے کو جان لینا چاہیے کہ یہ مذمت اُسی کی جانب لوٹے گی کیونکہ اُس کی نظر میں اگر اُن حضرات قدسی صفات نے کوئی ظلم کیا ہے تو وُہ فعل اُن کے گمان میں ظلم ہوگا لیکن حقیقتِ نفس الامری کے لحاظ سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا، خواہ ظاہر شرع بھی اُس کی ادائیگی کا فیصلہ کرے، کیونکہ اِن حضرات کا ہمارے اُوپر ظلم کرنا حقیقت میں تقدیرِ الٰہی کے جاری ہونے کی طرح ہے، جیسے تقدیرِ الٰہی سے جان و مال کے غرق ہونے، جل جانے اور دُوسرے طریقوں سے ہلاکت کے واقعات رُونما ہوتے رہتے ہیں یا جیسے کسی کا کوئی دوست یا عزیز جل کر مر جائے یا خود اُسے کوئی صدمہ پہنچے۔ چونکہ یہ اُس کی رضا و رغبت کے مطابق نہیں، اِس کے باوجود اُسے یہ ہرگز اجازت نہیں ہے کہ قضائے الٰہی کی مذمت کرنے بیٹھ جائے بلکہ اُس کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھامے، اگر اِس سے نچلے درجے پر رہنا ہے تو صبر کرے اور بلند منصب حاصل ہے تو مصائب پر بھی شکر ادا کرے کیونکہ مصائب کی برداشت کے مطابق نعمتیں ہیں۔ مذکورہ راستوں کے علاوہ اور کوئی طرزِ عمل اختیار کرنا بہتر نہیں ہے۔ علاوہ بریں دیگر راستوں میں تنگی، سختی، رضائے الٰہی پر راضی نہ رہنا اور سوءِ ادب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

پس مسلمان کو چاہیے کہ اہلِ بیتِ اطہار کی طرف سے جو اُن کے جان،

مال، اولاد کے ساتھ یا کسی معاملے میں ایسا سلوک ہو جائے جو اُس کی مرضی کے خلاف ہو، تو اُسے چاہیے کہ تسلیم و رضا اور صبر کے ساتھ اُسے برداشت کرے اور اُن کی ذرا سی بھی مذمت نہ کرے۔ اگرچہ اُس پر شرعی احکام جاری ہوں مگر یہ اُن کے شرف و مجد کو زائل نہیں کرتے بلکہ تقدیر کی طرح جاری ہوتے ہیں۔

ہم نے اہلِ بیت کی مذمت کرنے سے بایں وجہ منع کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہ، نے اُن حضرات کو ہم سے ممتاز کیا ہے اور ہم اُن کے قطعاً ہم پلہ نہیں ہیں۔ رہا حقوق مشروعہ کے ادا کرنے کا معاملہ، تو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب یہود سے قرض لیتے اور مطالبہ کرتے تو آپ بطریقِ احسن ادا فرما دیتے۔ اگر یہودی بدسلوکی بھی کرتے تب بھی آپ صحابۂ کرام کو منع فرما دیتے کہ اس سے درگزر کرو اور کچھ نہ کہو، کیونکہ صاحبِ حق کو کلام کی گنجائش ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ اگر فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی چوری کرے تو مَیں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ پس احکامِ الٰہی کا وضع کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جیسے چاہے اور جس حال میں چاہے وضع فرمائے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، لیکن بایں ہمہ اللہ جلّ شانہ، نے اُن کی مذمت نہیں فرمائی ہے۔

یہاں کلام ہمارے حقوق کے بارے میں ہے اور ہمیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہیں تو اپنے حقوق کا اُن حضرات سے مطالبہ کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اُن سے دستبردار ہو سکتے ہیں جبکہ عام لوگوں سے حقوق میں دست بردار ہو جانا ہی افضل ہے تو اہلِ بیت کے ساتھ ایسا سلوک کرنا تو اور بھی فضیلت رکھتا ہے۔ جب ہمیں کسی مسلمان کی بھی مذمت نہیں کرنی چاہیے تو اہلِ بیت کی مذمت کس مُنہ سے کریں؟ اگر ہم اہل بیت سے اپنے حقوق طلب نہ کریں اور جو اُنھوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہو اُس سے درگزر کریں تو اس حُسنِ سلوک کے عوض بارگاہِ خداوندی سے بہت بڑا انعام اور قُربِ الٰہی نصیب ہو گا کیونکہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِس کے علاوہ ہم سے اور کوئی چیز طلب نہیں فرمائی

کہ آپ کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔ اِس میں راز یہ ہے کہ صِلہ رحمی ایک اہم چیز ہے، لیکن جو شخص اپنے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوال کو پُورا نہ کرے جبکہ وُہ اس پر قادر ہے تو کل بروزِ قیامت کس مُنہ سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگا یا کس طرح اُن سے شفاعت کی اُمید رکھے گا جبکہ اُس نے اپنے نبی کے ایک مطالبے کو پُورا نہ کیا، جو آپ نے اپنے قرابت داروں سے محبت رکھنے کے بارے میں کیا ہے جائے غور ہے کہ جب قرابت داروں کی بارگاہِ رسالت میں اتنی اہمیت ہے تو اہلِ بیتِ اطہار کی اہمیت کتنی ہوگی جبکہ یہ مُجملہ حضرات قرابت میں بھی خاص الخاص ہیں۔ علاوہ بریں قرآنِ کریم میں لفظ مَوَدَّتْ آیا ہے اور اِس کا مطلب محبت پر قائم رہنا ہے، کیونکہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اُسے ہر حال میں حرزِ جاں بنائے رکھتا ہے اور جب اہلِ بیت کی محبت کو ساتھی بنا کر رکھا جائے گا، تو اُن سے جو حق تلفی بھی ہو جائے گی، تو بھلا وُہ اُن سے کس طرح مطالبہ کرے گا؛ وُہ مطالبے کو ترک کر دے گا اور مطالبے پر محبت کو ترجیح دے گا۔ کسی محبِّ صادق نے کیا خُوب کہا ہے کہ محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے۔ یہ محبت کرنے کے بارے میں کہا ہے تو مَوَدَّتْ میں کیا حال ہونا چاہیے؟ اِس میں ایک خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام وَدُوْدٌ بھی ہے اور آخرت میں اِس کا بالفعل اثر حاصل ہونے کے سوا اِس کے ثبوت کا کوئی اور معنی نہیں ہے اور لوگوں میں سے ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو حکمتِ الٰہی کا مقتضیٰ ہے۔ ایک دُوسرے شاعر نے اِسی بات کو یُوں ادا کیا ہے: ؎

أُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَانَ حَتّٰى
أُحِبُّ لِحُبِّهَا سُوْدَ الْكِلَابِ[1]

اور شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس مضمون کو یُوں باندھا ہے: ؎

---

[1] اپنے محبوب کی محبت میں کالے کلوٹے لوگوں سے بھی محبت کر حتّٰی کہ کالے کُتوں سے بھی محبت رکھ۔

احب لحبك الحبشان طـرا
واعشق لاسمك البـدر المنـيرا[1]

کہتے ہیں کہ کالے کُتے مجنوں کو کاٹتے تھے لیکن وہ لیلیٰ سے رنگ کی مناسبت رکھنے کے باعث اُن سے بھی محبت کرتا تھا۔ اُس مُحب کا یہ حال ایسے شخص کی محبت میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ اُس کے ذریعے قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، پھر بھی یہ سلوک ہے جو مذکور ہوا اور یہ سچی محبت اور دِلی مودّت کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر تجھے اللہ جل شانہ، اور اُس کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے تو یقیناً تو اہلِ بیتِ نبی سے محبت رکھے گا اور یہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اہلِ بیت سے تیری طبیعت اور مرضی کے خلاف اگر کوئی بات صادر ہو جائے تو تیرے لیے وُہ بہتر ہے اور اُس کے وقوع سے تجھے خوش ہونا چاہیے تجھے اِس کا علم اُس وقت ہو گا جب اُس کے رُوبرُو جائے گا جس کے باعث اِن حضرات سے محبت کی ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ تیرے دل میں اُن کی محبت اور قدر و منزلت رکھی جو اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ تجھے چاہیے کہ اِس نعمت پر شکر گزار رہے کیونکہ اُن پاک زبانوں پر تیرا ذکر آیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کامل طہارت سے نوازا ہے، جس کی حقیقت تک تیرے علم کی ہرگز رسائی نہیں ہے اور جب ہم تجھے اہلِ بیت کرام کے ساتھ، جن کا تو محتاج ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جن کے صدقے تجھے ہدایت ملی ہے، اِس حالت کے خلاف دیکھیں تو اُس وقت تیری محبت کا یقین کس طرح کیا جائے گا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ نہیں فرمائیں گے کہ تُو مجھ سے محبت رکھنے اور میرے حقوق کی رعایت کرنے کا گمان رکھتا تھا حالانکہ میرے اہلِ بیت کے ساتھ تیرا یہ سلوک ہے کہ اُن کے متعلق بدگمانی رکھتا تھا اور اُن کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا تھا۔

خدا کی قسم یہ ایمان کی خرابی، اللہ تعالیٰ کی خفی تدبیر اور اُس کی ڈھیل کے

---

[1] اپنی محبت کے باعث سارے حبشیوں سے محبت کر اور اپنے نام کے باعث بدرِ منیر کا عاشق ہو جا۔

سوا اور کچھ نہیں، حالانکہ تجھے اس کا علم تک نہیں۔ تو یہی خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین و شرع کی حفاظت کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ اپنے حق کی طلب میں کہہ رہا ہے اور تو اپنے خیال میں وہی طلب کر رہا ہے جس کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ نے مباح ٹھہرایا ہے۔ لیکن اس طلب میں ذمّ، بُغض، حسد اور اہلِ بیت پر اپنی ذات کو ترجیح دینا بھی تو شامل ہے، جس کا تجھے شعور نہیں۔ اس مہلک بیماری کا شافی علاج یہی ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار پر تو اپنے کسی حق کا دل میں خیال تک نہ لا اور اپنے حق سے دست بردار ہو جا، تاکہ اس کی طلب میں مذکورہ خرابیاں داخل نہ ہونے پائیں۔ آخر تو مسلمانوں کے حکّام سے تو ہے نہیں کہ تجھ پر حدود کا قائم کرنا، مظلوم کا انصاف کرنا اور حقدار کو اس کا حق دلوانا ضروری ٹھہرے۔ اگر تو حاکم ہے اور مذکورہ حقوق کا پورا کرنا تیرے ذمّے لازمی ہے اور محکوم علیہ اہلِ بیت سے ہے، تو تجھے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ صاحبِ حق سے کہے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور اس کے انکار کی صورت میں شرع کا حکم نافذ کرنا تجھ پر ضروری ہے۔ اے دوست! آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ بیت کے جو منازل و مراتب ہیں، اگر اللہ تعالیٰ تیرے لیے ان کا کشف کر دے تو تو ان کا غلام ہونا بھی دل و جان سے پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو رشد و ہدایت سے معمور فرمائے (آمین)۔ [۱]

شریعتِ محمدیہ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے چھتیسویں باب، صفحہ ۲۹۰ پر تحریر فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے کہ جب شرعِ محمدی تمام شرائع کو متضمن ہے اور ان کا اس دنیا میں شریعتِ محمدیہ کے علاوہ کوئی حکم نافذ نہیں کیونکہ جس حکم کی شرعِ محمدی تقریر کرے وہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ ہم ان احکام پر اس وجہ سے عمل کرتے ہیں کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقریر

---

[۱] کس زباں سے ہو بیانِ عزّ و شانِ اہلبیت — مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلبیت
اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں — آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلبیت
اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں — قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلبیت
(حسن بریلوی)

فرمائی ہے اور شرائع سابقہ کے احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ اُن ازمنہ کے مخصوص انبیاء کرام نے اُن کی اپنے زمانوں میں تقریر فرمائی تھی۔ چونکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جامع کلمات (جوامع الکلم) دیئے گئے ہیں لہٰذا اِس وقت دُنیا کے سارے مکلّف، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، سب شرعِ محمدی پر عمل کریں گے کیونکہ اب شرعِ محمدی کے سوا دنیا میں کوئی اور شرع باقی نہیں ہے۔ شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِسی موضوع کے متعلق کتنے ہی فوائد اور بھی بیان فرماتے ہیں جو اُن پر مطلع ہونا چاہیے وُہ اُن کی تصنیفِ لطیف فتوحاتِ مکیہ کی جانب رجوع کرے۔

شفاعتِ کُبریٰ

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کے باب ۶۴، صفحہ ۴۰۰ پر شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعتِ عُظمیٰ کا ذکر کیا ہے کہ جب لوگ کھڑے ہوں گے اور زمین وسیع کر دی جائے گی، آسمان پھٹ جائے گا، ستارے ٹُوٹ کر گر پڑیں گے، سُورج گہنا جائے گا، چاند کی روشنی زائل ہو جائے گی، چوپائے اکٹھے کیے جائیں گے، سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، رُوحیں اجسام میں داخل ہو جائیں گی، فرشتے آسمان کے کناروں پر اُتر پڑیں گے، پروردگارِ عالم کی خاص تجلیات بادلوں کے جھگھٹوں سے ظاہر ہوں گی، ایک منادی پکارے گا کہ اے نیک بختو! اُس وقت اہلِ محشر کی تین جماعتیں ہو جائیں گی۔ لوگ ایک دُوسرے سے اِتنے رَل جائیں گے کہ گرمی اور زیادہ محسوس ہونے لگے گی۔ بعض آدمی اپنے مُنہ تک پسینے میں غرق ہوں گے۔ یہ مصیبت سب سے سخت اور معاملہ انتہائی نازک ہو گا، لوگ حیران و پریشان ہوں گے اور بعض دھیمی آوازوں کے سوا کسی کی آواز تک سُنائی نہیں دے گی۔ اُس وقت جہنم کو حاضر کیا جائے گا اور لوگوں کو اِس مصیبت میں پڑے ہُوئے کافی عرصہ ہو جائیگا اور اُنھیں اس بات کا بالکل پتہ نہیں لگے گا کہ اللہ تعالیٰ کا اُن کے ساتھ آج کیا ارادہ ہے؛

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ آپس میں ایک دُوسرے سے کہیں گے کہ آؤ! ہم سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السّلام کے حضور میں حاضر ہو کر اُن سے عرض کریں کہ جس سختی میں ہم مبتلا ہیں اُس سے نجات دِلوانے

سکے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں اور ہمیں آرام وہ جگہ کی طرف لے جائیں کیونکہ اِس مصیبت کی جگہ ٹھہرے ہُوئے ہمیں بہت عرصہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا مدعا عرض کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج کے روز میرا رب سخت غضب کے عالم میں ہے اور اِس سے پہلے اتنے غضب کا اُس نے کبھی اظہار نہیں فرمایا اور نہ ایسا غضب اِس کے بعد ظاہر فرمائے گا۔ اِس کے بعد اپنی ظاہری لغزش بیان کر کے فرمائیں گے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سوال کرتے ہُوتے شرم محسوس ہوتی ہے۔

اِدھر سے مایوس ہونے پر سب لوگ حضرت نُوح علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے اور اُن سے بھی اپنا یہی مدعا عرض کریں گے لیکن وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح جواب دیں گے اور اپنی اُس دُعا کو لغزش شمار کریں گے جو اُنھوں نے اپنی قوم کے لیے کی تھی کہ یہ لوگ فُجّار و کفّار ہی کو جنم دیں گے اور نوح علیہ السلام سے جو مواخذہ ہُوا، اُس کا سبب محض سخت دُعا کرنا ہی نہیں تھا بلکہ اُن کے بارے میں یہ فرمانا تھا کہ یہ لوگ فُجّار اور کُفّار کے سِوا اور کسی کو جنم نہیں دیں گے۔

اِس کے بعد وُہ ابراہیم علیہ السّلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور مثلِ سابق اُن کے سامنے اپنا مدعا عرض کریں گے۔ آپ بھی حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السّلام کی طرح جواب دیں گے اور تین ایسے واقعات کا ذکر فرمائیں گے جو حقیقت میں مبنی بر صداقت تھے لیکن ظاہر میں سامع کی مراد کے مطابق نہیں تھے، چنانچہ اُن کے پیشِ نظر انکار فرمائیں گے۔ ازاں بعد لوگ حضرت مُوسیٰ و عیسیٰ وغیرہ علیہما السّلام کی خدمت میں پہنچیں گے اور اپنی عرض کا اُن سے اظہار کریں گے تو وُہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح جواب دیں گے بالآخر وُہ سارا مجمع سیّد الانبیاء، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو جائے گا، جو قیامت کے روز جملہ بنی نوعِ انسان کے سردار ہوں گے۔ جب آپ کی بارگاہ میں بھی وہی مدعا عرض کریں گے جو دیگر انبیائے کرام کے حضور عرض کر چکے تھے تو سماعت فرمانے کے بعد فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے، واقعی اِس کام کے لیے میں ہُوں[1]

---

[1] (بر صفحہ آئندہ)

یہی تو مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز آپ کو مرحمت فرمایا جائے گا۔ پس آپ وہاں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوں گے اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ ربّ العزّت کی حمد و ثنا بیان کریں گے جو صرف آپ کی طرف اُس وقت الہام فرمائے جائیں گے اور اِس سے پہلے اُن سے کوئی آگاہ نہ ہوگا۔ اِس کے بعد آپ بارگاہِ خداوندی میں یہ شفاعت کریں گے کہ مخلوق کے لیے بابِ شفاعت کھول دیا جائے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

[1] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اِسی لیے فرمایا ہے: ؎

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دِل کو جو عقل دے خدا، اُن کی گلی سے جائے کیوں

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] شفاعت کا تذکرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں ملاحظہ ہو: ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سُناتے جائیں گے ۔۔۔ آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
دِل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ ۔۔۔ ہم سے پیاسوں کے لیے دریا بہاتے جائیں گے
کُشتگانِ گرمیِ محشر کو وُہ جانِ مسیح ۔۔۔ آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وُہ دن ہے کہ وُہ ۔۔۔ نعمتِ خُلد اپنے صدقے میں لُٹاتے جائیں گے
خاک اُفتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے ۔۔۔ خود وہ گر کر سجدے میں تم کو اٹھاتے جائیں گے
وُسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو ۔۔۔ جُرم کُھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
لو وُہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف ۔۔۔ خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے
آنکھ کھولو غمزدو، دیکھو وہ گریاں آئے ہیں ۔۔۔ لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے
سوختہ جانوں پہ وُہ پُر جوشِ رحمت آئے ہیں ۔۔۔ آبِ کوثر سے لگی دِل کی بجھاتے جائیں گے
آفتاب اُن کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ ۔۔۔ صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
پائے کوباں پُل سے گزریں گے تری آواز پر ۔۔۔ رَبِّ سَلِّمْ کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ!
دَم میں جب تک دَم ہے ذِکر اُن کا سُناتے جائیں گے

اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے شفاعت کا دروازہ کھول دے گا اور ملائکہ، انبیاء و مرسلین اور مومنین کو شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہو جائے گی۔ اُس وقت سب پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ سارے انسانوں کے سردار واقعی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ملائکہ و مرسلین کے لیے شفاعت کی اجازت طلب کریں گے لیکن اِس کے باوجود آپ نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے صرف یہی فرمایا ہے کہ میں سَیِّدُ النَّاس ہوں اور سَیِّدُ الْخَلْق نہیں فرمایا۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو:

فتدخل الملائكة فى ذالك مع	فرشتے بھی اسی زمرے میں داخل ہیں کیونکہ اس روز
ظهور سلطانه فى ذالك اليوم	سب پر آپ کی بادشاہی ظاہر ہو جائے گی، جن میں
على جميع من ملك وغيره و	فرشتے وغیرہ بھی شامل ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ
ذالك انه صلى الله عليه	تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کے مقامات کے
وسلم جمع له بين مقامات	جامع ہیں۔ اگرچہ فرشتوں پر آپ کی برتری کا
الانبياء كلهم ولم يكن	اِس طرح اظہار نہیں فرمایا گیا جس طرح آدم
ظهوره على الملائكة ما	علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا تھا، کیونکہ اُنہیں
ظهر لأدم عليه السلام عليهم	تمام اشیاء کے نام سکھا دیے گئے تھے۔
من اختصاصه بعلم الاسماء	لیکن قیامت کے روز بابِ شفاعت کھلنے
كلها فاذا كان ذالك اليوم	میں فرشتے اور انسان، آدم علیہ السلام
افتقر اليه الجميع من	اور دیگر انبیائے کرام، سارے ہی آپ کے
الملائكة والناس آدم فمن	محتاج ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا
دونه فى فتح باب الشفاعة وظهر ماله	جو منصب ہے وہ اُس روز ظاہر ہو گا
من الجاه عند الله تعالىٰ اذ كان القهر	جبکہ قہرِ الٰہی اور جبروت اعظم کو دیکھ کر
الالٰهى والجبروت الاعظم قد اخرس الجميع	سب گونگے اور مُہر بلب ہو جائیں گے۔

وکان هٰذا المقام مثل مقام ادم علیه السلام و اعظم فی یوم اشتدت الحاجة فیه مع ما ذکر من الغضب الالٰهی الذی تجلی فیه الحق فی ذالك الیوم ولم یظهر مثل هٰذه الصفة فیما جری من قضیة ادم علیه السلام فدل بالجموع علی عظم قدره صلی الله علیه وسلم حیث اقدم مع هٰذه الصفة الغضبیة الالٰهیة علی مناجاة الحق[120] فیما سأل فیه فاجابه الحق سبحانه۔ (ص ۱۱۹/۱۲۰)

یہ مقام آدم علیہ السلام کے مقام کی طرح ہے بلکہ اُس سے بدرجہا عظیم کیونکہ اُس سخت روز ساری مخلوق کو آپ کی حاجت ہوگی، جس روز کہ اللہ تعالیٰ اپنے غضب کا اظہار فرمائے گا۔ لیکن آدم علیہ السلام کے واقعے میں محبوبیت کی صفت کا ایسا اظہار نہیں پایا جاتا۔ پس مجموعی طور پر یہ آپ کے منصب کی عظمت و رفعت پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غضب کے اظہار کے موقع پر آگے بڑھ کر باری تعالیٰ سے مناجات کی، سوال کیا اور ربِ ذوالجلال نے آپ کے سوال کو شرفِ قبولیت بخشا۔

اِس شفاعتِ کبریٰ کے بعد میزان قائم ہوگی، اعمال نامے کھولے جائیں گے، پُل صراط قائم کیا جائے گا اور عام شفاعت شروع ہو جائے گی۔ اِس کے بعد شیخ علیہ الرحمہ نے شفاعت کرنے والوں اور احوالِ قیامت کا ذکر کیا ہے۔

درجاتِ جنت اور وسیلہ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۶۵، صفحہ ۱۹۶ پر فرمایا ہے: یہ جان لینا چاہیے کہ بلحاظ اعمال جنت کے سَو درجے ہیں جو کم و بیش نہیں جیسے دوزخ کے سَو حصّے ہیں اور ہر ایک درجہ مختلف منزلوں میں منقسم ہے۔ ہم یہاں اُن منازل کا ذکر کرتے ہیں جو اُمتِ محمدیہ کے لیے مخصوص ہیں اور جن کے باعث اِس اُمتِ مرحومہ کو دیگر اُمتوں پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ نے خود اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے کہ یہ بہتر اُمت ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا فرمائی گئی۔

مذکورہ سَو درجے آٹھوں جنتوں میں سے ہر جنت میں ہیں اور جنت کا ہر درجہ آرام کی جگہ ہے، جن میں سب سے بلند جنتِ عدن ہے، جو سب جنتوں کی سردار ہے۔

اُس میں ایک بلند ٹیلہ ہے، جس میں دیدارِ الٰہی کے لیے لوگوں کا اجتماع ہُوا کرے گا۔ یہ سب جنّتوں سے اعلیٰ جنّت ہے جیسے بادشاہ کا مکان جس کے گرداگرد آٹھ دیواریں ہوں اور ہر دو دیواروں کے درمیان باغیچہ ہو۔ وُہ جنّت جو جنّتِ عدن سے قریب تر ہے اُس کا نام جنت الفردوس ہے۔ یہ جنّتِ عدن کے بعد باقی تمام جنّتوں سے افضل و اعلیٰ ہے، تیسری جنت الخلد، چوتھی جنت النعیم، پانچویں جنت الماویٰ، چھٹی دار السلام اور ساتویں کا نام دار المقام ہے۔

جنّتِ عدن میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جس کا نام وسیلہ ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس کی خاطر اُمّتِ محمدیہ بھی دُعائیں کرتی ہے کہ وُہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اِس میں پوشیدہ حکمت ہے حالانکہ ہم سب نے ہر سعادت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے سبب پائی ہے اور آپ ہی کے باعث یہ اُمّت باقی جُملہ اُمتوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے اور آپ کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمیں آخری اُمت بنایا جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا ہے۔ اور سلسلۂ نبوّت کو آپ پر ختم کر دیا ہے اور اِس فضیلت کی خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بشارت دی ہے، جس کے ذکر کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا تھا اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک خاص راستہ ہو گا جس کے ذریعے ہم پروردگارِ عالم سے ہمکلامی کا شرف حاصل کریں گے اور اللہ جلّ شانہٗ ہم سے خاص گفتگو فرمائے گا۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لیے اپنے رب کی طرف ایک خاص راستہ ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کی دُعا کیا کریں، حتیٰ کہ آپ وہاں رونق افروز ہو جائیں جس کے بارے میں حکمتِ الٰہی اسی کی مقتضی ہُوئی کہ وُہ آپ کو اُمتِ مرحومہ کی دُعاؤں کے باعث مرحمت فرمایا جائے گا۔ اُمتِ وسطیٰ کے اِس شرف پر غور کرنا چاہیے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی اور اِس اُمّت کو کرامت بخشی ہے۔

جنّت کے پانچ ہزار ایک سو پانچ درجے بنتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اِس سے زیادہ ہیں جبکہ اِس تعداد پر اصل ہونے کے باعث تمام اہلِ کشف کا اتفاق ہے اور وہ زائد درجے انواع و اجناس کا مقام رکھتے ہیں۔ اُمّتِ محمدیہ اِن درجات میں بھی دیگر اُمم سے

ممتاز ہے۔ چنانچہ بارہ درجے ایسے ہیں جو صرف اسی اُمت کے ساتھ خاص ہیں، باقی اُمتیں اُن میں شریک نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخرت میں وسیلہ اور شفاعت کے ذریعے باقی جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے اور دنیا میں چھ ایسی چیزوں کے باعث آپ فضیلت دیئے گئے ہیں جو دیگر انبیاء و مرسلین کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں، جیسا کہ امام محمد مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ کی الجامع الصحیح میں صحیح حدیث ہے، جس میں یہ چھ امر بیان فرمائے گئے ہیں (۱) آپ کی رسالت کا عام ہونا یعنی ساری مخلوق کے لیے نبی بن کر آنا۔ (۲) آپ کے لیے غنائم کا حلال ہونا (۳) رُعب کے ساتھ آپ کی مدد فرمانا (۴) ساری زمین کا آپ کے لیے مسجد بنا دینا۔ (۵) مٹی کو آپ کے لیے پاک قرار دینا۔ (۶) آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمانا۔

درودِ پاک شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیّہ کے باب ۶۹، صفحہ ۴۸۶ پر لکھا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے برحق کلام میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ	بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں
عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاہ[۱]	والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

مسلمانوں نے اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درود کی کیفیت دریافت کی، جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ نبی پاک پر درود بھیجا کرو، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی کہ مسلمان بایں الفاظ درود بھیجا کریں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی	اے اللہ! درود بھیج حضرت محمد پر اور آلِ محمد پر
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی	جیسے تُو نے حضرت ابراھیم اور اُن کی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ	آل پر صلوٰۃ بھیجی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔	اور حقیقی بزرگی والا ہے۔

---

[۱] پ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر جس طرح درود بھیجی گئی اُس کے مانند درود بھیجنے کی دعا کی گئی ہے۔ اگر تم کہنے لگو کہ اِس حدیث سے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ طلب کی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیج۔ تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے اور اُن کی آل پر درود بھیجنے کا قرآنِ کریم میں حکم نہیں دیا ہے لیکن سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو درود بغرضِ تعلیم بتایا اُس میں آلِ محمد پر درود بھیجنے کا اضافہ موجود ہے۔ علاوہ بریں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ طلب نہیں کیا کہ آپ پر ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیجی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نبیِ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ عنایت ہے اور آپ کو ایسے امور سے مختص فرمایا گیا ہے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں ہوئے خواہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام۔ آپ کو اِس منصب کا حاصل ہونا اسی اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (خاص رحمت) کے باعث ہے۔ دریں حالات آقائے کائنات کس طرح یہ چاہتے کہ آپ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیجی جاتے؛ بلکہ اس سے مراد وُہی ہے جو مَیں بیان کرنے لگا ہُوں (ان شاء اللہ تعالیٰ) کہ کسی شخص پر صلوٰۃ کے لیے کبھی تو اُسے معیّن کیا جاتا ہے اور کبھی کسی دُوسرے کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ پس جو صلوٰۃ دُوسرے کی نسبت کے اعتبار سے ہے یہ مجموع کے لیے ہے، کیونکہ مجموع کا حکم واحد کے لیے نہیں ہوتا جبکہ وُہ منفرد ہو۔

اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آل کی تفسیر و تشریح میں بہت کچھ لکھا ہے، جس کے نقل کرنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ چونکہ اُس میں بے شمار فوائد ہیں لہٰذا خواہشمند کو اصل کتاب کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ اِس کے بعد فرمایا ہے کہ مذکورہ صلوٰۃ مجموع کے لحاظ سے ہے اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کیونکہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بلحاظِ زمانہ مقدّم ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم قیامت کے روز تمام انسانوں کے سردار ہوں گے، جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک اتنا بلند ہو اُس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثل صلوٰۃ کس طرح ہو سکتی ہے؟ لہٰذا اصل بات وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے اور یہ مسئلہ ہمارے وقائع سے واقعۃ النبہ ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

فضیلتِ جمعہ شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیہ کے باب ۱۷، صفحہ ۶۱۲ پر جمعہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایسا دن ہے جس کی مثل کوئی اور دِن نہیں کیونکہ ہر وُہ دِن جس میں سورج طلوع ہو، یہ اُس سے بہتر ہے۔ اِس روز کے بارے میں اُممِ سابقہ میں اختلاف واقع ہو گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی جانب ہدایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی سے اِس کا ذکر نہ فرمایا۔ ایسا کمال کی مناسبت سے کیا گیا کیونکہ آپ سارے انبیائے کرام سے اکمل اور آپ کی اُمت ساری اُمتوں سے اکمل ہے۔ دیگر اُمتوں کے لیے اُن کے انبیاءؑ سے اِس لیے روزِ جمعہ کی وضاحت نہیں فرمائی گئی تھی کہ وُہ اُمتیں اُس کے لیے مستعد نہ تھیں اور کمال میں اُن کا یہ درجہ نہیں تھا کہ اُنھیں افضل دن مرحمت فرمایا جاتا۔ جمعۃ المبارک کی یہ اُمت اِس لیے حقدار ہے کہ اِن کا نبی دیگر انبیاء سے اور یہ اُمت دیگر اُمم سے افضل و اعلیٰ ہے۔ والحمد للہ الذی اصطفانا۔

وصال شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کی جلد دوم، باب ۳، صفحہ ۷ پر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس دین کی جو منسوخ نہ ہو سکے اور اُس شریعتِ مطہرہ کی جو تبدیل نہ ہو سکے، مکمل تبلیغ کرنے کے بعد وفات پائی اور سارے مرسلین بھی اِسی شریعت میں داخل ہو کر اسے قائم کرتے رہے تھے اور آپ سے پہلے زمین کسی زندہ رسول سے خالی نہیں رہی، جو جسمانی طور پر موجود ہوتا تھا کیونکہ وُہ اِس جہان میں اِنسانی دنیا کا قطب ہوتا ہے۔ رسول خواہ ایک ہزار ہوں لیکن اُن میں سے ایک امام ضرور ہوتا ہے جو مقصودِ کائنات ہوتا ہے۔ اُن رسولوں میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد بھی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، تین رسول ہیں۔

اُن میں سے ایک حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، جو اپنے جسم کے ساتھ

زندہ ہیں اور اُنھیں اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر بلایا ہوا ہے اور ساتوں آسمان بھی اِسی دنیا میں شمار ہوتے ہیں، جو دُنیا کی بقا تک باقی رہیں گے اور اِس کے فنا ہو جانے سے اُن کی صورت بھی فنا ہو جائے گی۔ وُہ دنیا کا ایک جزو ہیں کیونکہ آخرت میں زمین کے ساتھ آسمانوں کی صورت بھی بدل جائے گی اور زمین میں حضرت الیاس اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کو باقی رکھا ہوا ہے جو گروہِ مرسلین سے ہیں اور یہ تینوں حضرات اُسی دینِ حنیف پر قائم ہیں جسے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور اِن تینوں حضرات کی رسالت پر سب کا اتفاق ہے۔ چوتھے حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ وُہ ہمارے سوا دوسروں کے نزدیک مختلف فیہ ہیں (یعنی بعض کے نزدیک نبی ہیں اور بعض کے نزدیک نبی نہیں ہیں)۔ یہ تمام حضرات اپنے جسموں سمیت دنیا میں زندہ موجود ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اِس موضوع پر مزید گفتگو کی ہے، جو چاہے اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

اخلاق اللہ سے مطابقت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۷۳، صفحہ ۹۷ پر حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے سوال نمبر ۴۹ اور ۵۰ کا جواب دیا ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ اِس سے پہلے سوال میں جو اللہ تعالیٰ کے ۱۱۷ خُلق مذکور ہیں اُن میں سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے اخلاق پائے جاتے ہیں اور دیگر انبیاء و مرسلین میں کتنے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ دُو کے سوا سارے اخلاق سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھے اور دیگر مرسلین عظام اِن میں اپنے اپنے مراتب پر ہیں، جیسا کہ اُن کی کتابوں اور صحائف میں مذکور ہے، لیکن فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن سب کے جامع ہیں بلکہ آپ عنایتِ ازلیہ کے بھی جامع ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ [۱] — یہ رسول ہیں کہ ہم نے اِن میں ایک کو دُوسرے پر افضل کیا۔

---

[۱] پ ۳، سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۳

یہ فضیلت اُن اخلاق وصفات میں ہے جو اُن کو حاصل ہے۔ اِس کے ساتھ ہی یہ جاننا ضروری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اُن کی کئی قسمیں بنائیں اور ہر قسم میں نیک لوگ رکھے پھر اُن نیک لوگوں سے خواص کو چُنا، جو مومن ہیں۔ اہلِ ایمان سے خواص کو چُنا، جو اولیاءٔ ہیں۔ اُن سے خواص کو چُنا، جو صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ جن پر شریعت کا انحصار ہے۔ اِس خلاصہ سے ایک چھوٹی سی جماعت چُنی، جو خلاصے کا خلاصہ (اولوالعزم پیغمبر) ہیں اور وُہ تمام رسُول ہیں اِس کے بعد:

اصطفیٰ واحدا من خلقه هو منهم ولیس منهم هو المهیمن علیٰ جمیع الخلائق جعله الله عمدا اقام علیه قبة الوجود و جعله الله اعلیٰ المظاهر و اسناها صح له المقام تعیینا وتعریفا فعلمه قبل وجود طینة البشر وهو محمد صلی الله علیه وسلم لا یکاثر ولا یقادم هو سید من سواه سوقة قال عن نفسه انا سید الناس ولا فخر ای اقولها ولا اقصد الافتخار علیٰ من بقی من العالم۔

اپنی ساری مخلوق سے صرف ایک کو چُن لیا، جو بظاہر اُن میں سے ہے لیکن درحقیقت اُن میں سے نہیں ہے۔ وُہ ساری مخلوق کا نگہبان ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے ایسا ستون بنایا ہے جس پر کائنات کے وجود کا قبہ کھڑا ہے اور اُسے نہایت اعلیٰ اور خوبصورت مظہر بنایا ہے تعیین وتعریف کے لیے اُس کا منصب متعین فرمایا ہے نوعِ بشر کے وجود سے پہلے اُسے علم کے ساتھ بھرپور کر دیا گیا اور وہ ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ جن کی کوئی مثال نہیں اور نہ کوئی اُن کا مدِ مقابل۔ وہ اپنے ماسوا کے سردار ہیں۔ اُنھوں نے خود فرمایا ہے کہ مَیں بنی نوعِ انسان کا سردار ہُوں اور فخریہ نہیں کہتا یعنی منصب کا اظہار کرتا ہوں باقی لوگوں پر فخر کرنا مقصد نہیں ہے۔

(ص ۱۲۲)

نبی کا قدم

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد ثانی کے صفحہ ۱۰۵ پر سوال ۵۸ کے جواب میں پہلے یہ فرمایا ہے کہ اولیائے محدثین یعنی ملہمین

کا مرتبہ انبیائے کرام کے سامنے اُسی طرح ہے جیسے تابع اور متبوع کے مراتب ہوتے ہیں، اُنھیں حضرات انبیاء کی اقتداء میں چلنا ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ محمد فائد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں آپ کے پاس حاضر ہُوا تو اپنے سامنے قدم کا نشان دیکھ کر میں نے غیرت محسوس کی۔ مجھے مطلع فرمایا گیا کہ یہ تو تمہارے نبی کا قدم ہے۔ یہ معلوم کر کے میری وہ غیرت جاتی رہی۔ یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے اقدام کی جامع ہے۔ اسی لیے ہر ولی اپنے سامنے قدم دیکھتا ہے، جو اس نبی کا قدم ہوتا ہے جس کا وُہ وارث ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے قدم مبارک تک کسی کی رسائی نہیں ہے[1] جیسے آپ کے قلب مبارک تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا جس قدم کو شیخ موصوف نے دیکھا تھا یا کوئی دُوسرا دیکھے، وُہ اُسی نبی کا قدم ہو گا جس کا وُہ وارث ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ وُہ قدم محمدی سے الگ تو نہیں ہے، بایں وجہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ سے فرمایا گیا کہ یہ تیرے نبی کا قدم ہے اور اُن سے یہ تو نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم ہے۔

مقامِ محمود شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۷۳، صفحہ ۱۱۲ پر سوال نمبر ۷۲ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال: مقامِ محمود کیا ہے؟

جواب: مقامِ محمود وُہ ہے جو سارے مقامات کی انتہا ہے اور اُسی کی طرف تمام اسمائے الٰہیہ ناظر ہیں، جو مقامات کے ساتھ مختص ہیں۔ مقامِ محمود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] لیکن حضور سیدنا غوثِ اعظم، غیثِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں تک رسائی ہو گئی تھی جیسا کہ اُنھوں نے خود اپنے مشہور قصیدہ خمریہ غوثیہ میں فرمایا ہے: ؎

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَّهُ قَدَمٌ وَّاِنِّيْ
اَنَا قَدَمُ نَبِيٍّ بَدْرُ الْكَمَالِ

کے لیے ہے اور قیامت کے روز وہ عام لوگوں پر بھی ظاہر ہو جائے گا اور اسی کے ذریعے آپ کی جمیع مخلوق پر سیادت ظاہر ہو گی۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (قیامت کے روز میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا)
حضرت آدم علیہ السلام اسی مقام پر ٹھہرائے گئے تھے جبکہ فرشتوں نے اُن کے لیے تعظیمی سجدہ کیا تھا، کیونکہ اِس مقام کا دنیا میں یہی مقتضیٰ ہے۔ آخرت میں یہ مقام سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ وُہ حضرتِ الٰہیہ کا کمال ہے۔ اسی لیے وہاں سب سے پہلے ابو البشر کا ظہور ہوا کیونکہ اُن کا جسم نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو متضمن ہے۔ جسمانی لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام سارے انسانوں کے باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور خاکی پتلے میں حیاتِ انسانی کے سب سے پہلے پیکر ہیں اور یہ سارے مقامات اُن کی بدولت ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

عاقبت کی شہنشاہی کا سہرا روزِ قیامت سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر ہو گا۔ اُس روز آپ ہی مقامِ محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور آپ کی بدولت ہی شفاعت کا دروازہ کھلے گا اور آپ ہی اُن حضرات کے متعلق شفاعت کریں گے جو شفاعت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، جن میں فرشتے، انبیاء، اولیاء، مومنین، حیوانات، نباتات اور جمادات شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اِن حضرات کو گنہگاروں کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ اُس وقت ہر ایک فرد آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللساں[1] ہو گا اور ہر جگہ آپ ہی کا چرچا ہو گا۔ پس شفاعت کا اوّل، آخر اور وسط صرف آپ کے لیے ہے (دوسروں کی شفاعت آپ کی شفاعتِ کبریٰ کی مرہونِ منت ہے)، لہٰذا قیامت کے روز

---

[1] مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا ہے: ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا

کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

تمام محامد و محاسن آپ کی ذات والا صفات سے وابستہ ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی لیے اِس جگہ کو مقامِ محمود کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کی ثنا مقامِ محمود پر میں ایسے محامد کے ساتھ کروں گا جو میرے دائرۂ معلومات سے اِس وقت باہر ہیں۔ یہ حدیث اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیائے کرام و اولیائے عظام کے علوم ذوقی ہیں فکری و نظری نہیں کیونکہ وُہ جگہ اپنے آثار کے لحاظ سے مخصوص اسمائے الٰہیہ کا تقاضا کرتی ہے جن کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور یہ کسی دنیاوی مقام کا ہرگز مقتضی نہیں ہے، اسی لیے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج وہ کلمات میرے دائرۂ معلومات سے باہر ہیں اور یہی مقامِ وسیلہ بھی ہے کیونکہ یہیں سے بابِ شفاعت کے کھلوانے کی خاطر توسُّل ہو گا، یعنی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیلہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ جنّت میں سب سے بلند درجہ ہے، سوائے ایک شخص کے کسی اور کو نہیں ملے گا، مجھے امید ہے کہ وہ شخص مَیں ہُوں۔ پس جو شخص میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دُعا کرے گا، اُس کے لیے میری شفاعت حلال ہو گئی اور شفاعت کو سوال کرنے والے کے لیے ثواب قرار دیا ہے مقامِ محمود کا نام وسیلہ بھی ہے کیونکہ اس کے سوال کرنے میں ثواب رکھا گیا ہے اور اس شخص کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے نیز سارے مقامات اور کلمات اس مقامِ محمود کی جانب رجوع کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔

شیخ علیہ الرحمہ نے سوال نمبر ۴۷ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقامِ محمود کس طرح حاصل کیا؟

جواب: سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کو ایک خصوصی دعا مرحمت فرمائی گئی جو ضرور قبول ہُوئی۔ ہر نبی نے دُعا کرنے میں جلدی کی اور اُن کی دُعائیں دنیا میں پوری ہو چکیں۔ لیکن مَیں نے اپنی خصوصی دُعا کو اپنے مرتکب کبائر اُمتیوں کے لیے چھپا کر

رکھا ہُوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخرت کے مواطن و مقامات کو دیگر انبیاء کی نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ جب سارے مقامات کا مرجع مقامِ محمود ہے، جو سارے مقامات کا جامع ہے تو اِس کا اہل اور مالک وہی فرد ہو سکتا ہے جو جوامع الکلم دیا گیا ہو کیونکہ محامد کلام کی صفت ہیں۔ جب آپ کی بعثت عام ہے تو آپ کی شریعت بھی عام ہُوئی جو تمام شرائع کی جامع ہے۔ پس آپ کی شریعت اُن جُملہ اعمال وافعال کو متضمن ہوئی جن کی مشروعیت صحیح ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اعمال کی جنسیں اُنسٹھ اور ستر کے درمیان ہیں، جو اِس سے کم یا زیادہ نہیں ہوں گی اور ایمان کی ستر سے کچھ اُوپر شاخیں ہیں، جن میں سے ادنیٰ کام یہ ہے کہ تکلیف دِہ چیز کو راستے سے ہٹا دیا جائے اور سب سے اعلیٰ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار ہے۔ نیک عمل کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝[1]

ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب ہے عمل کرنے والوں کا۔

پس جنت میں اُن کے لیے کسی قسم کی رُکاوٹ یا ممانعت نہیں ہوگی اور یہ اُس شخص کے لیے ہے جس نے ہر حکم پر عمل کیا، کیونکہ اِس دنیا میں ایک انسان جب بھی کوئی نیک کام کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اُس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے، جو بھی ایمان کے مطابق اعمال ہوں جب چاہے اُنھیں کر سکتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کے سارے شعبے ظاہر فرما دیے جو جنت کے مذکورہ درجاتِ اعمال کے مطابق ہیں، خواہ وہ بالفعل ہوں یا بالدلالت کیونکہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لیے راہِ ہدایت واضح فرما دی ہے، پس جتنے سعادت مند بھی آپ کی تعلیم کے مطابق نیک اعمال کریں گے اُن سب کے مجموعے کے برابر آپ کو بھی ثواب ملے گا اور آپ کی اُمت میں سے کوئی شخص بھی نیک اعمال سے تہی دامن نہیں ہے، پس اُتنا ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میزانِ عمل میں شامل ہوتا چلا جاتا ہے، جتنا کہ عمل کرنے والے نیک اعمال کرتے ہیں۔ پس آپ جنت میں جہاں چاہیں تشریف فرما

---

[1] پ ۲۴، سورہ الزمر، آیت ۷۴

ہو سکتے ہیں، لیکن یہ آپ کے سوا دوسروں کے لیے درست نہیں ہے کیونکہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے راستے آپ نے ہی ظاہر فرمائے، جن سے دنیا کا گوشہ گوشہ روشناس ہو کر جگمگا رہا ہے۔ اسی عدیم النظیر کارنامے کے باعث آپ نے مقامِ محمود پایا، جوامع الکلم سے نوازے گئے اور بعثتِ عامّہ کے باعث آپ کو اِن اخروی عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ چونکہ یہ مقامات آپ کو دنیا میں حاصل تھے اور دنیا میں مذکورہ احوال سے متصف ہونے کے باعث آپ نے اِن اعلیٰ ترین اخروی مقامات کو حاصل کر لیا۔ یہ عجیب و غریب معاملہ ہے کہ مذکورہ وجہ کے علاوہ اِس کے اور بھی مختلف وجوہ ہیں، جن سے آپ کی ذاتِ مقدس کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

مقامِ مصطفیٰ: شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نمبر ۵، کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال: نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام اور دیگر انبیائے کرام کے مقامات میں کتنا فرق ہے؟

جواب: آپ کے اور دیگر انبیائے کرام کے درمیان صرف ایک مقام کا فرق ہے اور اُس مقام کا نام عینِ جمعیت ہے لیکن اُس مقام کی تفریق کریں تو آدم علیہ السلام کے سوا آپ کے اور باقی انبیائے کرام کے درمیان اٹھتر درجے اور مقام ہیں، جبکہ آدم علیہ السلام اور آپ کے مابین وہی فرق ہے جو ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے۔ دنیا میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے باطن ہیں اور آدم علیہ السلام آپ کے ظاہر ہیں اور دونوں سے ظاہر و باطن کا وجود قائم ہے، لیکن آخرت میں حضرت آدم علیہ السلام آپ کے باطن اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کا ظاہر ہوں گے اور دونوں سے آخرت میں بھی ظاہر و باطن کا وجود قائم رہے گا۔ یہ ہے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات میں فرق۔ اس فصل میں بہت زیادہ تفصیلات ہیں۔ اِس تفصیل کے فصول انبیائے کرام کی تعداد کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچتے ہیں کیونکہ اِس کے لیے ہر نبی کے منصب کا تعیّن ضروری ہے، جو فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُس نبی کے مقام کی معرفت کا محتاج ہے، جبکہ اعمال کے لحاظ سے سارے مقامات کی تعداد ستر سے کچھ زیادہ میں محصور ہے۔ کبھی تو کسی نبی کو اِن میں سے ایک مقام حاصل ہوتا، کسی کو

دو، کسی کو دس، نو یا آٹھ۔ بعض کو ان سے زیادہ اور بعض کو کم بھی حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان سارے درجات کا مجموعہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں ہے اسی لیے تو آپ کے سوا کسی بھی نبی کی بعثت عام نہیں ہے بلکہ آپ کے سوا جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت خاص ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ط [1]

ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت کر دیتا۔

لواء الحمد۔ شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نمبر ۶۷ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال: لواء الحمد کیا ہے؟

جواب: لواء الحمد تو حمد کی حمد ہے کیونکہ وہ محامد و محاسن کا کامل و مکمل اور اعلیٰ مرتبہ ہے، اسی لیے سارے انسان اس کے نیچے جمع ہوں گے کیونکہ یہ بادشاہ کے مرتبے اور وجود کی علامت ہے، اسی طرح حمد کی حمد کے پاس تمام محامد جمع ہوں گے کیونکہ صحیح حمد وہی ہے جس میں کسی احتمال اور شک و شبہ کا دخل نہ ہو اور یہ بلا ریب حمد ہے جو حمد پر بذاتہٖ دلالت کرتی ہے، پس فی نفسہٖ صفت ثنا یہی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی شخص کے بارے میں کہو کہ وہ سخی ہے یا خود ہی وہ اپنے سخی ہونے کی خبر دینے تو ممکن ہے کہ یہ خبر سچی ہو اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہو لیکن اُسی شخص سے اگر احسان و امتنان کے طور پر عطیہ ملے تو وہ عطیہ بذاتِ خود اُس عطا کنندہ کے جُود و کرم کی شہادت ہے اور اس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں ہو سکتا، پس حمد الحمد کا مفہوم یہی ہے اور اسی کی تعبیر لواء الحمد سے کی گئی ہے۔

اس کا نام لواء بایں وجہ ہے کہ یہ تمام محامد پر مشتمل ہے اور کوئی حمد اس سے باہر نہیں کیونکہ اس کے باعث ہر حمد کرنے والے سے حمد واقع ہو گی اور یہی حقیقی عاقبت ہے۔ اسے خوب سمجھ لینا چاہیے اور جب یہ محامد کے جمیع اقسام کی جامع ہے تو اس کا سایہ سارے حمد کرنیوالوں کو

---

[1] پ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۴۸

نصیب ہوگا۔ اسی لیے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السّلام اور اُن کے علاوہ سارے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ یہاں آپ نے فَمَنْ دُوْنَہٗ فرمایا ہے کیونکہ حمد بغیر اسماء کے ممکن نہیں اور آدم علیہ السّلام تمام اسماء کے جاننے والے ہیں، پس اُن سے کم رُتبے والا کوئی ایسا نہ رہا جو اُس جھنڈے کے نیچے نہ ہو، کیونکہ ضروری ہُوا کہ وُہ ان اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کے ساتھ حمد بیان کرے گا اور کیوں نہ ہو جبکہ :

ولما كانت الدولة في الآخرة	جب آخرت کی بادشاہی محمد رسول اللہ صلی اللہ
لمحمد صلى الله عليه وسلم	تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہوئی جو
المؤتى جوامع الكلم وهو	جوامع الکلم مرحمت فرماتے گئے ہیں، کیونکہ
الاصل فانه صلى الله عليه	آپ ہی ہر شے کی اصل ہیں اور اِس منصب سے
وسلم اعلم بمقامه فعلمه و	خبردار۔ آپ اِس منصبِ رفیع کو اُس وقت سے
آدم بين الماء والطين لم	جانتے ہیں جب آدم علیہ السلام پانی اور
يكن بعد وكان آدم لما علمه الله	مٹی میں تھے اور یہ انعام اِس تخلیق کے بعد
الاسماء في المقام الثاني	نہیں ہُوا۔ جب آدم علیہ السّلام کو دُوسرے
من مقام محمد صلى الله	مرحلے میں تمام اسماء کا علم عطا فرمایا گیا تو اوّلیّت
عليه وسلم فكان قد تقدم	بہر صورت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
لمحمد صلى الله عليه وسلم	کے لیے ہُوئی جو اُن سے بھی پہلے جوامع الکلم
علمه بجوامع الكلم والاسماً	مرحمت فرمائے گئے اور تمام اسماء بھی جوامع الکلم
كلها من الكلم ولم تكن في	کا ایک حصّہ ہیں۔ چونکہ وُہ ظاہر میں رسول اللہ
الظاهر لمحمد صلى الله عليه	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین نہ تھے اِس لیے
وسلم عيناً فتظهر بالاسماء	وُہ اسماء کے ساتھ ظاہر ہُوئے کیونکہ وہ ان کے
لانه صاحبها فظهر ذالك في	لائق تھے، پس یہ نوعِ بشر میں سب سے پہلے
أوّل موجود من البشر وهو	وجود کا لباس پہننے والے سے ظاہر ہُوئے،
آدم فكان هو صاحب اللوأ	جو آدم علیہ السلام ہیں۔ پس وہ نبی کریم صلی اللہ

في الملائكة بحكم النيابة عن
محمد صلى الله عليه وسلم
لانه تقدم عليه بوجوده الطيني
فمتى ظهر محمد صلى الله عليه
وسلم كان احق بولايته ولوائه
فياخذ اللواء من آدم يوم القيامة
بحكم الأصالة فيكون آدم
فمن دونه تحت لوائه صلى
الله عليه وسلم وقد كانت
الملائكة تحت ذالك اللواء
في زمان آدم فهم في
الآخرة تحته فتظهر
في هذه المرتبة
خلافة رسول الله صلى الله
عليه وسلم على
الجميع ۔ (ص ۱۲۵)

تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت میں ملائکہ کے درمیان
صاحبِ لواء قرار پاتے، کیونکہ خاکی وجود کے
لحاظ سے انھیں سارے انسانوں پر تقدیم
حاصل ہے۔ لیکن جب سیدنا محمد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق آرائے گیتی ہوئے
تو چونکہ آپ اس شہنشاہی اور لواء کے سب سے
زیادہ حقدار ہیں لہٰذا قیامت میں آپ اصل
حقدار کے طور پر آدم علیہ السلام سے اس
لواء کو حاصل کریں گے پس آدم علیہ السلام اور
اُن کے سوا سارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے اس جھنڈے تلے ہوں گے اور فرشتے بھی
آخرت میں اسی کے زیرِ سایہ ہوں گے جو آدم
علیہ السلام کے زمانے سے اس جھنڈے کے
نیچے چلے آرہے ہیں۔ پس اس منصبِ رفیع سے
سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت
جمیع موجودات پر ظاہر وواضح ہوگئی۔ ؎

؎ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے تو لکھا ہے: ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا — تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا — آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں — خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال — جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع — جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

وسیلہ کے ساتھ خصوصیت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب کے صفحہ ۲۸۰ پر فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ ابوالعباس بن عریف صنہاجی رحمۃ اللہ علیہ یوں دُعا کیا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! تُو نے ہمارے لیے نبوت و رسالت کا دروازہ تو بند کر دیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ اے اللہ! تیرے نزدیک جو ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے جب بھی تو کسی فرد کو اس پر فائز کرنے کا ارادہ فرمائے تو منصب مجھے مرحمت فرما دینا" شیخ موصوف چونکہ زمرۂ محققین سے تھے لہٰذا انھوں نے اُسی چیز کا سوال کیا جس کا حصول ممکن ہے کیونکہ نبوت و رسالت ایسی چیز ہے جس کا اگرچہ آج بھی انسان مستحق ہے کیونکہ اُس کی ذات میں اِس کی اہلیت موجود ہے، لیکن انھوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعاً اِس کا دروازہ بند کیا ہوا ہے اور شرائع کی نبوت دینے کا خاتمہ ہو چکا ہے، تو اُس چیز کا سوال ہی نہیں کیا بلکہ وہ چیز طلب کی، جس کے طلب کرنے کا اُنھیں حق حاصل تھا، کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ہمارے لیے ولایت کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔

مذکورہ قبیل ہی سے وسیلہ کا سوال کرنا ہے۔ اگرچہ وہ اِس کے مثل نہیں لیکن اِس کے قریب ضرور ہے اور ہم نے اِس قرینے کی وجہ سے نبوت کے ساتھ وسیلہ کو تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے، جو ایک فرد ہی کو ملے گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اُمید ہے وہ شخص میں ہوں۔ پس جس شخص نے میرے لیے وسیلے کی دُعا کی اُس کی شفاعت ضرور کی جائے گی۔ اِس کے باوجود اگر ہم میں سے کوئی شخص وسیلہ کا اپنے لیے سوال کرے تو اُس نے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے طلب کرنے کا اُسے حق حاصل نہیں ہے۔ اِس کی طلب وہی کر سکتا ہے جو اُس کے مطابق خاص صفات کا مالک ہو اور ہمارے بارے میں اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ [1] اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے وسیلہ طلب کرو اور یہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ حکم سے توسّل

---

[1] پ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳۵

مراد ہو اور یہ صفت خواہ وہبی ہو یا کسبی لیکن اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا گیا اور نہ اس کے طلب کرنے سے کسی کو روکا گیا ہے (بلکہ اس وسیلے کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور نہ ہی فرمایا گیا ہے کہ یہ وسیلہ تلاش کرنا صرف اسی کا حق ہے جو نوعِ بشر میں سب سے افضل ہو۔ حالانکہ ہم اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی افضل البشر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی افضلیت قطعی طور پر بیان فرمائی ہے لہٰذا اوّل الذکر سوال دوسروں کے لیے ممنوع ہوگا۔ رہا وسیلہ تلاش کرنیوالا معاملہ، تو یہ اللہ تعالیٰ نے کسی معین فرد کے لیے نہیں فرمایا اور نہ یہ کہا کہ یہ صفت صرف ایک فرد کو حاصل ہوگی بلکہ یہ صفت اگر ہزار افراد میں پائی جائے تو ہر ایک کے لیے وسیلہ ثابت ہوگا کیونکہ اس صفت کو تلاش کیا جاتا ہے۔ جب شارع سے اس کی ممانعت واقع نہیں ہوئی تو ہمارے لیے بھی اس کے تلاش کرنے کی گنجائش ہے۔

لیکن سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ادب و احترام ہمیں اس کا سوال کرنے سے باز رکھتا ہے کیونکہ آپ کے ذریعے ہی تو ہمیں راہِ ہدایت نصیب ہوئی ہے اور آپ ہی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پس آپ کے ادب واحترام، ایثار و مروت اور مکارمِ اخلاق کا بھی تقاضا ہے کہ اس کا اگر ہمیں حق بھی حاصل ہو، تب بھی اس ارشادِ گرامی کے پیشِ نظر ہم آپ کی خاطر اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا بلند ترین منصب ہے اُس کے پیشِ نظر مناسب یہی ہے کہ وہ آپ ہی کے شایانِ شان ہے اور اس نظریہ کے باعث ہمیں اُمید واثق ہے کہ جنت میں ہمارے لیے وہی کچھ ہوگا جو اس درجے کے مماثل ہے، جیسے دنیا میں کسی شرعی حکم کے تحت ہمارے نزدیک مثل کی قیمت ہوتی ہے۔

وسیلہ کی مثل ہمارے لیے اس طرح بھی ہے کہ لفظی طور پر ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ایمانی اخوت موجود ہے اگرچہ آپ ایسے سردار ہیں کہ آپ کا مدِ مقابل ہونا تو دور کی بات ہے کوئی آپ کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتا لیکن لفظی طور پر ایک ہی ایمان کے دھاگے ہیں تو موجود ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔[1] مسلمان مسلمان بھائی ہیں

اور شریعتِ مطہرہ سے یہ ثابت ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی بھائی کے لیے اُس کی عدم موجودگی میں دُعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی اِس کی مثل عطا فرماتے ۔ جاتے غور ہے کہ اگر بھائی کے بجائے ہم اپنے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے وسیلہ کی دعا کریں گے جبکہ آپ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں تو یقیناً فرشتہ کہے گا کہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ اِس کی مثل دے ۔ پس وسیلہ آپ کے لیے اور اُس کی مثل دُعا کرنیوالے کے لیے ۔ لہٰذا دُعا کرنے والا مجموعی درجات سے وہی پاتے گا جو صاحبِ وسیلہ کو وسیلہ سے حاصل ہوگا ، جس طرح مثل کی قیمت ہوتی ہے لیکن وسیلہ کی حقیقی مثل وہاں قطعاً نہیں ہے یعنی وہاں ایسا کوئی درجہ نہیں ہے جو دیگر درجات کو وسیلہ کی طرح اپنے اندر جمع کرے ۔ یہ صرف وسیلہ ہی میں خاصیت ہے کہ اُس نے مختلف بکھرے ہُوئے درجات کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے ، صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ ۔

موسیٰ علیہ السّلام کی خواہش

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب کے صفحہ ۶۴ اپر سوال نمبر ۴۵ اکا جواب دیتے ہُوئے فرمایا ہے :

سوال : موسیٰ علیہ السلام کی اِس سے مراد کیا تھی کہ اے اللہ ! مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت سے کر دے ۔

جواب : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ تمام انبیائے کرام کو نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو آپ کی اُمت کو ظاہر و باطن کے اعتبار سے نسبت ہے اور انبیائے کرام کو آپ کے اسمِ باطن سے نسبت ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی خواہش ہُوئی کہ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے شرع میں دونوں اسموں کو جمع فرما دے ۔ جب اُنھیں معلوم ہوا کہ وہ مطیع و متبع ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] پ ۲۶ ، سورۃ الحجرات ، آیت ۱۰

وسلم کی بارگاہ میں دوسرے رسولوں سے ممتاز ہونا چاہا کیونکہ قیامت کے روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کی کثرت کے باعث اور متبعین کی زیادتی کے سبب فخر محسوس کریں گے دیگر انبیائے کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کسی کے پیروکار نہیں ہیں جیساکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور اُن کی اُمت۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سردار سے زیادہ کسی کے فرمانبردار ہوں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام اپنی دُعا کے باعث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت میں شامل ہوئے تو اُن کا ظاہر و باطن اُمتِ محمدیہ کی طرح ہُوا، تو یقیناً وہ اور اُن کی اُمت بھی اُمتِ مرحومہ میں شمار ہُوئے اور اِس اُمت کی تعداد اِس طرح اور بڑھ جائے گی، اِسی لیے آپ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میں تمہارے سبب فخر کروں گا بلکہ یُوں فرمایا کہ اُمت اور متبعین کی کثرت کے باعث اُن اُمتوں پر فخر کروں گا جن کے انبیاء کو دونوں اسموں کا مجموعہ حاصل نہیں ہے، جن کے لیے موسیٰ علیہ السّلام نے دُعا کی تھی۔ پس جس نے اِن دونوں اِسموں کو جمع کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت میں ہمارے ساتھ اُٹھے گا اور موسیٰ علیہ السّلام اپنی اُمت کی خوش بختی کے باعث باقی اُمم پر فخر کریں گے کیونکہ اُمتِ موسوی ہمارے ساتھ اُٹھے گی اور موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ امیرِ لشکر کی طرح ہوں گے۔ بڑا امیر وہی ہوتا ہے جس کا لشکر بڑا ہو اور اُمتوں میں بڑے جلیش کی قدر و منزلت اور عظمت و حُرمت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہوں میں زیادہ ہوگی۔

اسی لیے سوال کرنے والے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جو محدث ترمذی (صاحبِ سنن) رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ہیں کہ اِس اُمت میں ایسے افراد بھی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہیں۔ جو شخص انبیائے کرام کے بعد باقی انسانوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل سمجھتا ہے اُسے بھی یہ معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں اور وہ بھی اُمتِ محمدیہ

میں شمار اور آپ کے تبعین سے ہیں۔

اس کا ذکر ہم نے اِس غرض سے کیا ہے کہ جھگڑنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یقیناً وہ آخری زمانے میں اِس اُمت کے اندر نزول فرمائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے پر حکم فرمائیں گے جیسے خلفائے راشدین جسے راہبروں نے کیا تھا۔ پس عیسٰی علیہ السلام صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اُنھیں اسلام میں دیکھ کر اَن گنت اہلِ کتاب شرفِ اسلام سے مشرف ہو جائیں گے۔ شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ بارہ انبیاء یہ خواہش کرتے رہے کہ اُنھیں اُمتِ محمدیہ میں شامل فرما لیا جاتے۔

اُمّ الکتاب

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب میں صفحہ ۷۷ اپر سوال نمبر ۱۵۴ کے تحت فرمایا ہے:

سوال: جو تمام رسولوں سے روک کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے لیے ذخیرہ کی گئی وہ اُمّ الکتاب کیا ہے؟

جواب: لفظ اُمّ سے مراد جمع کرنے والی ہے۔ اِسی قبیل سے اُمُّ القُریٰ اور اُمُّ الرّأس وغیرہ ہیں۔ چونکہ سر سارے بدن کا سردار ہے کہ حِسّی اور معنوی جملہ قوٰی کا مرکز یہی ہے، جو بھی انسان کو حاصل ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ تمام آسمانی کتابوں کی اصل ہے۔ یہی اَلقُرآنُ العَظِیم ہے یعنی عظیم مجموعہ جو ہر چیز کے بیان پر مشتمل ہے اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ پس آپ کی شریعت تمام شرائع کو اپنے اندر لیے ہوتے ہے۔ آپ اُس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السّلام ابھی پیدا بھی نہیں فرمائے گئے تھے۔ آپ کی شریعت سے تمام انبیائے کرام علیہم السّلام کی شریعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی لیے جملہ انبیائے کرام آپ کے جسمانی طور پر غائب رہنے تک زمین میں آپ کے نائب رہے، اگر آپ جسمانی لحاظ سے دنیا میں جلوہ افروز ہوتے تو کسی نبی کے پاس شریعت نہ ہوتی۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موسٰی علیہ السّلام اگر اب یہاں زندہ ہوتے تو میری تابعداری کے سوا اُن کے لیے چارہ نہ ہوتا اور اللہ ربّ العزّت نے یُوں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى — بے شک ہم نے تورات اتاری، اِس میں ہدایت

وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ اور نور ہے۔ اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے
الَّذِينَ اَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا[1] ہمارے فرمانبردار نبی۔

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے صاحبانِ علم انبیائے کرام ہیں اور ہم شریعت والے کا اُسی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ہی نبی کی شریعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تقریر کرنے والے آپ ہیں کیونکہ آپ کی شریعت اُن سب کی اصل ہے اور آپ ساری مخلوق کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے علاوہ یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے آخری انسان تک جتنے آدمی ہُوئے اُن میں شرائع مختلف ہیں لیکن وُہ تمام شرائع سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائبوں کی ہیں۔ اِس لحاظ سے سب کی سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی شریعت ہیں کیوں کہ سب کے رسول آپ ہیں اور کسی شک وشبہ کے بغیر تمام رسول آپ کے نائب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی جلوہ گری ہُوئی تو آپ کے سوا کسی کا حکم باقی نہ رہا اور ہر ایک حاکم کا آپ ہی مرجع قرار پاتے۔ لہٰذا یہ آپ کے منصب کا مقتضیٰ ہے کہ ظہور کے وقت سے آپ کی ذاتِ بابرکات کو ایسے امور سے مختص کر دیا جائے جو آپ کے نائبوں کو مرحمت نہ فرماتے گئے ہوں اور یہ ضروری ہے کہ وُہ امر جو متفرق طور پر آپ کے نائبوں کو ملا ہے، اُس پر اضافہ کر کے آپ کو مرحمت فرمایا گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّ الکتاب عطا فرمائی۔

یہ اُمّ الکتاب تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے علوم کی جامع ہے۔ چنانچہ آپ اِس لیے کہ ہمارے اندر تشریف فرما ہُوتے۔ اگر اِس سُورت کے اختصار کو دیکھا جائے تو صرف سات آیات ہیں لیکن معناً تمام آیات کو حاوی ہیں جیسے اللہ جلّ شانہٗ کی سات صفات باقی تمام صفات کی متضمن ہیں اور اُن میں سے ہر اسمِ الٰہی بلاشک وشبہ کسی ایک جانب رجوع کرتا ہے۔

استاد ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خفی وجلی میں یہی لکھا ہے کہ تمام

---

[1] پ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۴۴

اسمائے الٰہیہ کو ان سات صفات کی جانب راجع دکھایا ہے اور اسم شکورٌ اور شاکرٌ کے سوا کوئی بھی کلام کی صفت کے ساتھ نہیں پایا گیا، باقی اسماء کو صفات پر تقسیم کیا ہے اور وہ ان تمام کو متضمن ہیں۔ ان میں سے بعض کو علم کے ساتھ اور بعض کو قدرت کے ساتھ ملحق کیا ہے اور باقی کو دیگر صفات کے ساتھ۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُمّ الکتاب کے ساتھ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کو لاحق فرمایا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائبوں پر نازل ہوئے تھے اور اُنھیں آپ کے لیے اور آپ کی اُمت کے واسطے محفوظ رکھا ہے تاکہ اس لحاظ سے مقدم ہونے کے باعث آپ دیگر انبیائے کرام سے ممتاز رہیں، کیونکہ امامِ اکبر تو آپ ہیں اور آپ کی اُمّت جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئی ہے وہ بہترین اُمت ہے۔ چونکہ اس اُمت میں آپ کی صورت نے ظہور فرمایا لہٰذا وہ جملہ امم سے ممتاز ہوگئی، اسی طرح وہ زمانہ جس میں آپ رونق فرمائے دہر رہے وہ سارے زمانوں سے ممتاز ہوگیا، کیونکہ اس میں آپ کا ظہور ہوا اور اگلے پچھلے زمانوں میں آپ کی شریعت کا سکہ رواں رہا ہے۔

مغفرتِ مصطفیٰ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے مذکورہ باب، صفحہ ۱۸۲ پر سوال نمبر ۱۵۵ کا جواب مرحمت فرمایا ہے اور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری سوال ہے۔

سوال: مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مغفرت کا مطلب کیا ہے؛ اسی طرح دیگر انبیائے کرام کو بھی مغفرت کی بشارت سے نوازا گیا تھا۔

جواب: غَفر کا مطلب چھپانا ہے۔ پس انبیائے کرام سے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب ہونا چھپا کر رکھا گیا ہے اور قیامت میں اس کا ظہور ہوگا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: میں قیامت کے روز انسانوں کا سردار ہوں گا۔ اسی لیے قیامت میں آپ اُن کے لیے یہ سفارش کریں گے کہ اُنھیں شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، کیونکہ آپ کی شفاعت ہر مشفوع کے لیے اُس کے حسبِ حال ہوگی۔ دیگر انبیائے کرام کو اسی لیے خاص مغفرت کی بشارت دی گئی اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عام بشارت۔ حالانکہ:

وقد ثبت عصمته صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تحقیقی طور پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فليس له ذنب يغفر فلم يبق	کی عصمت ثابت ہے۔ لہٰذا آپ سے کوئی گناہ
اضافة الذنب الیه الا ان یکون ھو	سرزد ہی کب ہو سکا جسے معاف کیا جاتا۔ پس
المخاطب والقصد امته	یہ گناہ کی اضافت اِس لحاظ سے ہے کہ مخاطب
كما قيل "اياك اعنى فاسمعی	آپ ہیں اور مراد اُمت ہے، جیسے کہا جاتا ہے:
يا جارة" وكما قيل له فان	بی ہمسائی! میری بات سنو۔ یا جیسے قرآن کریم
كنت فی شك مما انزلنا اليك	میں فرمایا گیا ہے: فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ ... (الآیہ)
فاسئل الذين يقرؤن الكتاب	(اِس میں خطاب آپ سے کیا گیا ہے لیکن مراد
من قبلك۔ (ص ۱۲۵)	وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم میں شک کرتے ہیں)۔

اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم میں ہرگز ہرگز کسی قسم کا شک شُبہ نہیں تھا۔ اِس سے مراد آپ کے بعض اُمتی کہلانے والوں کے شکوک و شبہات ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ [1] — اے سُننے والے! اگر تُو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ آپ کا شرک سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ لہٰذا اِس سے وہی لوگ مراد ہیں جو آپ کے اُمتی کہلائیں گے اور شرک ساگر میں غوطے لگائیں گے[2]۔ پس جاننا چاہیے کہ وُہ وعدۂ مغفرت تو آپ کی تعریف و توصیف میں وارد ہُوا ہے، یعنی فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] پ ۲۴، سورۃ الزمر، آیت ۶۵

[2] ایسے مشرکوں کی فی زمانہ بڑی چہل پہل ہے۔ یہ حضرات خارجیت کے مرض میں گرفتار اور توہّب کے جراثیم کا شکار ہو کر اِس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سچے موحّد بس وہی ہیں۔ اسی لیے خالص اسلامی عقائد و اعمال کے باعث بھی مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، اگرچہ خود ظاہر مشرکوں، ٹھیٹ بُت پرستوں کے قدموں میں سجدہ ریز رہتے ہیں۔ شاید اُن کی توحید کے دودھ کی ملائی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

سے فرمایا گیا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وهو معصوم من الذنوب فهو المخاطب بالمغفرة والمقصود وما تقدم ممن تقدم من آدم الى زمانه وما تاخر ممن تاخر من الامة من زمانه الى يوم القيامة فان الكل امته صلى الله عليه وسلم۔ (ص ۱۲۸)	تاکہ اللہ تمہارے سبب معاف کرے گناہ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو گناہوں سے معصوم تھے۔ پس مغفرت کے ساتھ مخاطب اگرچہ آپ ہیں لیکن مراد وہ پہلے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے آپ کے زمانۂ مبارک تک ہوئے اور پچھلوں سے وہ مقصود ہیں جو آپ کے زمانۂ اقدس سے قیامت تک اُمتی ہوں گے کیونکہ سارے انسان (خواہ وُہ اگلے ہوں یا پچھلے) سب نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں۔

کیونکہ کوئی اُمت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی شریعت کے تحت نہ ہو اور یہ امر ہم پہلے مبرہن کر چکے ہیں کہ ہر ایک شریعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے اسم باطن سے ہے کیونکہ آپ تو اُس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السّلام پانی اور مٹی میں تھے۔ آپ سارے انبیائے کرام اور مرسلینِ عظام کے سردار ہیں کیونکہ آپ سَيِّدُ النَّاس ہیں، ور انبیاء و مرسلین کا شمار بھی بنی نوعِ انسان میں ہے۔ یہ بیان پیچھے مفصل گزر چکا ہے۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہیے کہ:

فبشر الله محمدًا صلى الله عَلَيْهِ وسلم لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ بعموم رسالته الى الناس كافة۔ (ص ۱۲۸، ۱۲۹)	اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشارت دی "تاکہ اللہ تمہارے سبب معاف کرے گناہ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔ کیونکہ آپ کی رسالت تمام انسانوں کی طرف عام ہے۔

اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اِس امر کی بخوبی نشان دہی کرتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ [1]

اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے۔

اُمت ہونے کے لیے لوگوں کا آپ کی رویت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ جس طرح اپنے جسم اطہر کے ساتھ موجود ہونے کے زمانے میں حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجا تھا، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے گزشتہ انبیائے کرام کو اُن کی اُمتوں کی جانب بھیجا جاتا رہا، جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔ پس،

فالناس امتہ صلی اللہ علیہ وسلم من آدم الی یوم القیامۃ فبشرہ اللہ بالمغفرۃ لما تقدم من ذنوب الناس وما تأخر منہم فکان ھو المخاطب والمقصود الناس فیغفر اللہ للکل ویسعدھم وھو اللائق بعموم رحمتہ التی وسعت کل شئی ولعموم مرتبۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیث بعث الی الناس کافۃ بالنص ولم یقل ارسلناك الی ھٰذہ الامۃ خاصۃ ولا الی اھل ھذا الزمن الی

پس سارے انسان آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آپ کی اُمت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اگلے لوگوں اور پچھلوں کے گناہوں کو معاف کرنے کی آپ کو خوشخبری سنائی ہے اس میں مخاطب اگرچہ آپ ہیں لیکن مقصود دوسرے آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو بخش دے گا اور سب کو سعادت مندی سے سرفراز کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کے آپ ہی لائق ہیں، جس نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے اور یہ آپ کے عام مرتبے کے باعث ہے کیونکہ آپ تمام انسانوں کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ خاص اسی اُمت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں اور نہ یہ کہ صرف اپنے زمانے سے

---

[1] پ ٢٢، سورۂ سبا، آیت ٢٨

یوم القیامۃ خاصۃ وانما اخبرہ	قیامت تک کے لیے ہیں بلکہ یہی خبردی ہے کہ
انہٗ مرسل الی النا س	آپ کو سارے انسانوں کی طرف رسول بنا کر
کافۃ والناس من آدم الی	بھیجا گیا ہے اور نوعِ انسانی کا سلسلہ آدم
یوم القیامۃ فہم المقصودونؐ	علیہ السلام سے تا قیامت ہے۔ پس اگلے
بخطاب مغفرۃ اللّٰہ لما تقدم	پچھلے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے خطاب
من ذنبہ وما تأخر و اللّٰہ	میں سارے انسان مقصود ہیں اور اللہ تعالیٰ
ذوالفضل العظیم ○ (ص۱۷۹)	بڑے فضل والا ہے۔

اِس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ ہر قوم کی مغفرت اُس کے حال کی مناسبت سے ہوگی اور اِس بارے میں اُن کا کلام ایسا عمیق ہے جس کے ظاہر پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اُن سے حضرت ابن عربی علیہ الرحمہ کی مراد کیا ہے؟

انتخاب شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات مکیہ کے باب ۹۰، صفحہ ۲۲۳ پر فرمایا ہے کہ امورِ بذاتِ خود انتخاب کو چاہتے ہیں جیسا کہ تمام موجودات میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری ہے، جیسا کہ ہر جنس سے کسی نہ کسی امر کا چناؤ فرمایا ہُوا ہے، مثلاً اسماء الحسنیٰ سے لفظ اللہ کو، تمام انسانوں سے مرسلین کو، اپنے بندوں سے فرشتوں کو، آسمانوں سے عرش کو، عناصرِ اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) سے پانی کو، مہینوں سے رمضان المبارک کو، عبادات سے روزوں کو، زمانوں سے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانے کو، دِنوں سے جمعۃ المبارک کو، راتوں سے لیلۃ القدر کو، اعمال سے فرائض کو، اعداد سے ننانوے (۹۹) کو، رہائشی مکانات سے جنت کو، جنت میں سعادتمندی کے احوال سے رویتِ الٰہی کو، حالات سے رضائے الٰہی کو، اذکار سے لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کے ذکر کو، کلامِ الٰہی سے قرآنِ کریم کو، قرآنِ مجید کی سورتوں سے سورۂ یٰسٓ کو، آیاتِ قرآنیہ سے آیۃ الکرسی کو، چھوٹی سورتوں سے سورۂ اخلاص کو، عام دُعاؤں سے روزِ عرفہ کی دُعا کو، سواریوں سے براق کو، فرشتوں سے رُوح الامین کو، رنگوں سے سفیدی کو،

واقع ہونے والے امور سے اجتماع کو، اعضائے انسانی سے دل کو، پتھروں سے حجرِ اسود کو، گھروں سے بیت المعمور کو، درختوں سے سدرۃ المنتہیٰ کو، عورتوں سے مریم اور آسیہ کو، اور مردوں سے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو چن لیا ہے۔

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ نے اور بھی انتخاب پیش کیے ہیں لیکن یہاں سب کے ذکر کی حاجت نہیں۔ اور اس بیان کو میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ مردوں سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چنا ہے اور یہ بات شیخ کے لفظوں میں اسی طرح ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عباد سے فرشتوں کو منتخب کر لیا ہے لیکن وہ امر جسے جمہور صوفیائے کرام اور علمائے متکلمین وغیرہ نے راجح قرار دیا، یہ ہے کہ بشری رسول ہی ملکی رسولوں سے افضل ہیں۔ پس یہی حضرات ہونگے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے چن لیا ہے اور ان سب کے سردار یعنی سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری مخلوق سے چنا ہے، جیسا کہ اس بات کی تائید و تصدیق میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ بات صوفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے جس میں ذرہ برابر اختلاف نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو اللہ کے دین میں وہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہی ہے کہ:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم	بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری
سیّد الخلق وافضل العالمین	مخلوق کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ
علی الاطلاق لیس فوقہ	ہر ایک سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ
الا اللہ والحمد للہ الذی	آپ سے اونچا مرتبہ اور کسی کا نہیں ہے۔
ھدانا لھذا وما کنا	سب تعریفیں اسی خدا کے لیے ہیں جس نے
لنھتدی لولا ان ھدانا	ہمیں سچے دین کا راستہ دکھایا، اگر اللہ راستہ
اللہ۔ (ص ۱۳)	نہ دکھاتا تو ہم راہ نہ پاتے۔

شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ انتخابات سے بعض کی تشریح پیش کی ہے اور ان کی تشریحات پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری مخلوق سے بایں وجہ اختیار کیا گیا کہ آپ کے مزاج نے ایسے کمال

اور اعتدال کو چاہا جو دُوسرے انسانی مزاجوں نے اُس طرح نہیں چاہا تھا اور اِسی وجہ سے آپ نے اُس وقت نبوّت کا مشاہدہ فرمایا تھا جبکہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم بھی تیار نہیں ہوا تھا اور اُن کے جسمانی اجزاء ابھی عناصرِ اربعہ میں منتشر تھے[1]۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا۔

فکان له صلی الله علیه وسلم اعظم مجلی الٰهی علم به علم الاولین والاٰخرین و من الاولین علم اٰدم الاسماء و اوتی محمد صلی الله علیه وسلم جوامع الکلم و کلمات الله لا تنفد و له السیادة علی جمع الخلق یوم القیامة فیشفع فی الشافعین ان یشفعوا من ملك و رسول و نبی و ولی و مومن فله المقام المحمود فی الیوم المشهود۔ صلی الله علیه وسلم۔ (ص ۱۳۰)	اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتہائی کشف مرحمت فرمایا ہُوا تھا' جس کے باعث آپ اوّلین و آخرین کے علم سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ اوّلین کے علم سے آدم علیہ السلام کا علم الاسماء بھی ہے ،حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے تھے جبکہ کلماتِ الٰہی ختم ہونے والے نہیں۔ اور قیامت کے روز آپ ساری مخلوق کے سردار ہوں گے[2]۔ اِسی لیے فرشتوں' رسولوں ، انبیاء ، اولیاء اور مسلمانوں کو شفاعت کرنے کی اجازت لے کر دیں گے۔ پس اُس حاضری کے دن (قیامت کے روز) مقامِ محمود صرف نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے لیے ہوگا۔

اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرونِ ثلاثہ کو

---

[1] بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہُوا ۔ نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی (اعلحضرت)

[2] فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

تِرا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں ، تِرا محرمِ راز ہے رُوحِ امیں
تُو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ، تِری مثل نہیں ہے خدا کی قسم

بالترتیب اختیار فرمانا اس لیے ہے کہ اُن میں سے پہلا زمانہ غائب اور موجود ہونے کے لحاظ سے آپ کے کمالات کے ظہور کا ہے۔ اِس زمانے میں آپ نے بذاتِ خود شریعت کو قائم فرمایا اور آپ کی نیابت میں دیگر انبیائے کرام نے جو شریعتیں جاری کی تھیں اُنھیں منسوخ کر دیا اور جو ثابت رکھنا چاہا اُسے ثابت رکھا اور ایمان کے باب سے جو منسوخ یا غیر منسوخ تھا اُسے اُسی کے حال پر برقرار رکھا۔ یہ پہلا قرن ہے۔

اِس کے بعد دو قرن ہیں اور دونوں ہی مسلمانوں کی فتوحات اور اسلام کے پھیلنے کے ہیں۔ اِن تینوں زمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ہر مہینے میں ایامِ بیض (تیرھویں، چودھویں، پندرھویں راتیں) روشن ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ جہاد کریں گے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے رسولِ خدا کو دیکھا ہو؛ جواب دیں گے، ہاں۔ پس اُنھیں فتح حاصل ہوگی اور یہ پہلا قرن ہے۔ اِس کے بعد دوسری جماعتیں جہاد کریں گی اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسولِ خدا کے دیکھنے والے شخص کو دیکھا ہو؛ جواب ملے گا، ہاں۔ اُنھیں بھی فتح حاصل ہوگی۔ یہ دُوسرا قرن ہے۔ اِن کے بعد اور جماعتیں جہاد کریں گی اور ان سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اُس شخص کو دیکھا ہو جس نے رسولِ خدا کے دیکھنے والے شخص کو دیکھا ہے؛ جواب ملے گا، ہاں۔ پس اُنھیں بھی فتح حاصل ہوگی۔ یہ تیسرا قرن (زمانہ) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِس سے آگے تذکرہ نہیں فرمایا۔

شہکارِ دستِ قدرت

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کا ایک سو اڑتالیسواں باب فراست کے اسرار کی معرفت کے لیے وضع فرمایا ہے چنانچہ صفحہ ۲۳۱ پر لکھتے ہیں کہ حکماء کے نزدیک فراست کے نام سے جو چیز مشہور ہے میں اُس کے اصل قاعدے اور تجربے کے بارے میں بعض باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اِس کے بعد ایسی صفات کا اعتبار کرنا اُسی لحاظ سے ہوگا، جو اِس کتاب میں ہمارے طریقے کا مقتضی ہے اور یہ مختصر اور کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے

جس کی پیدائش معتدل ہو یعنی اُس کی تمام حرکات اور تصرفات میں استقامت اور درستی ہو تو اُس کے باپ کو ایسی صفات مرحمت فرماتا ہے جن میں اِس آدمی کے مزاج کی صلاحیت ہو اور اِسی طرح اُسی کی والدہ کے مزاج کو استوار فرماتا ہے پھر اِس کے لیے مرد اور عورت کی منی کو ایسی صلاحیت دیتا ہے پھر رحمِ مادر کو اُس کے مطابق صلاحیت دیتا ہے اور اُس میں اعتدال کی اخلاط کو درست کرتا ہے جو نطفے کو ٹھہرانے کی صلاحیت رکھے اور حرکاتِ فلکیہ کے ساتھ بخت کی یاوری کے وقت میں اللہ تعالیٰ رحم میں پانی گرانے کا وقت مقرر کر دیتا ہے جو دنیا میں اُس وقت اُس کی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ پس ایسے طالعِ سعید میں مرد اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے اور دونوں کا مزاج بھی معتدل ہوتا ہے تو پانی معتدل رحم میں گرتا ہے اور رحم اسے قبول کرتا ہے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ اُس شخص کی والدہ کو ہر اُس کھانے کی طرف راغب کر دیتا ہے جس میں اُس کے مزاج کو تقویت پہنچائے اور جو رحم میں نطفے کی غذا فراہم کر سکے۔ پس اُس معتدل مقام میں نطفہ ایک صورت کو قبول کرتا ہے اور حرکاتِ فلکیہ کے سبب درست ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ اُس کی پیدائش ہو جاتی ہے اور وہ نہایت معتدل صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ معتدل نومولود نہ زیادہ لمبا ہوتا ہے نہ پست۔ نرم اور تر و تازہ گوشت والا ہوتا ہے، نہ زیادہ سخت نہ بالکل نرم و نازک۔ ایسا سفید ہوتا ہے جس میں سُرخی اور زردی کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اُس کے بال درمیانے ہوتے ہیں، جو نہ بالکل سیدھے اور نہ ایک دُوسرے سے اُلجھے ہُوتے۔ اُن بالوں میں سیاہی کے ساتھ ہلکی سی سُرخی کی جھلک ہوتی ہے۔ چہرہ صاف، بڑی آنکھیں، جو گہرائی اور سیاہی کی طرف مائل ہوں، سر درمیانہ، کندھے کھلے، گردن سیدھی، سینہ درمیانہ، سرین برابر، پشت پر بہت زیادہ گوشت نہ ہو۔ ہلکی اور صاف آواز، جو نہ کرخت ہو نہ بالکل نرم، لمبی انگلیاں، ہلکی ہتھیلی، کم گو بلکہ خاموش طبع جو صرف ضرورت کے وقت کلام کرے، اُس کی طبیعت کا میلان صفرا اور سودا کی طرف ہو۔ اُس کی نظر میں فرحت و سرور ہو۔ مال کی طمع بہت کم ہو۔ دُوسروں پر دھونس جمانے کی عادت نہ ہو اور نہ حکمران بننا چاہیے۔ جلد باز یا سُست نہ ہو۔ پس ایسا شخص ہر دانشمند کے نزدیک نہایت مناسب پیدائش والا اور انتہائی خوب صورت ہوتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا ہی پیدا فرمایا گیا تھا

تاکہ آپ خلقت میں بھی کامل ہوں جیسے کہ آپ مرتبے میں سب سے صاحبِ کمال ہیں۔ پس،

فکان صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکمل الناس من جمیع الوجوہ ظاہراً وّباطناً۔ (ص۱۳۱) — پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے سارے انسانوں سے باکمال ہیں۔

مرکزِ دائرہ تخلیق — شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کی جلد سوم، باب ۳۱۳، صفحہ ۳۴۶ پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرماتے تمہیں اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ:

ان اصل ارواحنا روح محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فھو اوّل الاٰباء روحا وآدم اوّل الاٰباء جسمًا و نوح اول الاٰباء رسولاً فانہ اوّل رسول ارسل ومن کانوا قبلہ انما کانوا انبیاء کل واحد علی شریعۃ من ربہ۔ (ص۱۳۱) — سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری روحوں کی اصل ہیں۔ پس آپ روحانی لحاظ سے اوّلین باپ ہیں۔ جیسے کہ جسمانی لحاظ سے آدم علیہ السلام اوّلین باپ ہیں اور رسالت کے لحاظ سے نوح علیہ السلام اوّلین باپ ہیں جنہیں سب سے پہلے رسول بنا کر بھیجا گیا، اُن سے پہلے نبی تھے، ہر ایک اپنے رب کی طرف سے شریعت پر تھا۔

مقامِ مصطفیٰ — شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد سوم، باب ۳۲۷، صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بروزِ قیامت سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔ شیخ نے یہ پوری حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ بریں فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام یہاں زندہ موجود ہوتے تو میرے

لہ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کہا ہے؎

ہوتے کہاں خلیل و بِنا، کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اتباع کے سوا اُنھیں کوئی چارہ نہ ہوتا۔ یہ اِس وجہ سے ہے کہ آپ کی رسالت عام اور شریعت سب کے لیے ہے اور آپ کو ایسے امور کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے جو دُوسرے کسی نبی کو مرحمت نہیں ہُوتے اور جس نبی کو کسی امر میں محبوبیت حاصل ہُوئی، چونکہ وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ہے لہٰذا وہ بھی آپ کی خصوصیت ہے، کیونکہ آپ کو اللہ جل شانہٗ نے جوامع الکلم مرحمت فرمائے ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ مَیں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ باقی انبیائے کرام آپ کے زمانِ نبوّت اور دورِ رسالت کے اندر ہی نبی رہے ہیں۔

ہمارا مقصد اِس باب میں آپ کا منصب اور قدر و منزلت بیان کرنا ہے لہٰذا قیامت کے روز جب آپ کا دیدارِ عام ہوگا اور حق و صداقت کے اُس سب سے بڑے میدان میں حبیبِ پروردگار کے ابرِ گہربار سے ہر خاص و عام فیضیاب ہو رہا ہوگا، اُس وقت نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب مہرِ نیمروز کی طرح سب پر ظاہر ہو جائے گا وہاں مشاہدے کی رُو سے آپ کی سیادت کا سب کو عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔

جہاں تک آپ کی قدر و منزلت کا تعلق ہے تو حقیقت میں بلحاظ مرتبے کے آپ کی حقیقی تعظیم و توقیر سے اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے لیے مقامِ محمود ہے، جو فرشتوں اور دُوسرے شفاعت کرنے والوں کے لیے بابِ شفاعت کو کھولنے کی جگہ ہے۔ سب سے پہلے صرف آپ ہی شفاعت کر سکیں گے۔ وسیلہ صرف آپ کے لیے ہے، جس سے اعلیٰ جنّت میں کوئی درجہ نہیں ہے جو اپنی اُمت کی دعاؤں سے آپ کو حاصل ہوگا۔ یہ اُس نیک بختی کی جزا ہے جو اُمتِ محمدیہ نے حاصل کی، کیونکہ آپ نے اُمّت کے لیے طریقہ واضح فرمایا اور اُس نے آپ کی تابعداری کرتے ہُوتے تشکر یہ کے طور پر آپ کے لیے وسیلہ کی دُعا کی۔ اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی باب میں فرمایا ہے:

واعلم ان اللہ تعالیٰ لما جعل	جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ
منزل محمد صلی اللہ علیہ	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیادت کے منصب

وسلم السیادۃ فکان سید آدم من سواہ سوقۃ علمنا انہ لا یقاوم فان السوقۃ لا تقاوم ملکہا فلہ منزل خاص و للسوقۃ منزل ولما اعطی صلی اللہ علیہ وسلم ھٰذہ المنزلۃ آدم بین الماء والطین علمنا انہ الممد لکل انسان کامل مبعوث بناموس الٰہی او حکمی و اول ما ظہر من ذالک فی آدم حیث جعلہ اللہ خلیفۃ عن محمد صلی اللہ علیہ وسلم فامدہ بالاسماء کلہا من مقام جوامع الکلم التی ھی لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فظہر بعلم الاسماء کلہا علی من اعترض علی اللہ تعالیٰ فی وجودہ ورجع نفسہ علیہ ثم توالت الخلائف فی الارض الیٰ ان وصل زمان وجود صورۃ جسمہ لاظہار حکم منزلتہ باجتماع

پر فائز فرمایا، تو آپ کونین کے تاجدار ہوئے اور باقی تمام مخلوق ماتحت ہوئی۔ اِس سے ہم نے جانا کہ آپ کا مدِ مقابل کوئی نہیں کیونکہ ماتحتوں کی اپنے بادشاہوں سے کوئی برابری نہیں۔ آپ کے ماتحتوں کا بھی مقام ہے لیکن آپ کا مقام سب سے نرالا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس منصب خاص پر فائز فرمایا گیا اُس وقت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ اِس سے ہم نے جانا کہ آپ کامل انسانوں کے بھی مددگار ہیں کیونکہ آپ ناموسِ الٰہی اور اس کے حکم کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور آپ کی اِس خصوصیت کا اظہار سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے متعلق ہوا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا تھا تو آپ نے مقام جوامع الکلم سے آدم علیہ السلام کی تمام اسماء کے ساتھ مدد فرمائی اور یہ آپ ہی کا منصب ہے جس سے تمام اشیاء کا علم ہر اُسی ہستی پر ظاہر ہوا جس کا وجود بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوا اور جس کی روح اُس کی جانب کوٹی۔ پھر یہ خلافت متواتر زمین میں چلتی رہی یہاں تک کہ جسمانی صورت کے ساتھ آپ کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آ پہنچا، تاکہ دونوں سیادتوں کے

نشأته فلما برز صلى الله
عليه وسلم كان كالشمس
اندرج في نوره كل نور فاقر
من شرائعه التي وجد بها
نوابه ما اقر ونسخ منها ما انسخ وظهرت
عنايته بامته لحضوره
وظهوره فيها وان كان
العالم الانساني والناري
كله امته ولكن هؤلاء
خصوص وصف فجعلها خير
امة اخرجت للناس هذا
الفضل اعطاء ظهوره بنشأتيه
فكان من فضل هذه الامة
على الامم ان انزلها منزلة
خلفائه في العالم قبل ظهوره
اذ كان اعطاهم
التشريع فاعطى هذه
الامة الاجتهاد في نصب
الاحكام وامرهم ان
يحكموا بما اداهم اليه
اجتهادهم فاعطاهم التشريع
فلحقوا بمقامات الانبياء
عليهم السلام في

سامنے آنے سے آپ کی قدر و منزلت ظاہر ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
رونق آرائے گیتی ہوتے تو سورج بن کر جس کی
روشنی میں باقی اجرامِ فلکی کی روشنی گم ہو جاتی ہے
پس وہ شرائع جن کو آپ کے نائب لے کر
آئے تھے، اُن میں سے کچھ برقرار رکھا اور باقی
منسوخ فرما دیا۔ اِس جلوہ گری سے اُمت پر
آپ کی عنایت بھی ظاہر ہوئی، خواہ وہ انسان
ہوں یا جن سارے آپ کے اُمتی ہیں۔
لیکن اپنی جلوہ گری کی خصوصیت سے مشرف
فرماتے ہوئے اُسے بہتر امت بنا دیا جو
لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی۔ یہ فضیلت آپکی
دونوں سیادتوں کے ظہور کا صدقہ ہے۔ پس
اُمتِ محمدیہ کو ساری اُمتوں پر فضیلت ہوئی
کہ اِسے اُس مقام پر رکھا گیا جس پر
آپ کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے
آپ کے خلفاء فائز تھے، کیونکہ اُنھیں تشریع
کی اجازت تھی اور اِس اُمت کو قیامِ احکام
کے لیے اجتہاد کا مرتبہ عطا فرمایا گیا اور اِنھیں
حکم دیا گیا کہ جہاں تک اِن کا اجتہاد پہنچے اُس کے
مطابق حکم کریں۔ پس اِنھیں بھی تشریع کا منصب
دیا گیا اور اِس طرح ایک لحاظ سے اِنھیں
مقاماتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے

ذلك وجعلهم ورثة لهم لتقدمهم
عليهم فان المتأخر يرث
المتقدم بالضرورة فيدعون
الى الله على بصيرة كما دعا
الرسل فاخبر لبعضهم فيما
يدعون اليه منهم المخطئ
حكم غيره من المجتهدين
وما مخطئ عن الحق فان
الذي جآء به حق فان اخطأ
حكماً قد تقدم الحكم به
لمحمد صلى الله عليه
وسلم وما وصل اليه
فذالك الذي جعل له
اجرًا واحدًا وهو اجر الاجتهاد
وان اصاب الحكم المتقدم
باجتهاد فله اجران اجر الاجتهاد
واجر الاصابة۔

(صفحہ ۱۳۲)

ملا دیا اور اِنھیں اُن حضرات کا وارث بنا دیا
کیونکہ وہ بلحاظ زمانہ مقدم تھے اور پچھلے اگلوں
کے ضرور وارث ہوا کرتے ہیں۔ پس آئمہ مجتہدین
بھی علیٰ وجہ البصیرت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف
بلاتے رہے جس طرح مرسلینِ عظام بلاتے
تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے خبر دی ہے کہ اِس بُلانے میں وُہ غلطی سے
پاک ہیں۔ ایک مجتہد دُوسرے کے حکم کی تغلیط
کرتا ہے لیکن دُوسرا بھی عند اللہ مخطی (خطاکار)
نہیں ہوتا، جو حکم اُس نے پیش کیا ہے وہ
حقانیت پر مبنی ہے کیونکہ اگرچہ اُس سے
حکم میں غلطی رہ گئی لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان اجتہاد کر رہا ہے۔
پس جہاں تک وُہ پہنچا ہے، اُسے اجتہاد
کرنے کے باعث پورا اجر ملے گا۔ اگر صحیح
حکم تک پہنچ جاتے تو دُگنا ثواب ہے۔ اُس
حکم کے برابر ثواب اجتہاد کرنے کا اور اِتنا
ہی اجر و ثواب درجۂ صحت تک پہنچنے کا ملے گا۔

اگرچہ مجتہدین میں سے صحیح حکم تک پہنچنے والا اپنے یا دوسروں کے نزدیک
غیر معروف ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ غیر معروف نہیں ہوتا اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس عالمِ آب و گِل میں جلوہ افروز ہونے کے بعد پہلے انبیائے کرام جو آپ کے
خلفاء ہیں، کوئی اِس اُمت کے دور میں آئے تو اُسی شریعت پر عمل کرے گا اور اُسی کے مطابق حکم
کرے گا جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور وہ مجتہدینِ امت محمدیہ

اجتہاد کو نظر انداز نہیں کرے گا اور اپنی پہلی خلافت (منصبِ نبوّت) پر قائم رہتے ہوئے آپ کی اُمت کے زمرے میں بھی شمار ہوگا۔ قیامت میں بھی ایسے حضرات کے لیے دو حکم ہوں گے جن کے ساتھ وُہ دنیا میں ظاہر ہُوئے تھے۔

قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام کا اللہ رب العزت کے دائیں جانب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ عرشِ معلّٰی پر جلوہ بار ہوگا تو آپ دائیں جانب کھڑے ہوں گے بلکہ اللہ جل شانہٗ سے بلحاظ منصب اتنے قریب تر ہوں گے کہ احکام و اوامرِ الٰہیہ جو اُس عالم میں جاری ہوں گے اُن کے نافذ ہونے میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مواضع و موارد کا فائدہ دیتے ہیں۔ پس ساری مخلوق آپ ہی کے باعث فیضیاب ہوگی اور یہ حقیقت ہے کہ:

وهو صلى الله عليه وسلم	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا چہرہ ہیں
وجه كله يرى من جميع جهاته	اور ہر سمت سے آپ دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
وله من كل جانب اعلام عن	ہر جانب سے آپ کو خبردار کرتا رہتا ہے۔
الله تعالىٰ يفهم عنه يرونه	قیامت میں لوگ آپ کے منصب کو سمجھیں گے،
لسانًا و يسمعونه صوتًا و	آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے منتظر رہیں گے
حرفًا۔ (ص ۱۳۲/۱۳۳)	اور آپ کے ہر لفظ پر کان دھریں گے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رہائش گاہ جنت کا وہ مقام ہوگا جسے وسیلہ کہتے ہیں اور تمام جنتیں گویا اُسی کا حصّہ ہیں۔ وہ جنتِ عدن میں ہے۔ ہر جنت میں اِس کا ایک شعبہ ہوگا جس سے اُس جنت والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہور فرمائیں گے اور وُہ جنت میں انتہائی اعلیٰ مقام ہے۔ جنت کے باقی سارے منازل معنوی نہیں بلکہ حسّی ہوں گے۔ اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

واما منزلته صلى الله تعالىٰ	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علوم میں یہ
عليه وسلم في العلوم فاحاطته	مقام ہے کہ آپ کے دائرۂ معلومات نے
بعلم كل عالم بالله من	اللہ تعالیٰ کے ہر جاننے والے کی معلومات کا

Arabic	اردو
العلماء به تعالیٰ متقدمیهم	احاطہ کیا ہوا ہے، خواہ وہ آپ سے پہلے ہوں
ومتأخریهم وکل منزل	یا پچھلے۔ آپ کی اور آپ کے غلاموں کی ہر
له ولا تباعه مطیب بالطیب	منزل ایسی شاندار خوشبو سے عطر بیز ہے
الانمی الذی لم یدخل فیه	جس میں نہ کسی کے تصرف کو دخل ہے اور
ولا استحلت ایدی الاکوان	نہ کوئی عمل کرنے والا اُن میں ہاتھ ڈال سکتا ہے
فیه واعلم انه من کماله	اور جاننا چاہیے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
صلی اللہ علیه وسلم خص	وسلم کے کمالاتِ عالیہ چھ خصوصیات پر
بستٍ لم تکن لنبی قبله فاخبر	مشتمل ہیں، جو آپ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت
صلی اللہ علیه وسلم انه	نہیں فرمائی گئیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی
اعطی مفاتیح الخزائن	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کو
الارض وهی خزائن اجناس	زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں،
العالم لیخرج الیهم بقدر	اس سے اجناسِ عالم مراد ہیں، تاکہ دنیا والوں
ما یطلبونه بذواتهم۔	کی ذاتی طلب کے مطابق آپ نکال کر عطا
(ص۱۳۳)	فرماتے رہیں۔ [1]

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کمالِ وصف کی بدولت ان اجناس کے مستحق ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہِ مصر سے تمام خزانوں کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ حفاظت کرنا جانتے تھے، تاکہ تمام لوگ آپ کے محتاج ہوں اور اُن پر آپ کی سیادت ظاہر ہو جائے۔ اسی لیے ایسی خوبی بیان کی جو اُن کے اندر موجود تھی اور اُس کے مطابق مقام کے مستحق تھے، اسی لیے فرمایا تھا:

---

[1] اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: ؎

آسماں خواں، زمیں خواں، زمانہ مہماں
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے؟ تیرا تیرا

اِنِّی حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○ ؎۱ — بے شک میں حفاظت والا، علم والا ہوں۔

یعنی حفاظت کرنے والا اِس لحاظ سے ہُوں کہ اِس سے صرف ضرورت کے مطابق ہی نکلے گا۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا	اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے
خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ	نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اُتارتے مگر ایک معلوم
مَّعْلُوْمٍ ○ ؎۲	اندازے سے۔

جس فرد میں یہ صفت پائی جائے وہی خزانوں کی کُنجیوں کا مالک ہوسکتا ہے۔ اسی لیے یُوسف علیہ السلام نے مطالبے کے بعد یہ وضاحت فرما دی کہ وہ خزانوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں اور محتاجوں کی حاجتوں سے بھی خبردار ہیں کیونکہ ان خزائن سے لوگوں کی ضروریات وابستہ ہیں؛

فلمّا اعطی صلی اللہ علیہ وسلم	جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین
مفاتیح خزائن الارض علمنا	کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں تو
انہ حفیظ علیم فکل ما ظھر	ہم نے جان لیا کہ آپ اُن کی حفاظت کے
من رزق فی العالم فان الاسم	اہل اور حاجت مندوں کی ضروریات سے
الالٰھی لا یعطیہ الا عن امر	خبردار ہیں۔ پس دُنیا میں جو بھی کسی کو رزق
محمد صلی اللہ علیہ وسلم	ملتا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
الذی بیدہ المفاتیح کما	کے بغیر واسطے کے اللہ تعالیٰ کسی کو مرحمت
اختص الحق بمفاتیح	نہیں فرماتا، کیونکہ کنجیاں اُن کے ہاتھ میں
الغیب فلا یعلمھا	دی ہیں، جیسے غیب کی کنجیاں اللہ رب العزت
الا ھو واعطی ھٰذا السید	کے ساتھ خاص ہیں، اُنھیں سوائے اُس کے
منزلۃ الاختصاص	کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح سرورِ کون و مکاں
باعطائہ مفاتیح	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خاص الخاص

؎۱ پ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت ۵۵ — ؎۲ پ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۲۱

الخزائن ۔ (ص۱۳۳) منصبِ رفیع عطا فرمایا کہ آپ کو (زمین کے) خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں۔ کَلِم جمع ہے کلمے کی اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ اِسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا علم عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ جنھوں نے وجود کا لباس پہنا ہے وہ آپ کے دائرۂ علم میں ہیں اور بے شمار وُہ چیزیں جو وجود میں بھی نہیں آئیں وہ بھی آپ کے علم میں ہیں، حالاں کہ وہ حد و شمار سے باہر ہیں لیکن آپ کے دائرۂ معلومات نے ان حقائق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ یہ خدا کی صفات میں سے ہے اِسی لیے کسی دوسرے میں بالذات نہیں پائی جاتی۔ اس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت تمام جہان کو شامل ہے، جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○[1] — اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔

اِس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور اِس میں کسی ایک جہان کی تخصیص نہیں ہے۔ پس جب آپ وہی کچھ مرحمت فرمائے گئے ہیں جو ہر عالم چاہتا ہے، خواہ وہ چاہت کسی قسم کی ہو۔ ماسوائے اُن کے جو شرعی احکام کے مخاطب ہیں، کیونکہ اُن پر تو آپ کی رحمت ظاہر ہے۔ آپ نے اُس رحمت کو خُوب تقسیم فرمایا جسے دے کر آپ کو بھیجا گیا تھا۔

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ حکمِ الٰہی کے تحت دُنیا میں رونق افروز ہُوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیشک کائنات کی ہر چیز راضی ہے کیونکہ ہر ایک جہان اُسی کے گُن گاتا اور پاکی بیان کرتا ہے، پس وہ اُس کے حکم سے راضی ہُوئے اور رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] پ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷

تعالیٰ علیہ وسلم جو اُس کی طرف سے عام دعوت لے کر آئے اس جہت سے بھی مخلوقِ خدا میں اُس کی رحمت دنیا میں بانٹی جا رہی ہے، سوائے اُن لوگوں کے، جو اُس سے خوش نہیں، جسے حکم دے کر بھیجا گیا ہے اور وہ اُس کے حکم سے راضی ہیں تو اُنھوں نے بھی اُس رحمت سے جس سے آپ کو مالا مال کر کے بھیجا گیا تھا، اتنا حصّہ تو پا لیا جتنا وہ خدا کے معیّن حکم سے راضی ہوا۔ یہاں تک کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت دے کر بھیجا اور تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اگر کسی کو آپ کی رحمت سے حصّہ نہ ملے تو یہ کمی اُسی کی جانب سے ہے لہٰذا یہ اُس کی قابلیت کا قصور ہے کیونکہ آپ تو مہرِ درخشاں کی طرح ہیں، جس کی شعاعیں تمام زمین پر پڑتی ہیں لیکن زمین کا وہ حصّہ جو کسی دیوار وغیرہ کے ساتھ ہو اور وہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور اُس کے دائیں بائیں کو منوّر کر رہی ہو تو اُسکی اِس محرومی میں سورج کا کیا قصور؟ زمین کا وہ حصّہ خود ہی سورج کا فیض حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

تیسری خصلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ہر گورے اور ہر کالے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اجسام کے رنگوں کا تذکرہ فرمانے سے معلوم ہُوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ابرِ رحمت ہیں جو سب پر برسنے کیلئے مبعوث فرمائے گئے ہیں، جو اِس عام شریعت کو ایمان لانے کے ساتھ قبول کرے، ایسے لوگوں کا شمار آپ کی تابعدار اُمت میں ہے جس کی جانب آپ کو شریعت قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے، لیکن جنھوں نے آپ کے ساتھ کفر کیا وہ آپ کی اُمت کے زمرے سے باہر نہیں ہیں۔

چوتھی خصلت یہ ہے کہ ایک ماہ کی مسافت تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رُعب کے ساتھ مدد فرمائے گئے ہیں۔

پانچویں خصلت یہ ہے کہ آپ کے لیے مالِ غنیمت حلال ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ آپ سے پہلے وہ کسی نبی کے لیے حلال قرار نہیں دیا گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحابۂ کرام میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت افزائی فرمائی ہے کہ یہ اعزاز دوسرے انبیاءِ کرام کو بھی مرحمت نہیں فرمایا گیا بلکہ اس میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی وہ کرامت بخشی گئی ہے کہ اس سے پہلے کسی نبی پر ایمان لانے والوں کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی گئی۔

چھٹی خصلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے تمام زمین کو پاک قرار دے دیا اور اُسے آپ کی خاطر مسجد ٹھہرا دیا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی آپ یا آپ کی اُمت نماز کا وقت پاتے، اُسی جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اس کی تشریح میں جو طویل بحث کی ہے اُس کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ خصلتیں ہیں جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت مرحمت فرمائی ہے اور آپ کو ایسا مقام حاصل ہو گیا ہے جو کسی بھی دُوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔ پس آپ کا حکم اِس کائنات میں بھی اُسی طرح نافذ اور واجب العمل ہے جیسے برزخ، قیامت، مقامِ شفاعت اور جنت میں نافذ ہوگا، جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اِن مقامات میں سے ہر مقام پر آپ کی خصوصیت نمایاں ہے، تاکہ اللہ جل شانہٗ نے جو آپ کو سب پر فضیلت دی ہے اور شرف بخشا ہے وہ سب پر واضح ہو جائے کیونکہ:

اعطی جمیع ما فضلت بہ	آپ کو وُہ تمام خوبیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں
الرسل بعضہا علیٰ بعض۔	جن کے باعث ایک رسول کو دُوسرے پر
(ص ۱۳۴)	فضیلت دی گئی ہے۔

جانِ من! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس رحمت سے جس کے ساتھ آپ مبعوث فرمائے گئے ہیں، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبانِ مبارک سے ہمارے لیے شریعتِ مطہرہ کو ظاہر فرمایا اور حکمِ الٰہی کے تحت آپ نے اُس کی کما حقہٗ تبلیغ و اشاعت فرمائی۔ رسالت کی یہ شرط نہیں ہے کہ اُس کی صداقت کے نشانات ظاہر ہو جائیں تاکہ سب اُنھیں دیکھ لیں، بلکہ رسول تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے، اور مخلوقِ خدا تک اُس کے احکام پہنچانے پر مامور ہوتا ہے۔ اُس کی یہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اِس کے سوا کچھ

اور اُس پر واجب نہیں۔ اگر اُس کی صداقت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ یہ بات نبی کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی اِس بات سے معذوری خود بیان فرمائی ہے۔ پس یہاں انبیائے کرام کے لیے بھی نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ [1] — اور بولے اِن پر کوئی نشانی کیوں نہ اُتری اِن کے رب کی طرف سے۔

یہ کسی عربی کا نہیں بلکہ غیر عرب کا اعتراض نقل فرمایا گیا ہے کیونکہ اہلِ عرب کے سامنے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صداقت واضح کر چکے تھے، جبکہ قرآنِ کریم کے اعجاز کا عربوں کے سوا دُوسرے کما حقہٗ اندازہ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ کہیں وارد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر غیر عرب مثل یہود، نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کے مطالبے پر کوئی معجزہ اپنی صداقت ظاہر کرنے کی خاطر دکھایا ہو۔ آپ جو نشانیاں اور معجزات لے کر مبعوث ہُوئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے، معجزے دکھانا آپ پر واجب نہیں تھا، نہ دُوسرے رسولوں پر واجب تھا اسی لیے فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ [2] — تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور مَیں تو صرف صاف ڈر سُنانے والا ہوں۔

پھر سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً [3] — کیا یہ اُنھیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اِس میں رحمت ہے۔

کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس اُممِ سابقہ کی

---

[1] پ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۳۷
[2] پ ۲۱، سورۂ العنکبوت، آیت ۵۰
[3] پ ۲۱، سورۂ العنکبوت، آیت ۵۱

تمام معلومات قرآنِ کریم میں موجود ہیں اور یہ اپنے لانے والے کی صداقت پر خود گواہ ہے اور آپ کی اُمّت قرائنِ احوال سے یہ جانتی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کسی سے کچھ پڑھا، نہ لکھنا سیکھا، نہ کسی کتاب کا کبھی مطالعہ کیا، نہ پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھے اور نہ اپنے شہر سے کبھی دُور رہے بلکہ آپ دُوسرے اَن پڑھوں کی طرح اَن پڑھ ہی رہے۔ اِس کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اُمُور کی خبریں دیں جن کے بارے میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے بھلا ایک عام آدمی اُن کی خبریں کیسے دے سکتا ہے؟ لہٰذا قرآن کریم کے ذریعے جو کچھ بھی آپ لے کر آئے، وہ آپ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے لیے مخالفین کتنے اور ثبوت طلب کیا کرتے تھے اور اہلِ عرب پر قرآنِ کریم کا اعجاز ظاہر تھا کیونکہ یہ اُن کی مادری زبان میں نازل ہُوا تھا اور وُہ بھی اِس سے معارضہ نہ کر سکے یا یُوں سمجھ لیجئے کہ یہ جانتے ہُوئے معارضہ نہ کیا کہ منہ کی کھانے کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔[1] نیز قرآنِ کریم کے ذریعے آپ کو دیگر سماوی کتب کا علم بھی حاصل ہوگیا، جنھیں یہود و نصاریٰ اور دیگر اہلِ کتاب جانتے تھے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی صداقت کا روشن نشان ہوا کیونکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مذکورہ بالا تقریر سے:

فقد تبین لك منزل محمد	تیرے لیے دُوسرے انبیاء و مرسلین علیہم السلام
صلی اللہ علیه وسلم من غیره	کے مقابلے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
من الرسل وخصه اللّٰہ	علیہ وسلم کا مقامِ رفیع بخوبی ظاہر ہوگیا اور
بعلوم لم تجتمع فی غیره	اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے علوم سے خاص
منها انه اعطاء انواع ضروب	فرمایا ہے جو آپ کے سوا کسی دوسرے کو
الوحی کلها فادحی	حاصل نہیں ہیں۔ اُن علوم سے ایک یہ شعبہ ہے،

---

[1] مجدّد مائتہ حاضرہ نے یہ مضمون یُوں باندھا ہے: ؎

تیرے سامنے یُوں ہیں دبے لچے فصحاءِ عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

الله اليه بجميع ما يسمّى وحيًا
كالمبشرات والانزال على
القلوب والأذان بحالة
العروج وعدم العروج وغير
ذالك وخصّه بعلوم
علم الاحوال كلها فاعطاه
العلم بكلّ حالٍ وفي كلّ
حالٍ ذوقًا لانه ارسله
الى الناس كافّةً واحوالهم
مختلفة فلابد ان تكون
رسالته تعمّ العلم
بجميع الاحوال وخصّه
الله بعلم احياء الاموات
معنىً وحسًّا فحصل العلم
بالحياة المعنوية
وهي حياة العلوم والحياة
الحسية وهي ما اتى
في قصة ابراهيم عليه السلام
تعليمًا واعلامًا لرسول الله صلى
الله عليه وسلم وهو قوله
تعالى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ
أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ
بِهِ فُؤَادَكَ

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی وحی سے مشرف
فرمایا، جسے بھی وحی کہا جاتا ہے، جیسے سچے
خواب، دلوں اور کانوں پر وحی کا بحالتِ
عروج و عدم عروج نازل ہونا وغیرہ اور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام احوال کا علم
عطا کر کے خاص فرمایا۔ یعنی آپ کو ہر حال کا
علم عطا فرمایا اور ہر حالت کی ذوقی معلومات سے
مطلع فرمایا کیونکہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی جانب
رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کے
حالات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ضروری
ہوا کہ آپ کی معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہو
جو تمام احوال کا احاطہ کرے اور اللہ تعالیٰ نے
آپ کو مُردوں کو زندہ کرنے کے معنوی اور
حِسّی علم کے ساتھ بھی خصوصیت بخشی ہے۔
پس آپ کو جو معنوی حیات کا علم حاصل ہے
اس سے مراد علوم کا زندہ کرنا ہے اور حِسّی
حیات وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے ایک واقعے میں ہے۔ یہ رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتانے اور مطلع فرمانے
کے لیے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے
کہ ہم تمہارے لیے رسولوں کی خبریں بیان
کرتے ہیں، کہ تمہارے دل کو ثابت رکھیں

وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ	اور اس بارے میں تمہارے پاس حق آ گیا ہے
وخص صلی اللہ علیہ وسلم	اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جملہ
بعلم الشرائع کلها فابان	شرائع کے علم کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔
له عن شرائع المتقدمين	پہلوں کی شریعتیں آپ پر ظاہر فرمائیں اور
وامره ان يهتدى بهداهم	اُن کی طرح راہِ ہدایت اختیار کرنے کا آپ کو
وخص صلى الله عليه وسلم	حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
بشرع لم يكن لاحد غيره منه	کو ایسی شریعت کے ساتھ خاص فرمایا جو
ماذكرنا في الستة التي خص	کسی اور کو نہیں دی تھی، جیسا کہ ہم نے
بها صلى الله عليه وسلم۔ (ص ۱۳۵)	آپ کی چھ خصوصیات کے تحت لکھا ہے۔

مقامِ محمود شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۲۲۸، صفحہ ۱۹۴ پر فرمایا ہے: یہ جان لینا ضروری ہے کہ مقامِ محمود وہ جگہ ہے جہاں بروزِ قیامت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اسمِ گرامی حمید کے ساتھ رونق افروز ہوں گے۔ اُس میں اللہ تعالیٰ کے سات جھنڈے ہیں جنھیں حمد کا نام دیا گیا ہے۔ وہ جھنڈے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے وارثوں کو مرحمت فرمائے جائیں گے۔ اُن جھنڈوں میں اللہ جلّ شانہٗ کے ایسے اسمائے گرامی ہوں گے، جن کے ساتھ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروزِ قیامت مقامِ محمود میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میں شفاعت کا سوال کروں گا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ایسے محامد کے ساتھ بیان کروں گا جنھیں اِس وقت میں نہیں جانتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اسمائے طیبہ ہیں، جو اُس مقام سے خاص مناسبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا صرف اسماء الحسنیٰ ہی سے کی جا سکتی ہے اور ہماری معلومات اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا احاطہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جنت میں ایسی چیزیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں ہے اور نہ کسی

کان نے اُن کی آواز سُنی ہے اور نہ کسی دِل میں اُن کی صورت کا صحیح تصور آیا ہے اور ہمیں اِس بات کا علم ہے کہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان اللہ تعالیٰ نے ہماری نظروں سے چھپا کر رکھے ہُوئے ہیں، اُن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک شے کسی نہ کسی اسمِ الٰہی کے ساتھ منسوب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اُس نام کے ساتھ ظاہر کرے گا اور اسمِ الٰہی وُہ ہے جس کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس سے باخبر ہو کر انعاماتِ الٰہیہ کے ساتھ رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں، خواہ یہ ثنا تسبیح کے ساتھ ہو یا اثباتِ علم کے ساتھ۔

جب تمھیں اُن کی معرفت حاصل ہو گئی تو تعداد کے بارے میں سوال کرو گے، جن کے ساتھ بروزِ قیامت مقامِ محمود میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے گی۔ پس ہم نے جان لیا کہ ہمیں دنیا میں اُن کا علم حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ اب کسی کو بتائے گا کیونکہ وہ ایسے محامد سے متعلق ہیں جن کے عرفان کی خصوصیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہو گی۔ جب قیامت میں ہم آپ کو اُن اسماء کے ساتھ حمد و ثنا کرتے ہُوئے سنیں گے اور قیامت میں مقامِ محمود پر ہر جھنڈے کے ساتھ وہ اسمائے الٰہیہ ظاہر ہوں گے، تو اُس مقام پر اُن اسمائے الٰہیہ کا علم ہمیں بھی حاصل ہو جائے گا اور اُن اسماء الحسنیٰ کی تعداد کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ اُن کی تعداد ایک ہزار چھ سو چونسٹھ ہے۔ اِن میں سے ہر ایک جھنڈے میں ننانویں اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جو انھیں پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اِن جھنڈوں میں سے حمد کے جھنڈے میں مذکورہ اسمائے الٰہیہ سے سات سَو ستتر اسماء درج ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِن تمام محامد کے ساتھ حمدِ الٰہی بیان کریں گے اور ہر اسم میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا مطالبہ ہے۔

فتحِ مبین شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۲۹، صفحہ ۲۰۲ پر یہ آیات درج کر کے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ

مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ — بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ — کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ — تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور اللہ تمہاری
اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۞ [1] — زبردست مدد فرمائے۔

اِن کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حقیقی مکاشفے کی کامیابی، باطنی حلاوت میں سرفرازی اور رفعتِ کلام ہے اور مذکورہ فتوحات کے باعث قرآنِ کریم معجزہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جیسا کلامِ رفیع عطا فرمایا گیا ہے ایسا کسی دوسرے کو مرحمت نہیں فرمایا گیا۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے اعلان فرمایا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ — تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر
الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ — متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ — تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ اُن
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا [2] — میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

ظَهِيْرًا سے یہاں مراد مُعِيْنًا یعنی مددگار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے مذکورہ تینوں قسم کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ساتھ ہی فَتْحًا مصدر سے اِس کلام کو مؤکد کر دیا ہے۔ مُّبِيْنًا سے مراد ظاہر ہے جسے ہر دیکھنے والا واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ فتوحِ حلاوت یعنی باطنی حلاوت کی سرفرازی، یہ آپ کو ذوقی طور پر حاصل ہے۔ فتوحِ عبارت یعنی رفعتِ کلام، یہ اہلِ عرب کا طرۂ امتیاز ہے جس میں دوسروں کو عاجز کر دیا کرتے تھے۔ فتوحِ مکاشفہ یعنی حقیقتِ واقعیہ کے انکشاف میں کامیابی، اِس کا شبِ معراج میں آپ کو خصوصی حصول ہوا، جب بڑی سے بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں کے گناہ معاف فرما دے اور یہ بات آپ سے پوشیدہ رکھے جس سے گنہگار عتاب کا مستحق ہوتا ہے اور پچھلوں کے

---

[1] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۱ تا ۳ — [2] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۸

گناہ بھی معاف فرما دے اور آپ کو گناہوں سے بالکل بچا کر رکھے کہ وہ آپ تک پہنچ ہی نہ سکیں اور اس طرح آپ گناہوں سے مبرا ہیں۔

پچھلوں کے گناہ بخش دینے کی بشارت سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم ہیں اور عصمت کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی گئی ہے اور آپ کی معصومیت پر یہ بات سب سے زیادہ مؤید ہے کہ آپ کو لوگوں کیلئے اُسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے تاکہ لوگ آپ کی اقتدا کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ معصومیت سے سرفراز فرماتا تو ایسے امور میں بھی آپ کی اقتدا ہمارے لیے ضروری ہو جاتی، جو آپ سے گناہ کے بطور واقع ہوتے اور آپ سے گناہ سرزد ہونے کے بارے میں کوئی نصّ قطعی وارد نہیں ہوئی ہے، جیسے ہبہ کے ساتھ نکاح میں آپ کی خصوصیت پر نصّ قطعی وارد ہے کہ یہ آپ کے ساتھ خاص اور آپ کے لیے مشروع ہے جبکہ ہم پر حرام ہے۔ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو پوری نعمتیں عطا فرمائی گئیں۔ ہم نے جب مخلّقہ اور غیر مخلّقہ یعنی مکمّل اور نامکمل نعمتوں کو پہچان لیا ہے اور اس آیت نے خبر دی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو مکمّل نعمتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ وَیَهۡدِیَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا سے مراد یہ ہے کہ جس راستے پر سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گامزن ہیں وہی صراطِ مستقیم ہے۔ جیسے ہود علیہ السلام نے فرمایا،

اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ[1] بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔

تمام شریعتیں نور ہیں اور اُن میں شریعتِ محمدیہ کی مثال ایسی ہے جیسے ستاروں میں سورج، جب سورج ظاہر ہو تو ستاروں کی روشنی سورج کی روشنی میں داخل ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی کا چھپنا نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت سے دوسری شریعتوں کے منسوخ ہونے کی طرح ہے، حالانکہ اُن کا وجود اُسی طرح باقی ہے، جیسے ستاروں کا نور باقی رہتا ہے۔ اسی لیے شریعتِ محمدیہ نے تمام رسولوں اور اُن کی

---

[1] پ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۵۶

شریعتوں پر ایمان لانا ہمارے اوپر لازم ٹھہرایا ہے، کیونکہ وہ حق ہیں اور منسوخ ہوجانے کے باعث وہ باطل نہیں ہوئیں۔ شرائع سابقہ کو باطل کہنا جہلاء کا فاسد گمان ہے۔ پہلے تمام تر راستے سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں۔ اگر گزشتہ رسولوں سے کوئی رسول آپ کے زمانۂ اقدس میں موجود ہوتا تو اُسی طرح آپ کا اتباع کرتا جس طرح تمام شریعتیں شریعتِ محمدیہ کے تابع ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔

وَیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا جو فرمایا ہے تو عزیز وہ ہوتا ہے جس کا قصد کیا جائے لیکن اُس تک رسائی کی طاقت نہ ہو۔ چونکہ سارے انبیائے کرام آپ کی طرف وصول کے طالب تھے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عام بعثت کے سبب اُن کے پالینے سے دُور رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو جوامع الکلم اور آخرت میں مقامِ محمود عطا کرکے سیادت مرحمت فرمائی ہے اور آپ کی اُمت کو تمام اُمتوں سے بہتر بنایا ہے جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور ہر اُمت کا مرتبہ اُس کے نبی کی عظمت کے مطابق ہوتا ہے۔

تبلیغ کا معاوضہ شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۲، صفحہ ۲۲۳ پر فرمایا ہے کہ عمل بذاتہٖ ثواب اور اجر چاہتا ہے اور عمل کرنے والے کو ثواب ملنے کا حق پہنچتا ہے۔ احکامِ رسالت کو ادا کرنا رسول کا عمل ہے اور بھیجنے والے نے اُس سے فریضۂ رسالت کا کام لیا ہے کیونکہ اُسے لوگوں کی طرف بھیجا ہے، اِس لیے بھیجنے والے پر اِس کا اجر دینا ضروری ہے، مُرسَل الیہ (جس کی طرف بھیجا گیا) نے اُسے اِس کام پر مامور ہی نہیں کیا، لہٰذا اجر دینا اُس پر ضروری نہیں۔ اسی لیے مرسلینِ عظام نے اِس امرِ الٰہی کا اپنی اُمتوں سے برملا تذکرہ کر دیا تھا، تاکہ اُنھیں یہ معلوم ہوجائے کہ اِس بارے میں امرِ الٰہی کیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ	اور میں اِس پر تم سے کچھ اُجرت نہیں
مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ	مانگتا، میرا اجر تو اُسی پر ہے جو سارے

الْعٰلَمِیْنَ ۔ لہ   جہان کا رب ہے۔

پس رسولوں نے اپنی اُجرت کا حق اُسی پر ڈالا جس نے اُن سے یہ کام لیا اور اِس جواب سے اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے امرہی کا اظہار فرمایا ہے، کیونکہ اُس نے ہر ایک رسول کو یہی حکم دیا "تم فرما دو، میں تبلیغِ دین کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا" لیکن فضائل کے باب میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ خصوصیت حاصل ہے جو دوسروں کو میسّر نہیں اور اِس فضیلت سے آپ کی اُمّت کو بھی حصّہ ملا ہے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجر بھی دوسرے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ذمّے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اِس اجر کا کچھ حصّہ اپنی اُمت سے بھی وصول فرمائیں اور اُس کی صورت یہ ہے کہ وہ حبیبِ پروردگار کے قرابت داروں سے محبّت کریں، چنانچہ فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا   تم فرماؤ میں اِس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا
الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔ لہ   مگر قرابت داروں کی محبّت۔

یعنی دین کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں ماسوائے اُس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اُوپر واجب کر دیا ہے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔ اُمتِ محمدیہ پر تبلیغ کا معاوضہ آپ کے قرابت داروں سے محبت رکھنے کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے۔ نیز آپ کے اہلِ بیت سے بھی اور جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے مَوَدَّت کہا ہے وہ محبّت میں ثابت قدم رہنے کا نام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرما دیا تو یہ نہیں کہا کہ اب اللہ کے ذمّے تمہارا کوئی اجر نہیں رہ گیا اور نہ یہ فرمایا کہ تمہارا اجر باقی رہ گیا ہے۔ تاکہ ذاتِ باری ایسی چیز بیان کر کے اپنی نعمتوں کی تجدید فرمائے جس سے محبوب کو سرور حاصل ہو۔ اِسی لیے دُوسرے رسولوں کی طرح آپ کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ اپنی اُمت کو یہ اعلان سُنا دیا جائے کہ میں تم سے اگر کوئی اجر چاہتا ہوں تو صرف تمہارے لیے ورنہ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمّے ہے۔ اِس میں آپ نے اُمت کے سر سے نبی کے قرابت داروں سے محبت کرنے کا اجر ساقط

لہ پ ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۱۰۹   لہ پ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۳

نہیں کیا بلکہ اُس کے تعین کے بعد اُسے اُن کی جانب ہی لوٹا دیا ہے، حالانکہ اِس اجر کے مستحق صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پس محبت کی فضیلت کو اُس کے حقداروں کی طرف لوٹا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے محبت رکھنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر و ثواب ملے گا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

الانسان الکامل

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۶، صفحہ ۲۴۷ پر فرمایا ہے کہ اِس دنیا میں کامل انسان کا مرتبہ نفسِ ناطقہ کی طرح ہے۔ انسانوں میں سب سے کامل وُہ ہے جس سے اکمل دُوسرا کوئی نہیں اور وُہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات ہے۔ کمال جو اِس عالم کی غایت ہے اُس کے باعث وُہ کامل انسان جن کا درجہ آپ کے بعد ہے اُن کا مرتبہ انسانی قوتوں کی طرح ہے اور اِن درجات پر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام فائز ہیں اور جن حضرات کا مرتبہ اِن حضرات کے بعد ہے وُہ انسان کی حسّی قوتوں کی طرح ہیں اور ایسے حضرات علمائے کرام و اولیائے عظام ہیں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) جو انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ اِن کے علاوہ باقی انسان شکل و صورت کے لحاظ سے انسان ہیں لیکن اُن کا شمار حیوانات میں ہوتا ہے کیونکہ وُہ انسانوں میں رُوحِ حیوانی کی طرح ہیں، جس سے انسانوں کی افزائش کا سلسلہ قائم ہے اور احساسات اِسی قوت کے مرہونِ منت ہیں۔ پس:

واعلم ان العالم الیوم بفقد جمعیۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی ظہورہ روحًا و جسمًا و صورۃً و معنًا قائم ولا میت وان روح الذی ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ھو من العالم فی صورۃ المحل الذی ھو قبۃ روح الانسان عند النوم الی یوم البعث الذی ھو مثل یقظۃ النائم ھنا و انما	جاننا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ پوش ہو جانے کے باعث اب یہ دنیا سو رہی ہے۔ آپ اِس دنیا میں قبۂ رُوحِ انسانی کی طرح ہیں جیسا کہ نیند کے وقت ہوتا ہے۔ خواب سے اِس دنیا کے بیدار ہونے کی حالت قیامت تک رہے گی اور بیشک ہم نے تخصیص کرتے ہوئے

قلنا محمد صلى الله عليه وسلم على التعيين انه هو الروح الذى هو النفس الناطقة فى العالم لما اعطاه الكشف وقوله صلى الله عليه وسلم هو انه سيد الناس ع العالم من الناس فانه الانسان الكبير فى الجرم والمقدم فى التسوية و التعديل ليظهر عنه صورة نشأة محمد صلى الله عليه وسلم كما سوى الله جسم الانسان وعدله قبل وجود روحه ثم نفخ فيه من روحه روحا كان به انسانا تاما اعطاه بذالك خلقه وهو نفسه الناطقة فقبل ظهور نشأته صلى الله عليه وسلم كان العالم فى حال التسوية والتعديل كالجنين فى بطن امه وحركته كالروح الحيوانى منه

کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اِس دنیا کی وُہ رُوح ہیں جسے نفسِ ناطقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (ساری دنیا کا) کشف عطا فرمایا ہے اور جیسا کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ ہی سارے انسانوں کے سردار ہیں اور دُنیا لوگوں سے ہے کیونکہ نوعِ انسانی کو برابری اور اعتدال میں نیز جسمانی حالت اور تقدیم کے لحاظ سے بڑائی حاصل ہے تاکہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کی صورت ظاہر ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے رُوح کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے جسمِ انسانی کو برابر اور اعتدال پر کیا پھر اُس میں اپنی طرف کی روح پھونکی، وہ رُوح جس کے ساتھ وہ مکمل انسان بنا۔ اسی طرح اُسے تخلیق کا لباس پہنایا اور یہی روح (جس کے ساتھ وہ مکمل انسان بنا) نفسِ ناطقہ ہے۔ پس نبیِ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری سے پہلے یہ جہاں تسویہ اور تعدیل کے مراحل سے گزر رہا تھا، جیسے بچّہ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہوتا ہے اور اُس کی حرکت رُوحِ حیوانی کی طرح ہوتی ہے

الذی صحت له به الحیاة	جس کے ساتھ وہ زندگی سے ہمکنار رہتا ہے۔
فاجل فکرك فیما ذکرته	جو کچھ یہاں تمہارے لیے مذکور ہوا ہے اُس
لك فاذا کان فی القیامة	میں تمہیں غور و خوض کرنا چاہیے۔ قیامت کے
حيي العالم کله بظهور نشأته	روز آپ کے وجود کی جلوہ آرائی کے باعث
صلی اللّٰہ علیه وسلم۔	سارا جہان زندہ ہو جائے گا۔ (صلی اللہ
(ص ۱۳۷/۱۳۸)	تعالیٰ علیہ وسلم)

ث شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۵۵، صفحہ ۳۳۱ پر فرمایا ہے کہ:

فکل من فی الوجود من المخلوقات	مخلوقات سے جتنے بھی عالم وجود میں ہیں وہ
یعبد اللّٰہ علی الغیب الا	انسانِ کامل کے علاوہ باقی سارے ہی
الانسان الکامل المؤمن	اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر دیکھے کرتے ہیں،
فانه یعبده علی المشاهدة	لیکن انسانِ کامل ایسا مومن ہے جو مشاہدے
ولا یکمل العبد الا بالایمان	کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور ایمان کے بغیر بندہ کامل نہیں
فانه النور الساطع الذی تیزیل	ہوتا کیونکہ یہی تو وہ بلند نور ہے جو ہر تاریکی کو زائل کر کے
کل مظلمة فاذا عبده الشهادة	رکھ دیتا ہے پس جب اس کا بندہ اسے دیکھ کر عبادت
سراجمیع قواه فما قام	کرتا ہے تو اس کے سارے قویٰ کو رویت حاصل ہوتی ہے
بعبادته غیره ولا ینبغی	دوسرا اُس جیسی عبادت نہیں کر سکتا اور نہ
ان یقوم بها سواه فما ثم	دوسرے کے یہ بس کی بات ہے۔ سوائے
من حصل له هذا المقام	اُس انسانی مومن کے جسے یہ مقام حاصل ہو
الا المؤمن الانسانی فانه	کیونکہ وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر ایمان
ماکان مؤمنًا الا بربه فانه	رکھتا ہے، یہ اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ
سبحانه المؤمن واعلم	بھی مومن ہے اور تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر
انك اذا لم تکن بهذه المنزلة	تم اِس مقام تک نہ پہنچے ہو اور اِس درجے
ومالك قدم فی هذه الدرجة	کی معرفت تک تمہاری رسائی نہ ہو تو میں

فاناادلك على ما يحصل لك به الدرجة العليا۔ (ص۱۳۸)

تمھاری اتنی رہنمائی کرتا ہوں جس سے تمھیں اِس منصبِ رفیع کی معرفت حاصل ہو جائے۔

اور تمھیں یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ایک مزاج پر پیدا نہیں فرمایا ہے بلکہ اِس کے مختلف مزاج بنائے ہیں۔ یہ بات عام مشاہدے کی، بدیہی اور ضروری ہے کہ عقلی اور ایمانی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو لوگوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور یہ بات تو صحیح طریقے سے تمھیں یقیناً معلوم ہوگی کہ انسان اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے اور اِس آئینے کے ذریعے اُس چیز کو دیکھتا ہے جسے کوئی آدمی اپنی شکل کے آئینہ کے بغیر خود نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان اپنی نفسانی خواہش کے باعث محجوب اور اِسی پر عاشق ہے۔ جب وہ کسی خُوبی کو دُوسرے میں دیکھتا ہے جبکہ اُسے خود بھی وہ حاصل ہو، تو اپنا عیب دُوسرے میں دیکھنے لگتا ہے۔ پس اگر وُہ بُری ہے تو اُس کی بُرائی کو اور بھلی ہے تو اُس کی بھلائی کو دیکھ لے گا۔

تمھارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نظر آنے والی چیزوں کی اشکال مختلف ہیں اور وُہ دیکھنے والے کے نزدیک اُس کی شکل کے اعتبار سے لمبی، چوڑی، سیدھی، ٹیڑھی، کم، زیادہ، متعدد اور کل کی صورت میں نظر آتی ہے، جیسا کہ آئینے میں نظر آنے والی شکل اُس پر ظاہر کرتی ہے۔ جب تم نے اِس بات کو سمجھ لیا تو یہ بھی جاننا چاہیے کہ مُرسلینِ عظام اپنے ربِّ کریم کی عطا فرمودہ رسالت کو قبول کرنے کے باعث باقی انسانوں سے اعلیٰ مزاج والے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ہر فرد نے منصبِ رسالت سے اُتنی ہی قدر کو قبول کیا ہوتا ہے جتنی اللہ تعالیٰ نے ترکیب کے اعتبار سے اُس کے مزاج میں ودیعت فرمائی ہوتی ہے۔ چونکہ ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا، لہٰذا اُس کا مزاج بھی قوم کے مطابق خاص ہوتا ہے لیکن سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی جانب رسالتِ عامّہ کے ساتھ بھیجا گیا اور آپ نے اِس رسالت کو اِسی لیے تسلیم کیا کہ یہ رسالتِ عامّہ ہے، جو عام مزاج پر مشتمل ہونے کے باعث جُملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مزاجوں کی حامل ہے۔ اِس لیے آپ اعلیٰ اور اکمل مزاج والے ہُوئے اور آپ کی تخلیق سب سے اقویٰ ہے۔

جب تم نے اِس بات کو جان لیا اور تمھارا ارادہ ہُوا کہ حق کو انسانی شکل میں اُس کی کامل صورت کے ساتھ دیکھو تو تمھیں یقین کر لینا چاہیے کہ تمھارا یہ منصب ہرگز نہیں ہے،

جو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور نہ تم اُسے جاننے کے قابل ہو کیونکہ تمھارے دل کے آئینے میں جب بھی تم پر حق ظاہر ہوگا، تو اس حالت میں تمھارا آئینہ تمھارے ہی مزاج کی شکل و صورت ظاہر کر رہا ہوگا۔

تمھیں جب یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے رب کی معرفت کا پیدائشی طور پر جو درجہ حاصل ہے تم اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تو تمھارے اوپر یہی لازم ہے کہ اُن پر ایمان لاؤ، اُن کے اتباع کو اپنے اوپر لازم کر لو اور آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا امام اور پیشوا بنائے رکھو۔ پس جیسے تم آئینے میں اپنی اور دوسروں کی صورت دیکھتے ہو، اس طرح اِس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینے میں تجلی فرماتا ہے اور یہ واضح ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر میں آئینے کا اثر ہوتا ہے، لہٰذا فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینے میں حق کا ظہور انتہائی کامل، واضح اور احسن ہے اور جب تم سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینے میں اللہ تعالیٰ کا ادراک کرو گے تو تمھیں ایسا ادراک ہوگا جیسا اپنے آئینے میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا تم نے بابِ ایمان اور عقیدۂ رسالت کے اُن امور پر غور نہیں فرمایا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب فرمایا ہے حالانکہ عقلِ انسانی اُنھیں محال شمار کرتی ہے۔ اگر اُن باتوں پر شریعت مطہرہ کی مُہر ثبت نہ ہوتی اور اُن پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو عقلی لحاظ سے ہم اُنھیں تسلیم کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتے بلکہ ابتداء ہی میں انکار کر دیتے اور ایسی باتوں کے قائل کو جہلاء میں شمار کرنے لگتے۔ پس جیسے رسالت اور ایمان کے بارے میں ہمیں وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اِسی طرح ہمارے مزاج اور ہمارے دلوں کے آئینے اُن چیزوں کے مشاہدے اور ادراک سے قاصر ہیں جو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

معراج و اسراء

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۶۷، صفحہ ۳۴۴ پر سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آسمانی سَیر یعنی معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔[1] اُس جیسا کوئی نہیں۔

یعنی اپنی ذات قدسی صفات کا ایسا وصف بیان فرمایا جو اُس کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ دُوسری جگہ فرمایا:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ[2] اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔

علاوہ بریں رات کے آخری تہائی حصّے میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانے، عرشِ معلّٰی پر غلبہ کرنے اور عماء میں ہونے (عماء وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی کیفیت اور تشبیہ کے بغیر تمام مخلوق سے پہلے موجود تھا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور لغوی لحاظ سے عماء کا مطلب ہلکا بادل ہے)، زمین و آسمان میں ہونے، انسان کی شہ رگ سے قریب ہونے وغیرہ تمام حالات میں وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اِن اوصاف سے اُسی کی ذات متصف ہے وُہ اپنے کسی بندے کو دیکھنے کے لیے ایک مکان سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا، بلکہ اُسے اپنی قدرت کے ایسے کرشمے دکھانے کے لیے منتقل کرتا ہے، جو اُس بندے سے پوشیدہ ہوں۔ اِسی طرح:

اذا نقل اللّٰہ العبد فی احوالہ	جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو ایک
لیریہ ایضًا من آیاتہ فنقلہ	حال سے دُوسرے کی طرف منتقل کرتا ہے تاکہ
فی احوالہ مثل قولہ صلی اللّٰہ	اُسے اپنی نشانیاں دکھائے تو اِس طرح اُس
علیہ وسلم زویت لی	کے احوال میں تبدیلی پیدا کرتا ہے جیسے رسول اللہ
الارض فرأیت مشارقہا	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے
ومغاربہا وسیبلغ	زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے اُس کے
ملک امتی ما زوی	مشارق و مغارب دیکھ لیے اور عنقریب میری
لی منہا۔	امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک
(ص۱۳۹)	میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے۔

---

[1] پ ۲۵، سورۂ الشوریٰ، آیت ۱۱ [2] پ ۲۷، سورۂ الحدید، آیت ۴

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ	اور اِسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اِس لیے
وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ [1]	کہ وُہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

یہ عین الیقین ہے کیونکہ یہ اُن کا آنکھوں سے دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص الخاص بندے کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ لے جانا، تاکہ اُسے ایسی نشانیاں دکھائے جن کے ساتھ وہ جگہ مخصوص ہے اور وُہ ایسی آیات ہیں جو اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن نشانیوں کا مشاہدہ کیے بغیر ذاتِ الٰہی کی پُوری معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، اِسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ	پاک ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات
لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى	لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا	گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ ہم اُسے
حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ	اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سُنتا
السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ [2]	دیکھتا ہے۔

واقعۂ معراج حدیثِ اسریٰ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں نے اپنے بندے کو اپنی خاص نشانیاں دکھانے کے لیے سَیر کرائی تھی، اپنی طرف نہیں بُلایا تھا کیونکہ مجھے کوئی جگہ نہیں گھیر سکتی، اگرچہ تمام مکانوں کی نسبت میری ہی طرف ہے، ہاں مَیں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہُوں۔ پس اُس کی میری طرف سَیر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ مَیں اُس سے ہر وقت نزدیک ہوں اور ہر وقت اُس کے ساتھ ہُوں خواہ وُہ کہیں ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جو اُس کے سب سے خاص بندے ہیں، وُہ اُس کی نشانیوں سے جن کا چاہیں مشاہدہ

---

[1] پ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۷۵ [2] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت پہلی

کریں تو اپنے پیغامبر حضرت جبریل علیہ السلام کو جو رُوح الامین ہیں، براق نامی ایک چوپایہ محبوب کی سواری کے لیے دے کر بھیجا۔ براق کا بھیجنا تو محض اسباب کی اہمیت دکھانے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقویت کے لیے تھا تاکہ ایسے اسباب کے متعلق بھی مشاہدے کے ساتھ علم ذوقی حاصل ہو جاتے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے پر بناتے ہیں، یُوں ہمیں اسباب کے ثبوت اور اہمیت سے خبردار کرے جو اس عالم اسباب کے لیے وضع فرمائے ہیں۔ بُراق درمیانے قد کا چوپایہ ہے، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ہے۔ تاجدارِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس پر سوار ہوئے اور جبرئیل علیہ السّلام نے رکاب تھامی۔ بُراق کا رسولوں کے لیے بھیجا جانا اُس شاہی سواری کے مانند ہے جو بُلانے والا اُس کے لیے بھیج دیتا ہے جسے مدعو کیا جائے، تاکہ وُہ اُس پر سوار ہو کر آئے۔ یہ عزّت افزائی کا ظاہری اہتمام ہے حالانکہ باطن میں وُہ اپنے مقدور کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے، کسی دُوسری چیز کی طاقت سے نہیں پہنچتا۔ بُراق بھیجنے میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قدر و منزلت کا اُس شخص کے لیے اظہار مقصود ہے جو حفظِ مراتب سے آگاہ ہے۔

جب آقائے دو جہاں، شفیعِ عاصیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت القدس کے نزدیک جلوہ آرا ہوئے تو بُراق سے اُترے اور اُسے اُس حلقے کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ دُوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ آپ کا بُراق پر سوار ہونا اور اُسے حلقے کے ساتھ باندھنا صرف اسباب کو ثابت کرنے کی غرض سے ہے کیونکہ کوئی رسول ایسا نہیں جس نے بُراق پر سوار ہو کر سیر نہ کی ہو۔ آپ بخوبی جانتے تھے کہ بُراق حکم کا پابند ہے۔ اگر اسے نہ باندھا جائے تب بھی یہ اُسی جگہ کھڑا رہے گا۔ اِس کے باوجود اُسے حلقے کے ساتھ باندھنا اُس عادت کے طور پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے بارے میں ڈالی ہوئی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بُراق کے بارے میں بتایا ہے کہ اُس کا نام شمس ہے اور سواری کے جانوروں کی عادت میں یہ بھی شامل ہے کہ جب کوئی اُن پر سوار ہونا چاہے تو اُچھلنے کُودنے لگتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُراق نے اُس پیالے کو اپنی ٹھوکر سے اُلٹا دیا تھا، جس سے

مکہ مکرمہ کی طرف سے آنے والے قافلے کا ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے اُس بُراق کے بارے میں فرمایا کہ وہ عثور تھا اور عثور اُسے کہتے ہیں جو پیالے کو اُلٹا دے۔

جب امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو جبرائیل علیہ السلام نے سواری کے لیے بُراق حاضر کر دیا۔ آپ براق پر سوار ہو کر ہوا کے مانند اوپر کو اُڑے اور فضاؤں کو چیرتے ہوئے جا رہے تھے کہ پیاس محسوس ہوئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے دو برتن پیش کیے۔ ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔ یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے پیش آیا تھا (کیونکہ واقعۂ معراج مکہ معظمہ میں پیش آیا اور شراب مدینہ منورہ میں حرام ہوئی تھی)۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے، حضور! آپ نے بجا طور پر فطرت کو پسند فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو فطرت پر قائم رکھے گا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں دودھ پینے کی تعبیر علم سے فرمایا کرتے تھے۔

جب پہلے آسمان تک پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ دربان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا: میں جبرائیل ہوں۔ پھر پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: میرے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ سوال کیا: کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔ پس دروازہ کھول دیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر جبرئیل علیہ السلام دروازے میں داخل ہو گئے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا جن کے دائیں جانب اُن کے سعادت مند بیٹوں کی جنتی رُوحیں اور بائیں طرف بدبخت اولاد کی جہنمی رُوحیں تھیں۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے دائیں جانب نیک بختوں میں اپنی صورت بھی ملاحظہ فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ انسان ایک وقت میں دو جگہ (یا زیادہ جگہوں پر) کس طرح جلوہ گر ہو سکتا ہے؛ وہ صورت بعینہٖ آپ کی تھی کسی دوسرے کی نہیں۔ جیسے آئینے میں یا متعدد آئینوں میں کوئی شکل دیکھی جاتی ہے تو وُہ بعینہٖ اُسی انسان کی شکلیں ہوتی ہیں جو اُن کے سامنے ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے نیک بیٹے اور نیک نبی کہتے ہُوئے مرحبا کہا۔

اِس کے بعد سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر بُراق پہلے آسمان سے

فضا میں اُوپر کی جانب اُڑنے لگا اور دُوسرے آسمان تک جا پہنچا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دُوسرے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ یہاں بھی اُسی طرح سوال جواب ہُوئے جو پہلے آسمان میں ہو چکے تھے۔ بالآخر جب آپ دوسرے آسمان پر تشریف فرما ہُوتے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے اصلی جسم مبارک کے ساتھ جلوہ افروز ہیں کیونکہ اُنھوں نے اِس وقت تک وفات نہیں پائی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں آسمان پر اٹھا لیا تھا، جہاں اُنھیں سکونت بخشی اور اُس میں حاکم بنا دیا تھا۔

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، جو ہمارے پہلے شیخ ہیں اور جن کے ہاتھ پر ہم نے رجوع کیا ہے اور جن کی ہم پر یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ وہ ہم سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتے۔ اُنھوں نے فرمایا ہے: میں اُمید کرتا ہُوں کہ بوقت نزول انشاء اللہ تعالیٰ اُنھیں پا لُوں گا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحبا کہا اور دُعائیں دیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام اس پوری سیر میں ملنے والے تمام انبیاءِ کرام سے متعارف کراتے رہے۔ اِس کے بعد تیسرے آسمان تک پہنچے اور جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو یہاں بھی پہلے آسمانوں کی طرح سوال جواب ہُوئے۔ دروازہ کھُلنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ آپ نے سلام کیا اور اُنھوں نے آپ کو مرحبا کہتے ہُوئے دُعائیں دیں۔

اِس کے بعد چوتھے آسمان کی جانب عروج فرمایا۔ وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام نے جب دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو حسبِ سابق گفتگو ہُوئی۔ آخرکار دروازہ کھولا گیا تو وہاں ادریس علیہ السلام کو اُن کے اصل جسم کے ساتھ تشریف فرما دیکھا، کیونکہ ابھی تک فوت نہیں ہُوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بلند مقام کی طرف اٹھا لیا۔ اور وہ بلند جگہ یہی آسمان ہے جو سارے آسمانوں کا دل اور مرکز ہے۔ آپ نے سلام کیا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور دُعائیں دیں۔ اِس کے بعد بُراق آپ کو پانچویں آسمان تک لے گیا۔ وہاں بھی پہلے کی طرح گفتگو ہُوئی اور جب دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں حضرت ہارون اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو

جلوہ فگن پایا۔ آپ نے سلام کیا اور انھوں نے خوش آمدید کہتے ہُوئے دعائیں دیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر چھٹے آسمان تک پہنچے۔ جب اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو حسبِ سابق سوال جواب ہُوئے۔ دروازہ کھُلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام جلوہ افروز ہیں۔ آپ نے سلام کیا اور اُنھوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے دُعائیں دیں۔ پھر ساتویں آسمان کی طرف عروج کیا۔ اُس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو یہاں بھی وہی قیل وقال کا مرحلہ درپیش آیا۔ آخر کار دروازہ کھولا گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف فرما ہیں، جو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہُوئے تھے۔ آپ نے سلام کیا۔ اُنھوں نے مرحبا کہا اور ضُراح کی وجہ تسمیہ بتائی جو بیت المعمور ہی کا نام ہے (ابنِ اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ ضُراح ساتویں آسمان پر کعبے کے عین اُوپر ایک متبرک عمارت ہے جسے بیت المعمور کہا جاتا ہے)

آپ نے بیت المعمور کو اندر سے بھی دیکھا اور اُس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ کو بتایا گیا کہ بیت المعمور کے ایک دروازے سے ہر روز ستر ہزار فرشتے اندر داخل ہوتے ہیں اور دُوسرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ داخل ہونے والے دروازے کا نام باب مطالع الکواکب ہے اور جس دروازے سے باہر نکلتے ہیں اسے باب مغارب الکواکب کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ ان فرشتوں کو اللہ تعالےٰ روزانہ آبِ حیات کے قطروں سے پیدا فرماتا ہے، جو جبرئیل علیہ السلام کے پر جھاڑنے سے پیدا ہوتے ہیں جبکہ وُہ نہرِ حیات میں غوطہ لگا کر نکلتے ہیں اور اپنے پرُوں کو اِس طرح جھاڑتے ہیں جیسے پرندے کرتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام ہر روز اِس نہر میں ایک دفعہ غوطہ لگاتے ہیں۔

اِس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے اُس کے پھل مٹکوں کی طرح تھے اور پتّے ہاتھی کے کانوں جیسے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات سے ڈھانپ رکھا ہے۔ کوئی شخص سدرۃ المنتہیٰ کے پُورے اوصاف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ جب چشمِ انسانی

اُسے دیکھنے ہی سے قاصر ہے تو اُن تجلیات کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے؟ (لیکن اُس خلاصۂ کائنات کی بات ہی اَور ہے جو شربتِ دیدارِ الٰہی سے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کی حالت میں لُطف اندوز ہُوا) ۔ آپ نے دیکھا کہ سدرۃ المنتہٰی کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ دو ظاہری ہیں اور دو باطنی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ ظاہری نہروں کے نام نیل اور فرات ہیں۔ دونوں باطنی نہریں جنّت کی طرف بہتی ہیں۔ قیامت کے روز نیل اور فرات بھی جنّت کی جانب بہنے لگیں گی جو شہد اور دُودھ کی نہریں ہیں۔ جنّت میں چار نہریں (ان سمیت) ہوں گی۔ ایک پانی کی جو کبھی بدبودار نہیں ہوتا، دُوسری دُودھ کی نہر، جس کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہوتا۔ تیسری شراب کی نہر، جو لُطف اندوز کرتی ہے۔ چوتھی خالص شہد کی نہر ہے۔ یہ نہریں اُن لوگوں کے علوم میں برابر اضافہ کرتی رہیں گی، جو اُن سے پئیں گے۔ دُنیا میں اصحابِ ذوق ہی اُن کی لذتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اِس سلسلے میں ہم نے ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ خواہشمند حضرات کو اُس کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ بنی نوع انسان کے اعمال نامے سدرۃ المنتہٰی ہی پہنچائے جاتے ہیں جہاں اُن کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور روحوں کا مستقر بھی یہی ہے۔ اُوپر سے نازل ہونے کا پہلا مقام اور نیچے سے اُوپر آنے والوں کی یہ آخری حد ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا مقام اور جائے ظہور یہی ہے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں پہنچ کر بُراق سے اُتر گئے اور آپ کی سواری کے لیے رفرف پیش کیا گیا، جو دنیاوی مثال کے لحاظ سے پالکی کی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ آپ اُس پر سوار ہو گئے اور جبرئیلِ امین نے آپ کو اُس فرشتے کے سپرد کر دیا جو رفرف لایا تھا۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے ساتھ چلنے کے لیے فرمایا، کیونکہ اُن سے بیحد اُنس تھا۔ وہ عرض گزار ہُوئے: حضور! سرتابی کی مجال نہیں، لیکن میرے اندر آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں تو جل کر خاک سیاہ ہو جاؤں گا۔[1]

---

[1] اسی لیے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ؎

اگر یک سرِ مُوئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

کیونکہ ہر فرشتے کا ایک انتہائی مقام مقرر ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سیر اسی لیے کرائی ہے کہ حضور ہی اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیوں کا مشاہدہ فرما سکتے ہیں، لہٰذا جدائی کی پروا نہ کیجیے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں الوداع کہہ کر رفرف لانے والے فرشتے کے ہمراہ عرشِ معلّٰی کی جانب پرواز کرنے لگے۔ وہاں آپ نے قلموں کے تختیوں پر چلنے کی آوازیں سُنیں، جن سے اللہ تعالیٰ مخلوق میں جاری ہونے والے احکام رقم فرماتا ہے اور جو فرشتے بندگانِ حق تعالیٰ کے اعمال قلمبند کرتے ہیں۔ ہر قلم ایک فرشتہ ہے، جیساکہ اللہ جل شانہ، نے فرمایا ہے:

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ [1] ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا۔

اس کے بعد آپ تجلّیات میں گُم ہو گئے اور جو فرشتہ آپ کے ہمراہ آیا تھا (رفرف لے کر) وُہ پیچھے ہی آپ سے جُدا ہو گیا تھا۔ آپ تنہائی کے عالم میں وحشت زدہ ہو کر دائیں بائیں دیکھتے اور سوچتے تھے کہ اب کیا کروں؟ اُن تجلّیات کے باعث آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور تختیوں پر قلموں کے چلنے کی دل نواز اور رُوح پرور آوازوں سے حال کا غلبہ ہو کر یہ کیفیت طاری ہُوئی، لیکن دُوسری طرف آپ کو ان سے تقویت پہنچ رہی تھی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اُس چیز کا علم مرحمت فرما دیا جسے آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور نہ بذریعۂ وحی اُن کا علم دیا گیا تھا۔ اُس وقت آپ نے حق الیقین حاصل کرنے کی خاطر دیدارِ الٰہی کی درخواست پیش کی۔ اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی آوازیں یہ الفاظ سُنے:

یا محمد قف ان ربك یصلی۔ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ٹھہرو کہ تمہارا رب صلوٰۃ میں مصروف ہے۔ (ص ۱۳۲)

---

[1] پ ۲۵، سورہ الجاثیہ، آیت ۲۹

اِس خطاب سے آپ گھبرائے۔ ربّ تعالیٰ کا صلوٰۃ میں مصروف ہونا اِدھر متعجب کر رہا تھا تو اُدھر ابوبکر صدیق جیسے یارِ غار کی آواز مانوس بھی کر گئی تھی۔ ساتھ ہی رُوح پرور آواز میں سُنا،

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ۔ [1] وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔

جب اللہ تعالیٰ اُس صلوٰۃ سے فارغ ہُوا اور یہ فارغ ہونا اُسی قسم کا ہے جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ [2] جلد سب کام نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں، اے دونوں بھاری گروہ!

حالانکہ کوئی حال اُسے مشغول رکھے یہ اُس کی شان سے بعید ہے۔ لیکن دنیا میں مخلوقات کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر کسی کا زمان و مکان مخصوص و متعین ہے، جس سے نہ اُس کا زمانہ تجاوز کرسکتا ہے نہ مکان، بلکہ وُہی ہوتا ہے جو اُس کے علم میں ہے اور جو اُس کی مشیّت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اِس وقفے کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب خاص وحی فرمائی پھر آگے بڑھنے اور خاص مقامِ قرب میں داخل ہونے کی اجازت بخشی، اُس وقت:

فرأى عين ما علم لا غيره وما تغيرت عليه صورة اعتقاده۔ پس آپ نے عین ذاتِ باری کو دیکھا نہ کہ غیر کو، جسے جانتے تھے۔ اس سے آپ کے اعتقاد کی صورت میں کوئی فرق نہ آیا۔ (ص۱۴۲)

اللہ تعالیٰ نے وحی کے دوران روزانہ دن رات میں پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا۔ جب شبِ اسریٰ کا دُولھا واپس لوٹا اور مُوسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے سوال کیا کہ آپ سے کیا گفتگو ہُوئی اور کیا فرض کیا گیا؟ آپ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر روزانہ رات دن میں پچاس وقت کی نماز فرض کی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ مَیں اپنی اُمت کے ذریعے اِس کا تجربہ کرچکا ہوں۔ میں نے اِسے اچھا ذوق

---

[1] پ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۴۳ [2] پ ۲۷، سورۂ الرحمٰن، آیت ۳۱

شمار کیا تھا لیکن میری اُمت نے سخت پریشان کیا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ کی اُمت۔ اتنا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گی۔ آپ واپس لوٹ جائیں اور ان میں تخفیف کرائیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم واپس لوٹ گئے اور تخفیف کی گزارش کی تو دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ آپ نے اِس واقعے کی موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔ اُنھوں نے پھر مشورہ دیا کہ اپنے رب سے مزید تخفیف کرائیے۔ آپ واپس لوٹے اور دس نمازوں کی اور کمی ہو گئی۔ آپ نے اِس دفعہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو اُنھوں نے اور کمی کروانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے کمی کی درخواست پیش کی تو مزید دس نمازیں چھوڑ دی گئیں۔ آپ نے واپس آتے ہُوئے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو اُنھوں نے کہا اور کمی کروائیے۔ چنانچہ واپس لوٹے اور آپ کی درخواست پر صرف دس وقت کی نماز باقی رہ گئی۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو اُنھوں نے مزید تخفیف کے لیے کہا۔ آپ نے تخفیف کی درخواست کی تو اللہ جل شانہٗ نے پانچ وقت کی نماز فرض کرتے ہُوئے فرمایا کہ حبیب! تمھاری اُمت پانچ وقت کی نماز پڑھے گی اور مَیں اُسے پچاس نمازوں کا ثواب عطا کروں گا کیونکہ میرے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ آپ نے واپس لوٹتے ہُوئے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو اُنھوں نے اِس دفعہ بھی تخفیف کروانے کے لیے کہا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کیونکہ اُس نے ایسا اور ایسا فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ اُنھیں الوداع کہتے ہُوئے واپس لوٹے اور طلوعِ فجر سے پہلے زمین پر تشریف لے آئے اور حجرِ اسود کے پاس اُترے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور دولت کدے پر رونق افروز ہو گئے (حالانکہ بستر اُسی طرح گرم تھا۔ وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور دروازے کی کُنڈی ہِل رہی تھی) صبح کے وقت آپ نے لوگوں سے اس کا ذکر کیا تو ایمان والوں نے بلے چُون وچرا اسے تسلیم کر لیا، منکروں نے جھُوٹ قرار دیا اور شک کرنے والے شکوک و شبہات کی گھاٹیوں میں بھٹکنے لگے۔

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو قافلے کی خبر دی اور اُس شخص کا واقعہ سنایا جو وضو کر رہا تھا اور اُس کے پیالے کو بُراق نے اُلٹا دیا تھا۔ چنانچہ آپ کے بتانے ہی کے مطابق قافلہ پہنچا اور جب اُس شخص سے پُوچھا گیا جس کے پیالے کو

براق نے بوقتِ وضو اُلٹ دیا تھا تو اُس نے بھی اِس خبر کی تصدیق کر دی۔ آپ کو جھٹلانے والوں میں سے ایک ایسے شخص نے آپ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کیے، جس نے بیت المقدس دیکھا تھا۔ حالانکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اس کے صرف اُسی حصّے کو دیکھا تھا، جس میں ٹھہرے اور نماز ادا کی تھی۔ پس:

فرفعه الله تعالیٰ له حتی نظر الیه فاخذ ینعته للحاضرین فما انکروا من نعته شیئاً ولو کان الاسراء بروحه وتکون رؤیا راٰها کما یری النائم فی نومه ما انکره احد ولا نازعه احد وانما انکروا علیه کونه اعلمهم ان الاسراء کان بجسمه فی هٰذه المواطن کلها۔ (ص ۱۲۳)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے رکھ دیا، یہاں تک کہ آپ نے اُسے دیکھ کر حاضرین کے سامنے اُس کے حالات بیان کر دیے۔ آپ کے بیانات کو جھٹلانے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اگر معراج و اسراء کا واقعہ رُوحانی ہوتا اور صرف خواب ہوتا، جیسے سونے والا حالتِ خواب میں دیکھتا ہے تو کوئی انکار کرتا نہ جھگڑتا۔ اِس کا انکار اسی بنا پر کیا گیا، جبکہ آپ نے اُنھیں بتایا کہ اِن جملہ مقامات کی سیر جسمانی حالت میں کی ہے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چونتیس ۳۴ مرتبہ معراج کی۔ اُن میں سے ایک جسمانی اور باقی سب روحانی ہیں، جو خواب کی شکل میں ہوئیں۔ اولیائے کرام کو بھی روحانی برزخی سیر کرائی جاتی ہے۔ جن کے ذریعے وہ معانی و رموز کا ایسی شکل و صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ پردۂ خیال پر اُن کا اظہار محسوس صورتوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پس ایسے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو:

یعطون العلم بما تتضمنه تلك الصور من المعانی ولهم الاسراء فی الارض وفی الهواء غیر انهم لیس لهم قدم

اِن صورتوں کے ذریعے اُنھیں معانی کا علم عطا فرمایا جاتا ہے۔ اِن کی سیر زمین اور ہوا میں ہوتی ہے، لیکن اُن کے قدم آسمان پر محسوس نہیں ہوتے۔ اِسی لیے تمام سیر

محسوسة فی السماء وبهذا	کرنے والوں کی جماعت پر رسول اللہ صلی اللہ
زاد علی الجماعة رسول اللہ	تعالیٰ علیہ وسلم کو فوقیت ہے کہ آپ کی سیر
صلی اللہ علیہ وسلم باسراء الجسم	جسمانی ہے، جس میں جسمانی طور پر آسمانوں
واختراق السمٰوٰت والافلاک	سے گزرے اور محسوس حقیقت کے ساتھ
حسا وقطع مسافات حقیقة	فاصلے طے کیے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
محسوسة وذالک کله	وسلم کے وارثوں کو حسی نہیں بلکہ معنوی سیر
لورثته معنی لاحسًا من	کروائی جاتی ہے جو آسمانوں تک ہو سکتی ہے
السمٰوٰت فما فوقها۔ (ص۱۲۳)	بلکہ اُن سے بھی اُوپر تک۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا اِس سلسلے میں منظوم نغمۂ تہنیت ملاحظہ ہو :

الم تر ان اللہ اسرٰی بعبده	من الحرم الاول الی المسجد الاقصٰی
الی ان علا السبع السمٰوٰت قاصدًا	الی بیته المعمور بالملاء الاعلٰی
الی السدرة العلیاء وکرسیه الاحمٰی	الی عرشه الاسنی الی المستوی الازهٰی
الی سبحات الوجه حتّٰی تقشّعت	سحاب العمی عن عین مقلته النجلا
فکان تدلیه علی الامر اذ دنا	من اللہ قربًا قاب قوسین اوادنٰی
وکان عیون الکون عنه بمعزل	تلاحظ ما یسقیه بالمورد الاحلٰی
فخاطبه بالانس صوت عتیقه	توقف فرب العرش سبحانه صلّٰی
فازعجه ذاک الخطاب وقال هل	یصلّی الٰهی ماسمعت به یتلٰی
فشال حجاب العلم عن عین قلبه	واوحٰی الیه فی الغیوب الذی اوحٰی
فعاین ما لا یقدر الخلق قدره	وایده الرحمٰن بالعروة الوثقٰی
والقاه مشتاقًا الی وجه ربّه	فاکرمه الرحمٰن بالمنظر الاجلٰی

ومن قبل قدکان اُشهد قلبه

بغار حراء قبل ذالک فی النجوٰی

۱۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے کو حرمِ اوّل سے مسجدِ اقصٰی

تک سیر کرائی۔

۲۔ حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں کو پار کرتے ہوئے بیت المعمور اور ملاءِ اعلیٰ تک جا پہنچے۔

۳۔ بلند سدرۃ المنتہیٰ، محفوظ کرسی، باعظمت عرش اور روشن مستوی تک پہنچے۔

۴۔ ذاتِ الٰہیہ کے پردوں کی جانب قصد فرمایا تو روشن آنکھوں کے سامنے سے بصارت کی کوتاہی کے سیاہ بادل چھٹ گئے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہونا کہ دو ہاتھ کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ جانا ۔ یہ باغِ دنیٰ تک پہنچنا امرِ الٰہی سے حاصل ہوا تھا۔

۶۔ دنیا کی آنکھیں اُن انعامات و عطیات کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو آپ کو بلند مقام پر بلا کر شیریں گھاٹ سے سیراب کیا جا رہا تھا۔

۷۔ وہاں مانوس کرنے کے لیے آپ کے یارِ عتیق (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی آواز میں مخاطب کیا آپ ٹھہر گئے کہ رب العرش صلوٰۃ میں مشغول ہے۔

۸۔ اِس خطاب سے آپ متعجب ہوئے اور فرمایا: کیا میرا رب صلوٰۃ میں مشغول ہوتا ہے؟ یہ جو کچھ ہیں تے سنا ہے ، زبان زد خاص و عام ہو جائے گا۔

۹۔ آپ کے قلب مبارک کی آنکھ سے علم کا حجاب اُٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف ایسے خاص غیوب کی وحی فرمائی جو اُس نے وحی فرمانا چاہا۔

۱۰۔ آپ نے اُس ذات کا مشاہدہ کیا جس کے دیکھنے کی مخلوق میں طاقت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضبوط رسّی (اسلام) کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی۔

۱۱۔ جب آپ کو دیدارِ الٰہی کا انتہائی مشتاق دیکھا گیا تو اللہ رب العزت نے روشن منظر کے ساتھ آپ کو یہ کرامت بخشی۔

۱۲۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ کے قلب مبارک کو غارِ حرا میں خاص سرگوشی پر گواہ بنایا گیا تھا۔

اس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بہت سے فوائد لکھے ہیں، اُن میں روحانی معراج کے متعلق بڑے اہم فوائد ہیں اور طویل بحث کی ہے۔ خواہش رکھنے والے حضرات

فتوحاتِ مکیہ کی طرف رجوع کریں۔

اوّل الخلق شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۸۲، صفحہ ۱۷۶ پر فرمایا ہے کہ فخرِ موجودات، آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشری نبوت سے پہلے بھی موجود تھے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا جسم تیار کیا جا رہا تھا اور آپ ہی سب میں آخری نبی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ [1]	ہاں وُہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں میں پچھلے ہیں۔

جب یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رفعِ مناسبت اور تمیزِ مرتبہ کی خاطر وضاحت فرما دی کہ میرا حبیب تمہارے کسی بھی مرد کا نسلی باپ نہیں ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی صاحبزادہ زیادہ عرصہ دنیا میں زندہ نہیں رہا۔ اِس سے ایک جانب آپ کی بزرگی وعظمت کا اظہار مقصود ہے۔ دُوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ خاتم النبیین یعنی بلحاظ زمانہ آخری نبی ہیں۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

انّ الرسالة یعنی البعثة	بیشک رسالت یعنی شریعت لے کر لوگوں کی
الی الناس بالتشریع لهم	طرف مبعوث ہونا اور نبوت کا سلسلہ ختم
والنبوة قد انقطعت ای ما	ہو گیا ہے یعنی اب یہ گنجائش نہیں رہی کہ کسی
بقی من یشرع له من	حکم کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی
عنه الله حکم یکون علیه	طرف سے ہے اور وہ ہماری شریعتِ مطہرہ
لیس هو شرعنا الذی جئنا	میں نہ ہو، جسے ہم لے کر آئے ہیں۔
به فلا رسول بعدی یأتی یشرع	پس ہمارے بعد کوئی رسول نہیں جو ہماری

---

[1] پ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۴۰

يخالف شرعي الى الناس ولا
نبي يكون على شرع ينفرد به
من عند ربه يكون عليه
فصرح انه خاتم نبوة
التشريع ولو اراد غير ما
ذكرناه لكان معارضاً
لقوله ان عيسى عليه السلام
ينزل فينا حكماً
مقسطاً يؤمنا بنا اي
بالشرع الذي نحن عليه
ولا شك فيه انه رسول و
نبي فعلمنا انه صلى الله
عليه وسلم اراد انه
لا شرع بعده ينسخ شرعه
ودخل بهذا القول كل
انسان في العالم من زمان
بعثه الى يوم القيامة في
امته فالخضر و
الياس وعيسى من
امة محمد صلى الله عليه وسلم
الظاهرة ومن ادم الى زمن
بعثة رسول الله صلى الله
عليه وسلم من امته الباطنة

شرع کے خلاف شریعت لے کر آئے اور نہ
لوگوں کی طرف کوئی نبی آئے گا جو ایسی شریعت
پر عامل رہے جس میں متفرد ہو اور وہ اُس
پر عامل ہونے کا اپنے رب کی طرف سے دعویٰ
کرے۔ پس آپ نے تصریح فرما دی کہ تشریعی
نبوت آپ کے ذریعے ختم ہو گئی۔ اگر مذکورہ معانی
کے علاوہ مفہوم لیا جائے تو اِس فرمانِ رسالت
کے معارض ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں
عادل حاکم کے بطور نازل ہوں گے۔ وہ
ہماری شریعت کے ساتھ اُمتِ محمدیہ کی
امامت کا فریضہ ادا کریں گے، حالانکہ بیشک
وہ نبی اور رسول ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ
فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے
کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں جو شریعتِ
محمدیہ کو منسوخ کرے۔ اِس ارشادِ گرامی کے
مطابق آپ کے مبعوث ہونے کے وقت سے
قیامت تک دنیا کے سارے انسان آپ
کی اُمت میں شامل ہیں۔ پس حضرت خضر،
حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام
بھی ظاہری اُمتِ محمدیہ میں شامل ہیں اور
آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تک جتنے انسان
ہوئے وہ آپ کی باطنی اُمت ہے۔ پس

فھو النبی بالسابقۃ وھو	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلوں کے بھی
النبی بالخاتمۃ فظھر من	نبی ہیں اور پچھلوں کے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ
کلام رسول اللہ صلی اللہ	تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے ظاہر
علیہ وسلم ان السابقۃ	ہو گیا کہ آپ کی پہلی نبوت (قبل از بعثت)
عین الخاتمۃ فی النبوۃ۔ (ص ۱۴۳)	بھی بالکل پچھلی نبوت کی طرح ہے۔

مقامِ مصطفیٰ کا نرالا احترام

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، باب ۵۴۰، صفحہ ۲۲۴ پر لکھا ہے کہ پاکیزہ ناموں والے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ [1]	بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ	اور خوشخبری سنا اُن صبر والوں کو کہ جب
اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْآ	اُن پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ [2]	مال ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنا ہے۔

اِس معیت کا سارا دارو مدار شہود پر ہے کیونکہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی اور محسن ہوں۔ پس وہ صبر کرنے والوں، پرہیز گاروں اور احسان کرنے والوں کو اپنی معیت یعنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ یہاں جس معیت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف صبر کرنیوالوں سے متعلق ہے اور اِس صبر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر صبر کرنا مراد ہے، یہاں تک کہ آپ اُن کے پاس تشریف لے آتے۔ پس جو اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کرے اُس کا حال کیا ہوگا؟

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُس کے پاس ہوتا ہے جو اُس کا ذکر کرے۔ پس رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ حضرتِ حق سبحانہٗ کے جلیس رہے۔ پس جس کے پاس سرورِ کون و مکاں

---

[1] پ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۳

[2] پ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۵، ۱۵۶

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائیں تو اپنے رب کے پاس ہی سے تشریف لاتے ہیں اور
اُسے بشارت دیتے یا نصیحت فرماتے ہیں کیونکہ آپ لوگوں کے لیے باعثِ خیر و برکت ہیں۔
اِس کے برعکس آپ کی تشریف آوری اُنھیں آخرت میں مایوس کرنے والی ہوتی تو کب آپ کو
باعثِ خیر و برکت شمار کیا جاتا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خیر ہونے کی گواہی دی ہے۔ پس
ثابت ہُوا کہ آپ یقیناً خیر ہیں اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ خیر ہونا نیک بختی کے قریب کرنیوالی
اچھی بشارت، وصیت اور نصیحت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جتنے احکام مشروع کروائے، جو اُن پر صبر کرے تو
اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ضرور اپنے حبیب کو بھیجے گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی صورت دُوسرا کوئی بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ پس جس کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی زیارت نصیب ہوئی بے شک اُس نے حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو
دیکھا لیکن خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر چیز پر
پڑتی ہیں اور ہر ایک چیز اُسی کے سبب ظاہر ہُوئی ہے۔ عارف باللہ جانتا ہے کہ ہر وُہ شے
جسے دیکھا جاتا ہے وہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیک بختی اور بدبختی دینے والا ہے، لیکن
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نہیں ہیں، اسی لیے آپ کی رویت پر اعتماد کیا جائیگا۔
لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ واقعی اللہ جلّ شانہٗ ہی کو
دیکھا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس انسان یا جِنّ نے الوہیت کا دعوٰی کیا وہ اسی
سبب سے ہے جس کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں اور لوگوں نے اُس کے دعوے کو قبول
کر کے خدا کے سوا اُس کی عبادت کی لیکن آج تک کوئی اِس بات پر قادر نہیں ہو سکا کہ وہ
محمد بن عبداللہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کا دعوٰی کر سکے، خواہ نبی ہونے کا
دعوٰی کرتا پھرے لیکن محمد ہونے کا دعوٰی نہیں کیا جا سکا اور نہ ایسے کسی دجّال کو محمد کہا جائیگا۔
(صلی اللہ علیک یا رسول اللہ) بلکہ اُس سے اِس تلبیس کی وجہ دریافت کی جاتے گی۔
پس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی و اسمِ گرامی کی

عصمت سے خبردار رہنا چاہیے کہ کائناتِ ارضی و سماوی میں سے کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو کشف، نیند یا بیداری کی حالت میں آپ کی جگہ متصوّر یا متشکل ہو سکے۔ پس جس شخص نے اُس راحتِ جان و قرارِ زمین و آسمان کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی یقیناً اُس نے آپ ہی کو دیکھا ہے اور آپ کا حُسن و جمال اگر متغیر نظر آئے تو یہ دیکھنے والے کی اپنی حالتِ ایمانی کا قصور ہے اور یہ تغیر اُس مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتا ہے جس میں کوئی آپ کو دیکھے یا دوسروں کے اختلاطِ امور کے باعث۔ یہ سب کچھ اُس کی شرعی صورت کی طرف لوٹتا ہے اور یہی حال قبح کا ہے جس میں تغیر واقع ہو پس حُسن و قبح میں آپ کی صورت کا متغیر ہونا دیکھنے والے کی حالت یا زمانے والوں کے حالات سے خبردار کرتا ہے یا اُس مکان کے لحاظ سے ہے جس میں کوئی آپ کو دیکھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس میں حُسن یا قبح ہے وہ اُس سے خارج نہیں ہے۔ اور ہر شئے حَسَن ہے اُس میں کوئی قباحت نہیں ہے قباحت تو شریعت کے لحاظ سے ہے۔ غرض مندوں کی نظر میں غرض کے لحاظ سے، اصحابِ مزاج کی نظر میں مزاج کی ناموافقت کے باعث اور اہلِ فکر و نظر کی بارگاہ میں حکمت کے لحاظ سے اشیاء میں خوبی یا نقصان شمار کیا جاتا ہے۔ جس شخص میں یہ تغیر اور ہجران پایا جاتے اُسے چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرے [1]

---

[1] اسی لیے مولانا کفایت علی کافی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ؎

ہر مرض کی دوا درود شریف — دافعِ ہر بلا درود شریف
وِرد جس نے کیا درُود شریف — اور دل سے پڑھا درود شریف
حاجتیں سب روا ہُوئیں اُس کی — ہے عجب کیمیا درود شریف
جو مُحِبِّ جنابِ احمد ہے — اُس کا مونس ہُوا درود شریف
اے صبا! تُو ہی جا کے پہنچا دے — بر درِ مصطفیٰ درود شریف
آفتابِ سپہرِ ایماں ہے — گوہرِ پُر ضیا درود شریف

توشۂ راہِ آخرت کیجیے
کافیؔ بے نوا درود شریف

اہلِ محبت کو چاہیے کہ درود پاک کے ذکر پر صبر و استقلال کے ساتھ ہمیشگی کریں یہاں تک کہ بخت جاگیں اور وُہ جانِ جہاں خود قدم رنجہ فرمائیں اور شرف زیارت سے نوازیں۔ مَیں نے اِس ذکر پر کماحقہٗ ہمیشگی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا سوائے ایک عظیم فرد کے۔ وُہ اشبیلیہ کا ایک لوہار تھا اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے نام ہی سے مشہور ہو گیا تھا۔ اُسے ہر ایک اِسی نام سے جانتا تھا۔ جب مَیں اُس سے ملا اور دُعا کی درخواست کی تو اُس نے میرے لیے دُعا مانگی، جس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ وہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک ہمیشہ پڑھتے ہی رہنے کے باعث مشہور تھا اور بغیر کسی خاص ضرورت کے کسی سے گفتگو نہیں کرتا تھا۔ جب اُس کے پاس کوئی شخص آتا کہ اُسے لوہے کی کوئی چیز بنا کر دے تو وہ کام کو مشروط کر لیتا تھا کہ ویسی ہی چیز بنائے گا اور اُس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کرے گا۔ اُس کے پاس جو بھی مرد، عورت یا بچّہ آ کر کھڑا ہوتا تو واپس لوٹنے تک اُس کی زبان پر بھی درودِ پاک ہی جاری رہتا۔ پس وُہ اپنے شہر میں اِسی مقدس مشغلے کی وجہ سے ہر خاص و عام کے دِلوں اور دماغوں میں سمایا ہوا تھا اور حقیقت میں اُس کا شمار اللہ والوں (اولیاء اللہ) میں تھا۔ اِس ذکر کرنے والے کے سامنے جو نوازشات کے طور پر نتیجہ سامنے آتا ہے وہ برحق علم ہے اور باطل کی آمیزش سے پاک صاف ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کے پاس وہی چیز پہنچتی ہے جو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے آتے۔ ایسے شخص پر آقائے کائنات خود تجلّی بار ہوتے اور خود اُسے خبر دیتے ہیں۔

خواجہ اَبُو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ مبارک میں ایک شخص کسی سے ملا اور اُس سے پُوچھنے لگا کہ کیا آپ نے اَبُو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ اُس نے جواب دیا: مَیں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہُوا ہے تو مجھے اَبُو یزید کو دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پہلے شخص نے کہا کہ اگر تُو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار بھی دیکھ لیتا تو اللہ تعالیٰ کو ہزار دفعہ دیکھنے سے بہتر ہوتا۔ دُوسرے نے جب یہ سُنا تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب چل پڑا اور نزدیک پہنچنے پر اُسی شخص کے ہمراہ حضرت بایزید کے راستے میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا اُس راستے سے گزر ہوا اور آپ کے بال کانوں کی لَو سے

نیچے لٹک رہے تھے۔ پہلے شخص نے بتایا کہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ یہی ہیں۔ دوسرے نے جب مردِ کامل کی طرف دیکھا تو دیکھتے ہی اُس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔

جب حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اِس واقعے کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: وُہ اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے اعتبار سے دیکھتا تھا لیکن جب اُس نے ہمیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ ہماری طاقت کے اعتبار سے اُس کے لیے ظاہر ہُوا اور اُس کے برداشت کی طاقت نہ رکھنے کے باعث دم توڑ گیا۔ اِس واقعے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کامل رویت وہی ہے جو صورتِ محمدیہ سے رویتِ محمدیہ میں حاصل ہو گی۔ ہم لوگوں کو زبانی اور یہ کتاب لکھ کر شوقِ درود شریف دلاتے ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے اور سب تعریفیں ایک خدا کے لیے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

امام فخر الدین رازی

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل اور حالات اپنی مایۂ ناز تفسیرِ قرآنِ کریم یعنی تفسیر کبیر میں متفرق اور متعدد مقامات پر بیان کیے ہیں یہاں موصوف کے چند جواہرات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ الامام الہمام، احد اعلام الاسلام، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا	بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری
وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ	اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ [1]	سوال نہ ہوگا۔

کے تحت فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جب آپ کی قوم نے معاندانہ سلوک کرنا شروع کر دیا۔ بغیر کسی معقول وجہ کے آپ سے جھگڑنا شعار بنا لیا اور آپ کو نیچا دکھانے کی غرض سے معجزات طلب کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ مژدہ سنا کر تسلی دی کہ تم نے دینی مصالح کو دلائل کے ساتھ ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور جتنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام کر دکھایا ہے اس سے زیادہ قطعاً ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا تسلی دی کہ قوم اگر کفر پر اصرار کرتی ہے تو تبلیغ میں کمی یا کوتاہی کے باعث نہیں ہے۔

آپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیت:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا	اے رب ہمارے! اور بھیج اُن میں ایک رسول

---

[1] پ ۱، سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۹

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ — اِنھیں میں سے ، اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ — اور اِنھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے

وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ — اور اِنھیں خوب ستھرا فرمائے ۔ بے شک

الْحَكِيْمُ ۝ [1] — تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اِس دعائے ابراہیمی میں رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اِس مراد پر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں :

پہلی وجہ : مفسّرین کا اسی مفہوم پر اجماع ہے اور اجماعِ مفسّرین حجت ہے ۔

دوسری وجہ : سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہُوں ۔ دُعائے ابراہیمی سے آپ کا استارہ مذکورہ بالا آیۂ کریمہ کی جانب ہوتا تھا۔ عیسٰی علیہ السلام کی بشارت کو سورہ صف میں اللہ ربّ العزّت نے یُوں بیان فرمایا ہے :

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ — اور اُن رسول کی بشارت سُناتا ہوں جو میرے

بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ۔ [2] — بعد تشریف لائیں گے اور اُن کا نام احمد ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ معظمہ میں اپنی اولاد کے لیے مانگی تھی جو کہ مکہ مرادر اُس کے اردگرد آباد تھی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مکّہ معظمہ اور اُس کے گرد نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے مبعوث نہیں فرمایا۔

فائدہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے جبکہ یہ پڑھتے ہیں ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ ۔ اِس کا جواب کئی وجوہ سے دیا گیا ہے :

---

[1] پ ۱ ، سورۂ البقرہ ، آیت ۱۲۹ [2] پ ۲۸ ، سورہ الصف ، آیت ۶

وجہ اوّل چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں دُعا مانگی تھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ[1] اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے، جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔

جب خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُعا کرنے کا حق واجب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب سے اِس حق کو یُوں ادا کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اُمتِ محمدیہ کی زبانوں پر قیامت تک کے لیے جاری کر دیا۔

وجہ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ربِ کریم سے یہ سوال کیا تھا:

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝[2] اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔

یعنی اے پروردگارِ عالم! اُمتِ محمدیہ کی زبانوں پر میری تعریف جاری رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جاری کر دیا تاکہ اُمتِ محمدیہ میں اُن کا ذکرِ خیر باقی رہے۔

وجہ سوم حضرت ابراہیم علیہ السلام ملتِ اسلامیہ کے باپ تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ[3] تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوالرحمۃ ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں ہے کہ: اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَهُوَ أَبٌ لَّهُمْ اور

---

[1] پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۹ [2] پ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۸۴
[3] پ ۱۷، سورۂ الحج، آیت ۷۸

اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴿۱﴾ مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔

اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میں تمھارے لیے باپ کی طرح ہوں یعنی شفقت اور مہربانی کرنے میں۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ابوّت واجب اور ثابت ہے، اِس وجہ سے دونوں کے ذکر کو مدح و ثنا اور دُرود پاک میں جمع کر دیا گیا ہے۔

وجہ چہارم حضرت ابراہیم علیہ السلام شریعت سے حج کے منادی تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴿۲﴾ اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے۔

اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین کے منادی تھے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا اے رب ہمارے! ہم نے ایک منادی کو
يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا سُنا کہ ایمان کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے
بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ﴿۳﴾ رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اور خلیل علیہما السلام کے ذکرِ جمیل کو یہاں جمع فرما دیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے رسول کی دُعا کی جو اُن میں سے ہو اور اُن کی طرف رسول بن کر آئے تو اُنھوں نے اُس عظیم الشان رسول کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے۔ مثلاً يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ یعنی اے اللہ! وہ اُن پر تیری آیتیں تلاوت کرے۔ اِس مفہوم کو اختیار کرنے کی دُو وجہ ہیں:

پہلی وجہ یہی قرآنِ مجید و فرقانِ حمید ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ پس جس کی آپ قوم پر تلاوت کرتے تھے وُہ اِس کے علاوہ کوئی

﴿۱﴾ پ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸ ﴿۲﴾ پ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۲۷

﴿۳﴾ پ ۴، سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۹۳

دُوسری کتاب یا کلام نہیں۔ لہٰذا ضروری ہُوا کہ تلاوت کو اسی پر محمول کیا جائے۔

دوسری وجہ جائز ہے کہ مذکورہ آیات صانع کے وجود پر دلالت کرنے والی ہوں اور اُن کی تلاوت کرنے سے مقصود یہی ہو کہ وُہ اِن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کریں۔ آیات تلاوت کر کے قرآنِ کریم کی جانب لوگوں کو بُلائیں اور ایمان جیسی متاعِ عزیز سے اُنھیں مالا مال کر دیں۔ دوسرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (اور وہ اُنھیں کتاب سکھاتے)۔ اِس سے مراد یہی ہے کہ وہ رسول لوگوں کو کتاب کی تلاوت کرنے کا حکم دے گا اور اُس کے معانی اور حقائق کی تعلیم دے گا۔ کیونکہ تلاوت کئی وجہ سے مطلوب و مقصود ہے:

وجہ اوّل اہلِ تواتر کی زبانوں پر اس کے الفاظ کو باقی رکھنے کی غرض سے تاکہ اس کے الفاظ تحریف اور تبدیل ہونے سے بچے رہیں۔

وجہ دوم یہ ہو سکتی ہے کہ اِس کے الفاظ اور حُسنِ ترتیب و نظم وغیرہ آپ کا معجزہ ہو۔ اِس تلاوت میں عبادت و اطاعت پائی جاتی ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم کی قرأت و تلاوت کا نمازوں اور دیگر عبادتوں میں عبادت کا مقام ہو۔ یہ تلاوت کا حکم ہے لیکن سب سے بڑی حکمت اور اعلیٰ مقصد اِس کے ذریعے دلائل اور احکام کی تعلیم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور نور کے ساتھ قرآنِ کریم کی تعریف کی ہے، کیونکہ اِس میں معانی، حکمتیں اور اسرار و رموز ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اِس کی تعلیم کا ذکر کیا اور اُس کے بعد اِس کے حقائق و اسرار کا تذکرہ فرمایا۔

وجہ سوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف سے تیسری صفت یہاں حکمت بیان فرمائی ہے یعنی آپ لوگوں کو حکمت بھی سکھائیں اور یہ جاننا ضروری ہے کہ قول اور فعل کی اصلاح کو حکمت کہتے ہیں اور جس شخص کے اندر یہ دونوں اوصاف پائے جائیں اسے حکیم (دانا) کہا جائے گا۔

حکمت کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پُوچھا کہ حکمت کیا چیز ہے؟ اُنھوں نے

فرمایا کہ دین کی معرفت اور اُس کی فقاہت کا ادراک و فہم اور ان کے مطابق اتباع کرنیکا نام حکمت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکمت قرار دیا ہے یہی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ لیکن انھوں نے حکمت کے مرادی معنی میں اور بھی کئی اقوال نقل کیے ہیں۔

وجہِ چہارم کے بارے میں انھوں نے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ وَیُزَکِّیْهِمْ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہاں یہ چوتھی صفت مذکور ہوئی ہے۔ تزکیہ کی دو تفسیریں منقول ہیں:

پہلی تفسیر اِس سے ایسا فعل مراد ہے جو تلاوتِ قرآنِ کریم اور تعلیم کتاب و حکمت کے علاوہ ہے اور اُن کی پاکیزگی کے لیے سبب کا حکم رکھتا ہو اور وہ ایسے امور ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے واقع ہُوا کرتے تھے جیسے وعدہ، وعید، پند و موعظت، وعظ و نصیحت وغیرہ کی تکرار کرنا اور لوگوں کی دنیاوی امور میں اس طرح رہنمائی فرمانا کہ وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے اور نیک اعمال کے پابند بن جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اس طریقے سے کوشاں رہتے اور اُنھیں ایمان کی طرف بُلانے اور اعمالِ صالحہ کا پابند کرنے کی خاطر اپنی دعوت کو تقویت پہنچانے والے نیک کاموں کا سہارا بھی لیتے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف و توصیف میں فرمایا ہے کہ میرا حبیب خُلقِ عظیم کا مالک ہے اور خود سرورِ کون و مکاں، تاجدارِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

دُوسری تفسیر قیامت میں جب ہر شخص کے اعمال پر گواہی ہوگی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے عادل اور پاکباز ہونے کی شہادت دیں گے۔ مُزَکِّی سے مراد صفائی بیان کرنے والا بھی ہے یعنی آپ اپنی اُمت کی صفائی کے لیے گواہی دیں گے۔

پہلی تفسیر زیادہ عمدہ ہے کیونکہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ جنت حاصل کرتے ہیں کامیاب ہو جاتے۔ یہ مقصد کتاب و حکمت کی تعلیم دینے، نیک اعمال کی پُوری تن دہی سے رغبت دلانے اور بُرے کاموں کے مآل سے

ڈرانے کے باعث ہی پورا ہو سکتا ہے اور یہی تزکیہ ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے میں پہلی تفسیر کو بڑا دخل ہے۔ اِس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہی ہے۔

افضلیتِ مصطفیٰ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ [۱]	یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ گروہ انبیائے کرام علیہم السلام میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ اس افضلیت کی متعدد وجوہات ہیں مثلاً،

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ [۲]	اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

(امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے):

فلما كان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رحمة لكل العالمين لزم ان يكون افضل من كل العالمين۔ (ص۱۴۸)	جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کائنات کے جملہ افراد سے افضل ہوں۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [۳] فقيل فيه لانه تعالىٰ قرن ذكر محمد صلى الله عليه وسلم	اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت اذان اور تشہد میں اپنے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ

---

[۱] پ ۳، سورۂ البقرہ، آیت ۲۵۲
[۲] پ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷
[۳] پ ۳۰، سورۂ الانشراح، آیت ۴

يذكره فی كلمة الشهادة و	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو ملایا ہے
فی الاذان وفی التشہد ولم	جبکہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا اس
یکن ذکر سائر الانبیاء کذالک۔ (ص ۱۴۶۵)	طرح ذکر نہیں کیا۔

تیسری دلیل اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے مثلاً:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ	جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے
اَطَاعَ اللّٰهَ۔ ؂۱	اللہ کا حکم مانا۔

اور آپ کی بیعت کو اپنی بیعت کے ساتھ ملایا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا	وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے
يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ	بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا
اَيْدِيْهِمْ۔ (؂۲)	ہاتھ ہے۔

اور اپنی عزت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت کو وابستہ کیا ہے، مثلاً:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ ؂۳	اور عزت اللہ کی اور اُس کے رسول کی۔

اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا سے اپنی رضا کو ملحق کیا ہے، جیسا کہ خود فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ	اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اُسے
يُّرْضُوْهُ۔ ؂۴	راضی کرے۔

اور اپنے حکم کی تعمیل کو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے ملاتے ہوئے فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا	اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول
لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ۔ ؂۵	کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔

؂۱ پ ۵، سورۂ النساء، آیت ۸۰ — ؂۲ پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۱۰

؂۳ پ ۲۸، سورۂ منافقون، آیت ۸ — ؂۴ پ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۶۲

؂۵ پ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۲۴

چوتھی دلیل اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآنِ کریم کی جس سورت سے چاہو کفار کو مقابلے کا چیلنج دو، جیسا کہ فرمایا ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ ؎۱ تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔

قرآن کریم کی تین آیات والی سب سے چھوٹی سورۂ کوثر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی ہر تین آیات سے مقابلے کی دعوت دی۔ چونکہ قرآنِ کریم کی چھ ہزار سے بھی زاید آیات ہیں تو اِس لحاظ سے یہ ایک ہی معجزہ نہیں بلکہ دو ہزار سے زیادہ معجزات کا مجموعہ ہے۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو آیاتِ بینات (معجزات) کے ساتھ مشرف و مکرم فرمایا تھا، پس جس کو قرآنِ کریم کے ذریعے اتنی کثیر آیاتِ بینات (دو ہزار سے زائد معجزات) سے نوازا ہو اُس کے شرف اور بزرگی کی کیا حد ہو گی؟

پانچویں دلیل جب ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی ایک معجزہ دیگر ہر نبی کے سارے معجزات سے افضل ہے تو ثابت ہُوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیگر جملہ انبیائے کرام سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اِس سلسلے میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک تو یہ ارشاد ہے: تمام کلاموں میں قرآنِ کریم ایسا ہے جیسے جُملہ موجودات میں بنی نوعِ انسان۔ دُوسرا ارشاد یہ ہے کہ: خلعت جس قدر اشرف و اعلیٰ ہو، اُس کا پہننے والا بادشاہ کے نزدیک اُتنا ہی معزّز و مکرم ہوتا ہے۔

چھٹی دلیل سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ قرآنِ کریم ہے، جو حروف اور اصوات کی جنس سے ہے اور یہ اعراض ہیں، جو باقی رہنے والے نہیں ہوتے۔ اِس کے برعکس دیگر انبیائے کرام کے معجزات اُمورِ باقیہ کی جنس سے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کو آخر زمانے تک باقی رکھا اور دیگر انبیائے کرام کے سارے معجزے ختم بھی ہو چکے، جن کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

ساتویں دلیل اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

؎۱ پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۲۳

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ۔ ؎۱ یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم انہیں کی راہ چلو۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہاں انبیائے ماسبق کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ آپ اصولِ دین میں اُن کی اقتداء پر مامور تھے تو آپ کے حق میں یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ تو تقلید ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دین کے فروع میں اُن کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ شریعتِ محمدیہ نے پہلی تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ پس باقی یہی رہا کہ اِس سے مراد اخلاقِ حسنہ ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر انبیائے کرام کے حالات اور اُن کے پاکیزہ اخلاق سے مطلع کر کے یہی فرمایا ہوگا کہ مذکورہ اچھی عادتوں میں اُن کی اقتداء کرو۔ اِس کا مقتضیٰ یہ ہُوا کہ جو اچھی عادات اُن حضرات میں الگ الگ پائی جاتی تھیں وُہ آپ کی تنہا ذات میں جمع ہو گئیں۔ پس یہ ضروری ہُوا کہ سب کے کمالات کا مجموعہ ہونے کے باعث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سب سے افضل ہیں۔

آٹھویں دلیل نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ کی ذمہ داری سب سے زیادہ اور دوسرے انبیائے کرام کی نسبت مشقت بھی زیادہ اٹھائی۔ پس آپ کا سب سے افضل ہونا ضروری ہُوا۔ سارے انسانوں کی طرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ ۔ ؎۲ اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔

اِس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ کی مشقت دوسرے انبیائے کرام سے زیادہ تھی کیونکہ آپ تنِ تنہا تھے، وُہ بھی اِس حالت میں کہ پاس نہ مال خزانے تھے اور نہ اعیان و انصار۔ ایسے حالات میں آپ نے جب انہیں یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۵ (اے کافرو!) کے الفاظ سے مخاطب کیا تو سب

؎۱ پ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۹۰

؎۲ پ ۲۲، سورۃ السبا، آیت ۲۸

آپ کے دشمن ہو گئے اور اُن کی جانب سے ہر وقت خطرہ رہنے لگا کیونکہ سارے در پئے آزار تھے
اِس لحاظ سے آپ کی مشقت سب سے زیادہ ہے۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو اُنھیں صرف فرعون اور اُس کی قوم سے خطرہ تھا، لیکن سرورِ کون ومکاں
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تو سب ہی دشمن ہو گئے تھے۔ اِس کو یُوں سمجھنا چاہیے کہ اگر کسی شخص سے
کہا جائے کہ یہ شہر دوستوں اور رفیقوں سے بالکل خالی ہے، لیکن اس میں صرف ایک آدمی
ہی ایسا ہے جو طاقت اور جنگی ساز وسامان رکھتا ہے۔ اُس کے پاس تنہا جاؤ اور اُسے ایسی
خبر دو جو اُسے گھبراہٹ میں ڈال دے اور تکلیف دِہ ہو، تو وُہ شخص وہاں جانے سے شاید ہی
پس وپیش کرے حالانکہ وُہ تنہا ہے۔ لیکن اُس سے اگر یہ کہا جائے کہ فلاں دُور دراز جنگل
کی طرف جاؤ، جہاں کوئی دوست اور ہمنوا نہ ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو ایسی خبر پہنچا دو جس سے
وُہ بھڑک اُٹھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اُس کے لیے پہلے ہی نسبت انتہائی مشکل ہے۔ پس
نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ہی مشکل ترین فریضے پر مامور تھے۔ چنانچہ یہی کام آپ کے
سپرد ہُوا کہ رات دن جنّوں اور انسانوں کے پاس جائیں، جن کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا بلکہ
عادۃً اُن سے یہی متوقع تھا کہ دشمنی سے پیش آئیں گے، اذیت پہنچائیں گے اور تحقیر کریں گے۔
اِس کے باوجود فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہو گئے اور اپنے اِس فرض کی ادائیگی
میں عمر بھر مصروف رہے۔ نہ دشمنوں کے سلوک سے بیزار ہُوئے اور نہ بددل ہو کر رُکے۔ اِن حالات کا
مقتضیٰ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں آپ کو سخت پریشانیوں
اور مشقتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ	تم میں برابر نہیں وُہ جنھوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ
مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ط اُولٰٓئِكَ	اور جہاد کیا وُہ مرتبے میں اُن سے بڑے ہیں،
اَعْظَمُ دَرَجَةً ط مِّنَ الَّذِيْنَ	جنھوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد
اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ط [1]	کیا۔

---

[1] پ ۲۷، سورۂ الحدید، آیت ۱۰

پر سب کو معلوم ہے کہ حقیقت میں یہ مشقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تھی۔ جب پیروی کے باعث صحابہ کرام بھی اِس سے دوچار ہوتے تو مشقت کے سبب اُنھیں باقی صحابہ پر اتنی بڑی فضیلت ملی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ آپ کو سب سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑی تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ کو فضیلت بھی سب سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عبادتوں میں سے افضل وُہ عبادت ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔

نویں دلیل چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین دیگر تمام ادیان سے افضل ہے لہٰذا لازم آتا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیگر انبیائے کرام سے افضل ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام ادیان کا ناسخ بنایا ہے اور ناسخ منسوخ سے افضل ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا اسے اُن سب کے برابر اجر ملے گا جتنا قیامت تک اُس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ جب یہ دین دیگر ادیان سے افضل اور زیادہ ثواب والا ہے تو اس دین کے لانے والے کو دیگر ادیان کے لانے والوں سے زیادہ ثواب ملے گا۔ اِس سے لازم آیا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیگر تمام انبیائے کرام سے افضل ہوں۔

دسویں دلیل چونکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت دُوسری تمام اُمتوں سے افضل ہے، لہٰذا آپ کا دیگر تمام انبیائے کرام سے افضل ہونا ضروری ہُوا۔ پہلی بات کا قرآنی ثبوت یہ آیت ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔[1] تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں، جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

دُوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ اِس اُمت کو سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع کرنے کے باعث یہ فضیلت ملی ہے، جیسا کہ خود اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

---

[1] پ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۱۰

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ	اے محبوب! تم فرما دو، لوگو! اگر تم اللہ کو
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]	دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ۔

تابع کی فضیلت سے متبوع کی فضیلت لازم آتی ہے۔ علاوہ بریں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیروکار دیگر تمام انبیائے کرام سے زیادہ ہیں کیونکہ آپ انسانوں اور جِنّوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ کا ثواب سب سے زیادہ ہُوا، کیونکہ تابعداروں کی کثرت متبوع کے رتبۂ عالی کی دلیل ہے۔

گیارھویں دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین یعنی سب سے آخری نبی ہیں، لہٰذا آپ کا افضل ہونا ضروری ہُوا، کیونکہ مفضول سے فاضل کے منسوخ ہونے میں عقلی لحاظ سے بھی قباحت ہے۔

بارھویں دلیل انبیائے کرام کو ایک دُوسرے پر فضیلت کئی وجہ سے ہے تا اُن میں سے ایک وجہ کثرتِ معجزات بھی ہے، جو اُن کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں اور ہمارے نبیِ محترم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات تین ہزار سے بھی متجاوز ہیں جن کی مختلف قسمیں ہیں، یعنی:

منها ما یتعلق بالقدرة کاشباع	اُن میں سے بعض معجزات ایسے ہیں جن کا تعلق
الخلق الکثیر من الطعام	قدرت و تصرف سے ہے، جیسے تھوڑے
القلیل و ارواۂهم من الماء	کھانے سے بہت سارے آدمیوں کو شکم سیر
القلیل و منها ما یتعلق بالعلوم	کر دینا یا ذرا سے پانی سے اُنھیں سیراب کر دینا۔
کالاخبار عن الغیوب و فصاحة	بعض وہ معجزات ہیں، جن کا تعلق علوم سے ہے،
القراٰن و منها اختصاصه	جیسے آپ کا غیب کی خبریں بتانا اور فصاحتِ
صلی اللہ علیه وسلم فی	قرآنِ کریم اور بعض معجزات کا تعلق آپ کے
ذاته بالفضائل نحو کونه	ذاتی خصائص و فضائل سے ہے، جیسے تمام

---

[1] پ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۱

اشرف نسبًا من اشراف العرب ۔ (صٓ۱۵)　　اشرافِ عرب سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شریف النسب ہونا۔

بعض معجزات کا تعلق آپ کی بے انتہا شجاعت سے ہے اور بعض معجزات کا تعلق آپ کے اخلاق، حلم، وفا، فصاحت اور سخاوت سے ہے۔ کُتبِ احادیث میں اِن امور کا تفصیلی بیان موجود ہے۔

تیرھویں دلیل فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کے علاوہ سارے انسان قیامت کے روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ حدیث اِس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ حضرت آدم علیہ السّلام اور اُن کی ساری اولاد سے افضل ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا ہے: میں آدم علیہ السّلام کی ساری اولاد کا سردار ہُوں۔ یہ بھی فرمایا ہے:

لا یدخل الجنۃ احد من النبیین حتی ادخلھا انا ولا یدخلھا احد من الامم حتی تدخلھا امتی۔ (صٓ۱۵)　　جنت میں اُس وقت کوئی نبی داخل نہیں ہوگا جب تک مَیں داخل نہ ہو جاؤں اور نہ کوئی اُمت داخل ہو سکے گی جب تک میری امت نہ داخل ہو جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے: جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے مَیں اُٹھوں گا اور جب وہ وفد کی صورت میں پیش ہوں گے تو اُن کا خطیب مَیں ہُوں گا اور جب وُہ نا اُمید ہو جائیں گے تو اُنھیں خوشخبری دینے والا مَیں ہُوں گا، لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جملہ بنی آدم سے مکرّم و معزز ہُوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ چند صحابۂ کرام بیٹھے ہُوئے انبیائے کرام کا ذکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کی گفتگو سُن رہے تھے۔ اُن میں سے کسی نے کہا کہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ کتنی عجیب بات ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا کسی اور نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ اور اُس کی طرف کی رُوح ہیں۔ چوتھے صاحب کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو چُن لیا تھا (پہلا مقرر کرنے یا تمام انسانوں کا باپ بنانے کے لیے) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور دلائل کو سُن لیا ہے۔ واقعی ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ واقعی موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ واقعی عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ ہیں اور واقعی آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں، لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور قیامت کے روز لوأ الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ اور میں بروزِ قیامت سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور وہ ہُوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا میں ہُوں، پس میرے لیے جنّت کا دروازہ کھول دیا جائے گا، تو میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔

چودھویں دلیل امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل الصحابہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عرب کا سردار ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گزارش کی، یا رسول! کیا عرب کے سردار آپ نہیں ہیں؟ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام جہانوں کا سردار ہُوں اور یہ عرب کا سردار ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں[۱]

---

[۱] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے لکھا ہے۔

طیبہ کے ماہِ تمام، جملہ رُسل کے امام

نوشہ مُلکِ خدا، تم پہ کروروں درود

پندرھویں دلیل امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ (۱) میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا (۲) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی ہے۔ (۳) میرے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رُعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے۔ (۴) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں تھیں۔ (۵) مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی ہے، جو میں نے اپنی اُمت کے لیے رکھ چھوڑی پس انشاء اللہ تعالیٰ اس سے ہر اُس شخص کو حصّہ ملے گا جس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔ اس استدلال سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ فضائل کے ساتھ دُوسرے انبیائے کرام پر سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت دی ہے

سولھویں دلیل امام محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کی وضاحت یُوں کی ہے کہ ہر حکمران کی مشقت اس کی رعایا کی تعداد کے مطابق ہوتی ہے جس کی حکمرانی صرف ایک گاؤں پہ ہو اُسے صرف ایک گاؤں کی ضروریات کے مطابق مشقت ہوگی لیکن جس کا سکّہ مشرق سے مغرب تک رواں ہو، وُہ مال اور ذخیروں کے لحاظ سے ایک گاؤں کے حکمران کی نسبت بہت زیادہ ضرورت مند ہے۔ پس آپ سے پہلے ہر ایک رسول اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا گیا، لہٰذا انھیں توحید کے خزانوں اور معرفت کے جواہرات سے اُتنا ہی حصّہ ملا جتنا کہ بارِ رسالت اُن کے سپرد کیا گیا تھا۔ پس جو رسول اپنی قوم کی طرف یعنی زمین کے ایک قطعے میں بھیجا گیا اُسے خزانوں سے اُس قطعے کی ضروریات کے مطابق روحانیت دی گئی، لیکن جو فردِ کامل مشرق سے مغرب تک بسنے والے تمام انسانوں اور جنّوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہو، تو ضروری ہُوا کہ اُسے معرفت سے اُسی قدر حصّہ ملا ہوگا، جو مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کے امُور کو سرانجام دینے کے لیے کافی ہو سکے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوّت سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی

نبوت کو وہی نسبت ہوگی جو مشرق سے مغرب تک حکمرانی کرنے والے سے بعض شہروں پر حکمرانی کرنے والوں کو ہو سکتی ہے۔ دریں حالات سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم و حکمت کے خزانوں سے اتنا وافر حصہ ملا ہوگا جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا ہوگا۔ لہٰذا علم میں آپ اُس درجے تک یقیناً پہنچے ہوں گے جہاں تک کسی بشر کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى[1] اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

اور فصاحت میں آپ اُس مقام تک پہنچے جس کے بارے میں خود یوں فرمایا ہے کہ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں اور آپ کی کتاب (قرآنِ کریم) تمام کتابوں کی محافظ اور جامع ہے اور اُمتِ محمدیہ ساری اُمتوں سے بہتر قرار دی گئی۔

اٹھارھویں دلیل صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہمام بن منبہ کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا اور اُس کے حُسن و جمال کو خُوب سنوارا اور ہر لحاظ سے اسے مکمل کیا لیکن کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ جب اس عمارت کو دیکھتے تو بناوٹ اور سجاوٹ کے پیشِ نظر عش عش کر اُٹھتے لیکن ساتھ ہی کہتے کہ آپ نے اِس خالی جگہ میں اینٹ کیوں نہیں لگائی؟ (تاکہ مکان واقعی مکمل ہو جاتا)۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں۔

انیسویں دلیل اللہ تعالیٰ نے جب بھی دیگر انبیائے کرام کو قرآنِ کریم میں پکارا تو اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ۔ مثلاً یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ — یٰۤاِبْرٰهِیْمُ یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارا تو یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ — یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ وغیرہ پیارے القاب کے ساتھ ہی پکارا اور یہ آپ کی فضیلت کی دلیل ہے۔

---

[1] پ ۲۷، سورۂ والنجم آیت ۱۰

ایک مخالف نے ہمارے مذکورہ دعوے سے اختلاف کیا ہے اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت کا اقرار کیا حتیٰ کہ اُمت کا اِس امر پہ اجماع واتفاق بھی تسلیم کیا باوجود اس کے اختلاف کرتا ہے لیکن ایسی مخالفت کا شرعاً کوئی اعتبار ہے اور نہ اس سے اُمتِ محمدیہ کے اجماع واتفاق میں کوئی نقص واقع ہوتا ہے۔ اُس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دیگر انبیائے کرام کی فضیلت کا کئی وجہ سے ذکر کیا ہے چنانچہ وُہ کہتا ہے:

پہلی وجہِ اختلاف دیگر انبیائے کرام کے معجزات فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات سے بڑے ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سجدہ نہیں کروایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑی آگ میں ڈالے گئے اور وُہ اُن کے لیے گلزار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے گئے جبکہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُن کی مانند کوئی معجزہ نہیں ملا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنّوں، انسانوں، پرندوں، وحشی جانوروں اور ہواؤں پر قبضہ و تسلط دے دیا گیا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا قبضہ نہیں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن میں بولنے کی طاقت دی اور مُردوں کو زندہ کرنے، بہروں، گونگوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے کی قدرت عطا فرمائی جبکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا مقام حاصل نہیں تھا۔

دُوسری وجہِ اختلاف اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن کریم میں خلیل کہا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝[1] اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے:

---

[1] پ ۵، سورۂ النساء، آیت ۱۲۵

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ [1] اور اللہ نے موسٰی سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے۔

فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا [2] تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

اور ان میں سے کسی فضیلت کا حصول فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت نہیں ہے۔

تیسری وجہِ اختلاف

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یونس بن متی پر بھی فضیلت نہ دو۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

چوتھی وجہِ اختلاف

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم مسجد میں انبیائے کرام کے فضائل بیان کر رہے تھے، ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ عبادت بہت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اور ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں کیونکہ آپ کو ساری مخلوق کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہیں اور آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ اچانک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا: تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے ساری باتیں بیان کر دیں۔ آپ نے فرمایا: کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے بہتر ہو کیونکہ اُنھوں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا تھا، بلکہ کبھی بُرائی کا قصد تک نہیں کیا تھا۔

مخالف کے چاروں دلائل کا جواب

حضرت آدم علیہ السلام کے مسجودِ ملائکہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہوں، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ آدم اور اُن کے سوا سارے انسان بروزِ قیامت میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں اُس

---

[1] پ ۶، سورہ النساء، آیت ۱۶۴ [2] پ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت ۹۱

وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے (یعنی مٹی اور پانی سے اُن کا پُتلا تیار کیا جا رہا تھا) اور یہ بھی منقول ہے کہ معراج کی رات میں نبیِ آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے براق کی رکاب جبرئیل علیہ السلام نے تھامی ہوئی تھی اور سجدے کی نسبت اِس میں زیادہ عظمت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرماتا ہے نیز فرشتوں اور انسانوں کو بھی اپنے حبیب پر درود و صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ یہ مسجودِ ملائکہ ہونے سے فضیلت میں زیادہ ہے کیونکہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے جو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا یہ اُنھیں ادب سکھانے کے لیے تھا لیکن ملائکہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ وُہ آپ کے مرتبے کو پہچانیں۔

۲۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قیامت تک ہر وقت اور ہر آن کے لیے درود بھیجنے کا حکم ہے جبکہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ تو صرف ایک ہی دفعہ کیا تھا۔

۳۔ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنا صرف فرشتوں پر لازم کیا گیا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اٹھائی کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خود صلوٰۃ بھیجتا ہے اور ساتھ ہی فرشتوں اور ایمان والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی درود پاک کا بارگاہِ رسالت میں ہدیہ پیش کیا کریں۔

۴۔ فرشتوں کو اس لیے سجدے کا حکم فرمایا گیا تھا کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ افروز تھا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم کے ساتھ خاص فرمایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا[1] اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے:

---

[1] پ ۱، سورۃ البقرۃ، آیت ۳۱

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ ۔ [1] — اِس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل۔

نیز دوسری جگہ یُوں فرمایا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ [2] — اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا۔

علاوہ بریں آدم علیہ السلام کو سکھانے والا اللہ ہے، جیسا کہ فرمایا ہے: آدم کو تمام نام سکھا دیئے ـــــ لیکن سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۔ [3] — انھیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

جواب: یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے اپنے آخری کلام معجز نظام کے ذریعے یُوں خبردار فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط — اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ [4] — اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے ادب کی تعلیم دی اور خوب تعلیم دی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اِسی بارے میں خود یُوں فرمایا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ [5] — رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں اشیاء کی اصلی حقیقت دکھا ـــــ بلکہ خود اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم کی دُعا مانگنے کا یُوں حکم دیا:

---

[1] پ ۲۵، سورۃ الزخرف، آیت ۵۲ — [2] پ ۳۰، سورۃ الضحیٰ، آیت ۷

[3] پ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۵ — [4] پ ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۱۳

[5] پ ۲۷، سورۃ الرحمٰن، آیت ۱، ۲

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔[1] اور عرض کرو، اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

مذکورہ آیات اور مخالف کی پیش کردہ آیت عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی میں مطابقت بلحاظ تلقین اور تعلیم ہے (یعنی پیش کردہ آیات کے مطابق آپ کو تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی اور اس آیت کے بموجب تلقین جبرئیل علیہ السلام بھی کرتے رہے) اس فرق کو مندرجہ ذیل دو آیتوں سے سمجھنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ[2] تم فرماؤ، تمھیں وفات دیتا ہے، موت کا فرشتہ۔

لیکن دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا ۔[3] اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے اُن کی موت کے وقت۔

سوال: حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ[4] اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ۔[5] اور دور نہ کرو انھیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

مذکورہ آیات اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ اخلاق میں نوح علیہ السلام آپ سے اعلیٰ ہیں۔ کیا صورتِ حال یہی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔[6] بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔

---

[1] پ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۴

[2] پ ۲۱، سورۂ السجدہ، آیت ۱۱

[3] پ ۲۴، سورۂ الزمر، آیت ۴۲

[4] پ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۱۱۴

[5] پ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۵۲

[6] پ ۲۹، سورۂ نوح، آیت پہلی

تو انھیں سب سے پہلی خبر عذاب کے بارے میں دی گئی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔[1]	اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

نیز دوسرے مقام پر آپ کے متعلق یوں فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	بے شک تمھارے پاس تشریف لائے وہ رسول،
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ	جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے،
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ	تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے
رَّحِيْمٌ ۔[2]	مسلمانوں پر کمال مہربان۔

حضرت نوح علیہ السلام کا آخری سلوک اپنی قوم کے ساتھ یہ تھا:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى	اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! زمین پر
الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝[3]	کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت سے آخری سلوک شفاعت کی صورت میں ہوگا، جیسا کہ فرمایا ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا	قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے
مَّحْمُوْدًا ۝[4]	جہاں سب تمھاری حمد کریں۔

باقی رہے انبیائے کرام کے معجزات تو کتاب دلائل النبوۃ (مصنفہ حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ) میں اُن کے بالمقابل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے افضل ہیں۔ طوالت کے پیشِ نظر یہ کتاب (تفسیر کبیر) اس سے زیادہ کی متحمل

---

[1] پ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

[2] پ ۱۱، سورۂ التوبہ، آیت ۱۲۸

[3] پ ۲۹، سورۂ نوح، آیت ۲۶

[4] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹

نہیں ۔ (واللہ اعلم)

اِس کے بعد امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ بحث آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ فرمایا ہے ۔ اِس کی تفسیر میں دو قول ہیں:
پہلا قول یہ ہے کہ اِس آیت میں انبیائے کرام کے مراتب کا بیان کرنا مقصود ہے، جو ایک دوسرے سے نرالے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا جبکہ دوسروں کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بادشاہی اور نبوت دونوں کو اکٹھا کر دیا جبکہ دیگر انبیائے کرام کو یہ چیز حاصل نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے انسان، جنات، پرندے اور ہوا تابع کر دی گئی جبکہ ایسی بادشاہی تو اُن کے والدِ محترم، حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی حاصل نہیں تھی اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو دیگر کسی نبی کو حاصل نہیں، نیز آپ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے۔ مذکورہ تقریر اس لحاظ سے ہے جبکہ درجات کو مراتب و مناصب پر محمول کریں، لیکن اِسے اگر معجزات پر محمول کیا جائے تو اِس لحاظ سے بھی نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر تمام انبیائے کرام پر فضیلت ہے، کیونکہ ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے جو اُن کے زمانے کے مناسب تھے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھیے کہ عصا کا سانپ بننا، یدِ بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا اُس زمانے والوں کے اُن کاموں کا توڑ ہیں جنھیں وہ لوگ جادو کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کہ بہروں، گونگوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا یا مُردوں کو زندہ کرنا، اُس زمانے والوں کے کسب کے مطابق تھا جو وہ طب کے ذریعے کرتے تھے لیکن نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ قرآنِ کریم ہے، جو فصاحت و بلاغت اور خطبات و اشعار کے مشابہ ہے۔ معجزات قلت و کثرت کے لحاظ سے، مدتوں باقی رہنے اور جلد ختم ہو جانے کے باعث نیز ایک دوسرے سے قوی ہونے کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ فضیلت کی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ درجات کے تفاوت سے وہ امور مراد ہوں جن کا تعلق دنیا سے ہے یعنی اُمت اور صحابہ کی کثرت نیز شہنشاہی کا

جاہ و جلال ۔

اگر ان تینوں وجوہات پر غور کیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تینوں قسم کی خوبیوں کے جامع ہیں، کیونکہ :

فمنصبه اعلیٰ ومعجزاته	آپ کا منصب سب سے بلند، معجزات ہمیشہ
ابقیٰ واقویٰ وقومه اکثر	باقی رہنے والے اور سب سے قوی اور آپ کی
ودولته اعظم واوفر ۔	امت سب سے زیادہ اور شہنشاہی سب سے عظیم اور بڑی ۔
القول الثانی ان المراد	**دوسرا قول** یہ ہے کہ اس آیت سے مراد
بهذه الاٰية محمد عليه	سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں ،
الصلاة والسلام لانه	کیونکہ آپ کو سب پر فضیلت دی گئی ہے ۔ صلی
هو المفضل على الكل صلى	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔
الله عليه وسلم ۔ (ص ۱۵۴)	

میثاق انبیائے کرام

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ آل عمران کی اس آیت :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ	اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ	جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں ۔ پھر تشریف لائے
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ	تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ	فرمائے تو ضرور بضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور
لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ	بضرور اُس کی مدد کرنا ۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور
وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ	اِس پر میرا بھاری ذمہ لیا ۔ سب نے عرض کی کہ
قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا	ہم نے اقرار کیا ۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ
وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝	ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں
فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ	ہوں ۔ تو جو کوئی اِس کے بعد پھرے

فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ [1] تو وہی فاسق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ مندرجہ بالا آیات سے اُن امور کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اہل کتاب میں مشہور و معروف تھے اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کے عذر کی بیخ کنی ہو اور اُن کا بُغض و عناد صاف ظاہر ہو جائے۔ اُن امور سے بعض کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کر دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن انبیائے کرام سے عہد لیا جنھیں کتاب اور حکمت مرحمت فرمائی تھی کہ جب تمھارے پاس ایسا رسول آئے، جو تمھاری شریعتوں کی تصدیق کرتا ہو، تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ جملہ انبیائے کرام نے اِس بات کو قبول کر لیا تھا۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس معصوم گروہ کو یہ تہدید سُنادی تھی کہ جو اِس حکم سے پھرے گا وہ نافرمان شمار ہوگا۔ اِس آیت کا مقصود یہی ہے۔ گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر یہ واجب کیا ہے کہ اُس رسول پر ایمان لائیں جو اُن کی کتابوں کی تصدیق کرے۔ یہ تنہا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک اِس کے ساتھ دوسرا مقدمہ شامل نہ کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جو دیگر انبیائے کرام کی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے جلوہ آرائے گیتی ہوئے تھے لیکن ایسا کہنے پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس سے اثبات للشئی بنفسہ لازم آتا ہے کیونکہ اس طرح ایک کی رسالت سے دوسرے کی رسالت ثابت کی جا رہی ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی رسالت سے یہاں اظہارِ معجزہ مراد ہے اور اِس صورت میں اعتراض ہی ساقط ہو جاتا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مذکور ہے:

ان هٰذا المیثاق مختص بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ میثاق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

---

[1] پ ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۸۱، ۸۲

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں تمہارے پاس روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں۔ خدا کی قسم، اگر آج موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) بھی زندہ موجود ہوتے تو انھیں میرا اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد والے سارے انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کی ظاہری حیات میں مبعوث ہوں تو اُن پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُن کی مدد کرنی پڑے گی۔ [1]

(ویحتمل ان المراد من الآیۃ ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کانوا یاخذون المیثاق من امھم بانہ اذا بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یجب علیہم ان یومنوا بہ و ان ینصروہ وھٰذا قول کثیر من العلماء واللفظ محتمل لہ لان المقصود من ھٰذہ الآیۃ ان یومنوا الذین کانوا فی زمان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم واذا کان المیثاق مأخوذًا ۔یھم کان ذٰلک

اور احتمال ہے کہ آیت سے یہ بھی مراد ہو کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں سے یہ عہد لیں کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو اُن پر لازم ہے کہ وہ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں اور اکثر علمائے کرام یہی کہتے ہیں اور (آیت کے) لفظوں میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کیونکہ مقصود اِس آیت کا یہی ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود ہوں وہ آپ پر ایمان لائیں اور یہ عہد اُمتوں سے جب لیا گیا تو (اس کا تذکرہ) حصولِ مقصد کی زیادہ وضاحت کرتا بہ نسبت اِس کے کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے

---

[1] اِسی لیے عُشاق کا یہی کچھ مشغلہ رہتا ہے: ؎

اُن کی دُھن، اُن کی لگن، اُن کی تمنا، اُن کی یاد
مختصر سا ہے مگر کافی ہے سامانِ حیات (اختر الحامدی)

ابلغ فی تحصیل هذا المقصود من ان یکون مأخوذًا علی الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام وقد اُجیب عن ذالك بان درجات الانبیاء علیهم السلام اعلیٰ واشرف من درجات الامم فاذا دلت هٰذه الآیة علی ان الله تعالیٰ اوجب علی جمیع الانبیاء ان یومنوا بمحمد علیه الصلوٰة والسلام لو کانوا فی الاحیاء وانهم لو ترکوا ذالك لصاروا من زمرة الفاسقین فلأن یکون الایمان بمحمد صلی الله علیه وسلم واجبًا علی اممهم لو کان ذالك اولیٰ فکان صرف هٰذا المیثاق الی الانبیاء اقویٰ فی تحصیل المطلوب۔

(ص ۱۵۵-۱۵۷)

عہد لینے کا ذکر فرمایا گیا تو اس کا جواب ہماری (امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) کی جانب سے یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات اُمتوں کے درجات کی نسبت بہت بلند و بالا ہیں، لیکن جب یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، خواہ وہ زندہ کیوں نہ موجود ہوں۔ اگر اس فرض کے تارک ہوئے تو نافرمانوں کے گروہ سے ہو جائیں گے پس سیدنا محمد رسول اللہ پر ایمان لانا ان حضرات کی اُمتوں پر تو اور زیادہ ضروری ہوا اور اولیٰ بھی یہی ہے۔ پس صرف انبیائے کرام سے عہد لینے کا ذکر ہی تحصیلِ مقصد کے لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے (یعنی زیادہ مناسب ہے)۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سے فوائد بیان فرمائے ہیں جو تفصیل و تحقیق کا شائق ہے وہ اُن کی تفسیر کی جانب رجوع کرے۔

رحمتِ دو عالم کا حلم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ آل عمران کی آیتِ کریمہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ	تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب!
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ	تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ	سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے
عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ	پریشان ہو جاتے۔ تو تم انھیں معاف فرماؤ اور
فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ	ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ
عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	کرو۔ اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو، تو اللہ پہ
الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ [1]	بھروسہ کرو۔ بے شک توکل والے اللہ کو
	پیارے ہیں۔

کے تحت فرمایا ہے، جاننا چاہیے کہ غزوۂ اُحد میں جب اکثر حضرات آپ سے بچھڑ کر دُور نکل گئے، تو جب وہ آپ کی جانب لوٹے، اُس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے ساتھ ذرا بھی سخت کلامی سے پیش نہ آتے بلکہ نرمی کے ساتھ دِلوں کو موہ لینے والے انداز ہی میں گفتگو فرمائی۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات کے ساتھ اُن کی ایسی رہنمائی فرمائی جو اُنھیں دنیا اور آخرت میں نفع پہنچاتے۔ منجملہ اُن کے یہ بات بھی تھی کہ اُن سب کو معاف فرما دیا اور کرم بالائے کرم فرماتے ہوئے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُنھیں معاف کرنے اور سختی نہ فرمانے پر تعریف و توصیف کی۔ اِسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ لوگوں کے ساتھ آپ کا نرمی اور عفو و درگزر سے پیش آنا آپ کے حُسنِ خلق کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ ساتھ ہی باری تعالیٰ نے یہ حکم دیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ	اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو

---

[1] پ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ [1] مسلمانوں کے لیے۔

نیز اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لفظوں میں بھی حکم دیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا
وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۝ [2] حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ [3] اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

نیز دوسرے مقام پر ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یوں مدح و ثنا بیان فرمائی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول
اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ بھلائی کے نہایت چاہنے والے۔ مسلمانوں پر
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ [4] کمال مہربان مہربان۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امام کا حلم اور نرمی سب سے زیادہ پسند ہے اور امام کی جہالت اور سختی سے زیادہ اور کوئی چیز ناپسند نہیں ہے۔ جب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہانوں کے امام ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ ساری کائنات میں سب سے بڑھ کر حلیم اور اخلاقِ حسنہ والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آلِ عمران کی آیتِ کریمہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ

---

[1] پ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۲۱۵
[2] پ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۹۹
[3] پ ۲۹، سورہ القلم، آیت ۴
[4] پ ۱۱، سورۂ التوبہ، آیت ۱۲۸

اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ	اُن میں اُنھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ	اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا ہے اور اُنھیں
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	پاک کرتا ہے اور اُنھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے
وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ	اور وہ ضرور اِس سے پہلے کھلی گمراہی میں
قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝[1]	تھے۔

کے تحت فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ اِس آیت میں مختلف وجوہ ہیں، مثلاً:

پہلی وجہ جب اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی کور چشمی کا ذکر فرمایا جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب بددیانتی اور خیانت کی نسبت کی تھی تو اِس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اُس معاند کے الزام کی بیخ کنی فرمادی۔ وہ اِس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے شہر ہی میں پیدا ہوئے اور اُسی میں اُن کے سامنے پروان چڑھے۔ ساری عمر میں قوم نے آپ سے صدق وامانت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ اِس کے سوا یہی تھا کہ آپ حق کی طرف بلاتے اور دنیا سے منہ پھیرے ہوئے تھے۔ اِن حالات میں آپ کی پاک اور شفاف ردائے عصمت پر خیانت کا دھبہ کیسے لگ سکتا تھا؟

دوسری وجہ اللہ تعالیٰ نے جب اُس معاند ومعترض کی غلطی بیان فرمائی تو سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیانت سے بری ہونے کی شہادت دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اِن کا وجودِ مسعود تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ تمہیں طُرقِ باطلہ کی طرف مائل ہونے سے پاک کرتے اور ایسے علوم نافعہ سے تمھارے دامنِ مراد کو بھرتے رہتے ہیں جو دنیا اور آخرت میں کامیابی کے ضامن ہیں۔ اِن حالات میں کون سا صاحبِ عقل ودانش ہوگا جو ایسے خلاصۂ روزگار فردِ کامل ومردِ اکمل کی جانب خیانت کو منسوب کرنے کا تصور بھی دل میں لائے گا؟

تیسری وجہ گویا اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میرا حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم ہی میں سے ہے اور تمھارے شہر کا رہنے والا اور تمھارے خویش واقارب سے ہے۔ اِس کے

---

[1] پ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴

باوجود، شرک کے باعث تم ذلت کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہو، جبکہ اُسے بزرگی دی ہے اور فضل واحسان کے ساتھ ساری کائنات سے ممتاز کیا ہے۔ اُن کا وجود تمھارے لیے باعثِ شرف وعظمت ہے۔ اِس کے برعکس تمھارا اُن پر طعن وتشنیع کرنا اور اُن کی جانب برائیوں کی نسبت کرنا عقل ودانش سے بعید ہے۔

چوتھی وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب فضل وکمال میں اُس منصبِ رفیع پر فائز ہیں، جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتایا ہے، تو ہر صاحبِ عقل ودانش پر حتی المقدور آپ کی اعانت کرنا واجب ہے۔ پس اے معاندو! تمھیں تو چاہیے تھا کہ اِن کے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہوتے اور نہ صرف دست ولسان بلکہ سیف وسنان کے ساتھ ان کی معاونت پر ہمہ وقت کربستہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا ہے تو یہ اِس وجہ سے فرمایا ہے کہ:

انعم علیھم واحسن الیھم ببعثتہ ھٰذا الرسول فان بعثتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احسان الیٰ کل العالمین وذالك لان وجہ الاحسان فی بعثتہ کونہ داعیا لھم الیٰ مایخلصھم من عقاب اللّٰہ ویوصلھم الیٰ ثواب اللّٰہ وھٰذا عام فی حق العالمین لانہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مبعوث الیٰ کل العالمین ۔ (ص ۱۵۶)	یہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر انعام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے سبب احسان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان تمام جہانوں (یعنی جہان والوں) پر ہے۔ اور یہ اِس وجہ سے ہے کہ بعثت کا احسان اُن کے لیے آپ کے داعی ہونے اور اُنھیں عذابِ الٰہی سے نجات دلانے اور اُنھیں ثواب واجر کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے باعث ہے اور یہ جملہ کائنات والوں کے حق میں عام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

چنانچہ آپ کی جہانگیر بعثت کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ ۔ [۱] اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے اِس انعام سے اہلِ اسلام ہی نے فائدہ اٹھایا ہے لہٰذا آیت میں ایمان والوں کو اِس احسان سے خاص کیا گیا ہے۔ اِس کی مثال یُوں سمجھنی چاہیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ فرمایا ہے (یہ نفع حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے) حالانکہ قرآن کریم کی صفت یہ بتائی ہے ھُدًی لِّلنَّاسِ کہ یہ سب لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے۔ دوسری نظیر مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا۔ [۲] تو تم فقط اُسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے۔

جاننا چاہیے کہ انبیاء و مرسلین سے ہر ایک کی بعثت اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر احسان ہے، لیکن جس قدر کسی رسول سے مخلوق کو زیادہ نفع ہوگا، اُسی قدر اُس کی بعثت میں انعام زیادہ ہوگا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت میں دو قسم کی خصوصیات ہیں۔ ایک وُہ منافع جو آپ کی بعثت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے وہ منافع جو آپ کے اُن خصائل حمیدہ و اخلاقِ محمودہ سے حاصل ہوتا ہے، جو دوسرے میں نہیں پائے جاتے۔ جو نفع آپ کی اصل بعثت سے حاصل ہوتا ہے اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ [۳] رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے۔

ابو عبداللہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء و مرسلین کی بعثت سے جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اُس کا حصُول دین کے راستے سے ہوتا ہے۔ اِس نفع حاصل کرنے کے

---

[۱] پ ۲۲، سورۂ السبا، آیت ۲۸

[۲] پ ۳۰، سورہ والنازعات، آیت ۴۵

[۳] پ ۶، سورۂ النساء، آیت ۱۶۵

طریقے مختلف ہیں۔

اوّل مخلوق جبلّی طور پر نقصان کی طرف مائل ہے۔ اُس کا فہم قلیل اور درایت نہ ہونے کے برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دلائل کے طریقے بیان فرمائے اور انھیں خوب واضح کیا اور جب اُن کے دِلوں میں کوئی خطرہ گزرا یا شبہ وارد ہوا، تو مناسب جواب سے اُس کا ازالہ فرمایا۔

دوم مخلوق یہ تو جانتی ہے کہ اُنھیں اپنے مالک کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں، لیکن وہ اطاعت کی کیفیت سے ناآشنا ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کیفیت کی وضاحت فرمائی تاکہ وہ طاعت گزاری میں غلطی نہ کریں اور نامناسب اقدام سے اجتناب کریں۔

سوم مخلوق کی جبلّت میں چونکہ کاہلی، غفلت، کمزوری اور تنگ دلی بھی موجود ہے اس لیے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے سامنے احکامِ الٰہی کو ترغیب اور ترہیب کے طریقوں سے بیان فرمایا تاکہ تعمیلِ حکم میں سستی یا نقصان واقع ہونے کے بجائے طاعت گزاری کی طرف رغبت رہے۔

چہارم مخلوق کا نورِ عقل آنکھوں کی روشنی کے مانند ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آنکھوں سے اُس وقت تک کماحقہٗ دیکھنے کا کام نہیں لیا جا سکتا جب تک سورج کی جلوہ گری نہ ہو۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت عقلِ الٰہی سے ہے، جس نے سورج کی طرح دنیا کو جگمگا رکھا ہے۔ پس اِس نورِ عقل سے لوگوں کی عقل و دانش کو تقویت پہنچاتے اور ایسے علمی امور کو اُن کے لیے ظاہر فرماتے رہتے ہیں، جن پر آپ کے ظہور سے پہلے پردہ پڑا ہوا تھا۔ حقیقت میں یہ اشارہ آپ کی بعثت کے اصل فوائد کی جانب ہے۔ وُہ فائدے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفاتِ جمیلہ کے سبب حاصل ہوتے ہیں، اُنھیں اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کے بارے میں جاننا چاہیے کہ آپ سے متعدد طریقوں کے ساتھ یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً:

پہلی دلیل: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں اُن کے

سامنے پروان چڑھے۔ وہ آپ کے حالات سے پوری طرح باخبر اور آپ کے تمام اقوال و احوال سے مطلع تھے۔ اُنھوں نے آپ کی ابتدائی عمر سے آخر تک سچائی، عفت، دنیا سے بے رغبتی، جھوٹ سے دوری اور صداقت پر ہمیشگی کے سوا سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اور اخلاقِ کریمہ میں اور کوئی چیز نہ دیکھی۔ جس کی عمر میں اوّل سے آخر تک یہی دیکھا گیا ہو کہ وہ ہمیشہ صداقت و امانت پر زندگی بسر کرتا رہا ہو نیز کذب و خیانت کے سائے تک کا اس کی بارگاہ میں گزر نہ ہوا ہو۔ ایسا شخص ایک مدت کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے، جس کا جھوٹا دعویٰ کرنا کذب کی بدترین قسم ہے، اُس کے متعلق ہر کسی کا غالب گمان یہی ہو گا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔

دوسری دلیل وہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی فرد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ کسی سے سبق لیا جس کی تکرار کرتے اور پورے چالیس سال کی عمر تک آپ نے اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں کبھی ذکر تک نہیں کیا۔ جب چالیس سال پورے ہونے کے بعد آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا اور آپ کی زبان مبارک سے ایسے علوم و معارف ظاہر ہونے لگے جو ابتدائے آفرینش سے اس کائنات میں کسی سے ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ پھر آپ نے اگلے لوگوں کے واقعات اور گزشتہ انبیائے کرام کے حالات اُسی طرح بیان فرما دیئے جیسے اُن حضرات کی کتابوں میں مذکور ہوئے تھے۔ پس ہر وہ شخص جو عقلِ سلیم سے بہرہ ور ہے وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ایسا آسمانی وحی اور الہامِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

تیسری دلیل نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے بعد معاندین نے پیشکش کی کہ اپنی اس دعوت کو چھوڑ دیجیے اور اس کے معاوضے میں جتنی زیادہ سے زیادہ دولت آپ چاہیں وہ پیش کی جا سکتی ہے یا کسی عورت سے آپ شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو آپ کی ایسی خواہش بھی پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے اُن کی پیشکش کو پرِکاہ کے برابر حیثیت نہ دی بلکہ اپنے فقر پر قانع رہے اور مشقت کے مقابلے میں صبر کی ڈھال کو سنبھالے رکھا۔ جب اسلام کا بول بالا ہوا، آپ کی عظمتوں کے شادیانے بجنے لگے، کتنے ہی

شہروں پر قبضہ ہوگیا اور مالِ غنیمت سے بیت المال بھرپور ہوگیا اور صحابۂ کرام کو آسودہ حال فرمادیا
ایسے حالات میں بھی آپ کی دنیا سے بے رغبتی مثل سابق رہی اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو
لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ حالانکہ چھوٹا آدمی دنیا کمانے کی خاطر بھاگ دوڑ
کرتا ہے اور جب اسے دنیا (کورحیل) ہو جاتی ہے تو اس سے لطف اندوز ہونا شروع کردیتا ہے
اور اس کے دائرے کو مزید وسعت دینے میں کوشاں رہتا ہے۔ جب آپ نے دنیاوی آرام و
راحت کی جانب توجہ بھی نہیں فرمائی تو اظہر من الشمس ہوا کہ آپ اس دعوے میں یقیناً سچے تھے۔

چوتھی دلیل جس نسخۂ کیمیا کو لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے، اس میں توحید کا مفصل بیان، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، انصاف، نبوت، مرنے
کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا اثبات، عبادات کی تشریح اور اطاعت و فرمانبرداری کی پاکیزہ تعلیم
ہی تو ہے اور ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ انسان کامل کا کام بھلے بُرے کاموں میں تمیز کرنا ہے۔ جب
فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب (قرآن کریم) ان دونوں راستوں کی مکمل وضاحت
کرتی ہے تو ہر عقلمند انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
راستبازی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

پانچویں دلیل اس آخری شمعِ رسالت کے جلوہ آرائے گیتی ہونے سے قبل اہل عرب کا دین تمام رائج الوقت ادیان سے بھی گھٹیا تھا، کیونکہ وہ بتوں کی پوجا
کرتے تھے اور ان کے اخلاق میں لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذلیل مشغلے بھی موجود تھے۔ جب
اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو بھیجا، تو آپ نے انھیں اس قعرِ ذلت
سے نکال کر ہمدوشِ ثریا کر دیا، حتیٰ کہ وہ علم، زہد، عبادت اور دنیاوی لذتوں اور آسائشوں
میں بے رغبتی کے لحاظ سے ایسے راسخ ہوئے کہ امم سابقہ سے ممتاز اور افضل ہوگئے۔ وذٰلک

---

[1] یعنی: ؎

ہاتھ خالی، دل غنی، کون و مکاں پہ اقتدار
دیکھنا یہ سازو سامانِ حبیبِ کبریا (اختر الحامدی)

فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

جب مذکورہ وجوہات کو جان لیا گیا تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن لوگوں میں پیدا ہوئے اور اُن میں ہی آپ نے پرورش پائی تھی جو شبانہ روز آپ کے حالات کا مشاہدہ کرتے اور مذکورہ دلائل پر مطلع تھے، جن کے سبب اُن کا آپ پر ایمان لانا زیادہ آسان تھا ہر اس شخص کی نسبت جو آپ کے حالات سے بے خبر ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے ساتھ اُن پر خاص احسان فرمایا ہے کہ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ۔ اگر یہی احسان کا یہ پہلو بھی تو موجود ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عربی ہونا اہلِ عرب کے لیے انتہائی شرف اور سرمایۂ افتخار ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ[1] اور بے شک وہ شرف ہے تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے۔

اِس فخر کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فخر کرنا یہود، نصاریٰ اور اہلِ عرب میں مشترک تھا، لیکن یہود و نصاریٰ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور توریت و انجیل کے باعث بھی فخر کرتے تھے اور اہلِ عرب کو ایسا کوئی شرف حاصل نہیں تھا جس سے یہود و نصاریٰ محروم ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر قرآنِ مجید نازل کیا تو اہلِ عرب کو وہ کرامت اور بزرگی میسر آگئی جیسی اُممِ سابقہ میں سے کسی کے حصے میں نہیں آئی تھی، اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَنْفُسِہِمْ فرمایا ہے۔

اِس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ تو اس کے بارے میں جاننا ضروری ہے کہ انسان کا کمال دو باتوں میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اعمالِ صالحہ کو جاننے میں تاکہ اُن کے مطابق عمل کر سکے۔ بالفاظِ دیگر نفسِ انسانی کے لیے نظریاتی اور عملی دو طاقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] پ ۲۵، سورۃ الزخرف، آیت ۴۴

قرآنِ کریم کو اسی لیے نازل فرمایا ہے کہ مخلوق کی ان دونوں قوتوں کی اصلاح و تکمیل ہو جائے چنانچہ یَتْلُوا عَلَیْهِمْ میں اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوقِ خدا تک وحیِ الٰہی کو پہنچاتے ہیں وَیُزَکِّیْهِمْ میں معارفِ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جس سے نظریاتی قوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ تعلیمِ کتاب سے تاویلِ معرفت کی جانب اشارہ ہے یا بالفاظِ دگر کتاب سے شریعت کے ظاہری احکام اور حکمت سے اُس کے محاسن و اسرار اور اسباب و منافع مراد ہیں۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس چیز کا ذکر فرمایا جس سے یہ نعمت کامل ہوتی ہے اور وہ اس بات کا اظہار ہے کہ پہلے یہی لوگ گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ جب مشقت اٹھانے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد کسی نعمت یا راحت کا حصول ہوتا ہے تو اُس کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔ چونکہ اِس نعمت کا تعلق علم و اعلام سے ہے جو جہالت اور بے دینی کے بعد حاصل ہوئی تو اِس طرح اِس کی عظمت اور قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اِس کی نظیر یہ ارشادِ ربانی ہے : وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔

فترت کے بعد سید المرسلین کی آمد

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ مائدہ کی آیت

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؏ [1]	اے کتاب والو! بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اِس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ کو سب قدرت ہے۔

---

[1] پ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۱۹

کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ایام فترت کے بارے میں ہے یعنی رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو برس یا اس سے کچھ کم و بیش کا طویل وقفہ ہے۔ علامہ کلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت موسٰی اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کے درمیان سترہ سو سالہ مدت ہے اور اس عرصے میں ایک ہزار انبیائے کرام خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے تشریف لائے تھے جبکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیانی وقفے میں صرف چار نبی تشریف فرما ہوئے، جن میں سے تین بنی اسرائیل میں اور ایک اہلِ عرب سے، جن کا اسمِ گرامی خالد بن سنان عبسی علیہ السلام ہے۔

رسولوں کی آمد کا سلسلہ اتنے دنوں بند رہنے کے بعد فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے میں یہی مصلحت تھی کہ شرائعِ سابقہ میں اس طرح تحریف و تبدیل کرنے والے اپنے پورے جوہر دکھالیں اور اتنے عرصے میں حق و باطل اور سچ جھوٹ میں اس درجہ اختلاط ہو جائے کہ تمیز کرنا ممکن نہ رہے اور لوگوں کے لیے عبادات ترک کرنے کا واضح عذر ہو جائے اور وہ کہہ سکیں کہ اے پروردگار! یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تیری عبادت کرنی چاہیے کیونکہ بندوں کے لیے اس کے بغیر چارۂ کار نہیں لیکن ہم عبادت کرنے کے طریقوں سے ناآشنا ہیں۔ چنانچہ ایسے حالات میں اللہ جل شانہ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ اُن لوگوں کا یہ عذر ختم ہو جائے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ۔ (یعنی یہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کون سا کوئی نبی آیا ہے؟) پس اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اب تو تمہارے پاس نبی آگیا۔ آپ کی بعثت کے سبب یہ علت زائل ہو گئی اور اُن کا یہ عذر ختم ہو گیا۔ [1]

---

[1] مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے | پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی | چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اعراف کی آیتِ کریمہ:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ [1]

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل ہیں۔ وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں اُن کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں اُن پر حرام کرے گا اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے، جو اُن پر تھے، اُتارے گا، تو وہ جو اُس پر ایمان لائیں اور اُس کی تعظیم کریں اور اُسے مدد دیں اور اُس نور کی پیروی کریں جو اُس کے ساتھ اُترا، وہی بامراد ہوئے۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ جاننا ضروری ہے کہ رحمتِ خداوندی اُن لوگوں کے لیے واجب ہو جاتی ہے جو تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوں، زکوٰۃ ادا کریں اور آیاتِ الٰہیہ پر ایمان لائیں۔ اس آیت کے ذریعے یہ بات بھی ساتھ ملا دی گئی کہ اِس اُمّی نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پیروی کرنا بھی ضروری ہے جس کا تذکرہ وہ توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جس حیثیت سے اُنھوں نے توریت میں آپ کا وصف پایا، اُسی طرح وہ آپ کی نبوت پر ایمان لاکر پیروی کریں، کیونکہ آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے کی کسی شریعت کی پیروی کرنا اب جائز نہیں ہے۔

---

[1] پ ۹، الاعراف، آیت ۱۵۷

دُوسرا قول وَالْاِنْجِیْلِ کے بارے میں یہ ہے کہ انجیل میں یہ کچھ لکھا ہوا پایا گیا ہے، کیونکہ انجیل کے نزول سے پہلے اُس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کا پایا جانا محال ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اِس سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ پایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ اگر وہ اِس اُمّی نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پیروی کریں تو دنیا اور آخرت کے اندر رحمتِ بے پایاں سے نوازے جائیں گے۔ یہی قول زیادہ درست ہے کیونکہ بعثت سے پہلے تو آپ کی پیروی ممکن ہی نہ تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا وہی فرد اِس رحمت سے حصّہ حاصل کرسکا، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا، زکوٰۃ ادا کی اور عہدِ موسوی کے دلائل پہ ایمان لایا اور زمانۂ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اِس رحمت سے وہی فیضیاب ہوگا جس میں مذکورہ صفات کے ساتھ یہ صفت بھی پائی جائے کہ وہ شریعتِ محمدیہ کا پیروکار ہو۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ آیتِ کریمہ میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نو اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

وصفِ اوّل اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آپ رسول ہیں۔ عُرفِ عام کے لحاظ سے اِس لفظ کے ساتھ وُہی مخصوص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجے۔

وصفِ دوم بتایا کہ آپ نبی بھی ہیں۔ یہ لفظ بھی دلالت کرتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں آپ عظیم المرتبت منصب پر فائز ہیں۔

وصفِ سوم آپ کو اُمّی بتایا ہے۔ زجاج علیہ الرحمہ نے اِس کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو شخص اہلِ عرب کی صفت پر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مَیں اَن پڑھوں کی جماعت میں مبعوث فرمایا گیا ہُوں، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ چونکہ اکثر اہلِ عرب پڑھنے لکھنے سے ناآشنا تھے لہٰذا فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اِسی حال پر رہے اور اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّی ہونے کا لقب دیا ہے۔ محققین فرماتے ہیں

کہ اس تفسیر کے لحاظ سے اُمّی ہونا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اِس اعجاز کی مختلف وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار قرآن کریم پڑھ کر سناتے رہے لیکن کبھی اِس کے الفاظ یا کلمات میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی، حالانکہ عربی خطیب پہلی دفعہ خطبہ پڑھنے کے بعد جب بھی اُسے دُہراتے تو یقیناً اُس کے الفاظ میں کمی یا بیشی ہو جاتی تھی۔ کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ اَن پڑھ ہونے کے باوجود آپ قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے رہے اور کسی دفعہ کے پڑھنے میں ذرا سا فرق بھی نہیں آیا۔ آخر اِسے معجزے کے سوا اور کیہ کہا جائے؟ اسی لیے تو اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۝ [1] اب ہم تمھیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے۔

دوسری وجہ: نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر پڑھے لکھے ہوتے تو آپ پر یہ اتہام لگایا جا سکتا تھا کتبِ سابقہ کے مطالعے سے یہ علوم حاصل کیے ہیں لیکن کسی کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کرنے اور مطالعے کے بغیر ہی جب آپ قرآن مجید جیسی کتاب لے کر آئے جو علومِ کثیرہ کی جامع ہے تو اِسے منجملہ آپ کے معجزات کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہی مراد اللہ جلّ شانہٗ کے اس ارشاد سے ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ [2]

اور اِس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یُوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

تیسری وجہ: لکھنا سیکھ لینا آسان ہے کیونکہ بعض کم پڑھے ہوئے جو ذکی و فہیم ہوں وہ معمولی سی کوشش سے لکھنا سیکھ لیتے ہیں۔ لکھنے سے محروم رہنا عقل و فہم میں کوتاہی کا باعث ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود

انه تعالیٰ أتاه صلی اللہ علیه — اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

---

[1] پ ۳۰، سورۃ الاعلیٰ، آیت ۶

[2] پ ۲۱، سورۃ العنکبوت، آیت ۴۸

وسلم علوم الاولین و الاخرین واعطاه من العلوم والحقائق مالم یصل الیه احد من البشر ومع تلك القوة العظیمة فی العقل والفهم جعله بحیث لم یتعلم الخط الذی یسهل تعلمه علی اقل الخلق عقلاً وفهماً فکان الجمع بین ها تین الحالتین المتضادتین جاریاً مجری الجمع بین الضدین وذالك من الامور الخارقة للعادة وجار مجری المعجزات۔ (رقب ۱۶۰)

سب اگلے پچھلوں کے علوم مرحمت فرما دیے اور آپ کو اتنے علوم و حقایق عطا فرمائے جن تک نوع انسانی کے کسی بھی فرد کی رسائی نہیں ہو سکی اور عقل و فہم کی آپ کو ایسی عظیم الشان قوت مرحمت فرمانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے سے محروم رکھا حالانکہ لکھنا تو ایک معمولی فہم و فراست والا انسان بھی سیکھ لیتا ہے۔ پس آپ کے اندر ان دونوں متضاد حالتوں کا جمع ہو جانا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اجتماعِ ضدین کی طرح ہے اور دو متضاد حالتوں کا جمع ہونا عادت کے خلاف اور معجزے کا قائم مقام ہے۔

وصف چہارم: فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِس آیت کریمہ میں جو نو صفات بیان فرمائی گئی ہیں اُن میں سے چوتھی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور آپ کی نبوت کا سچا ہونا توریت اور انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے۔ (والحمد للہ علیٰ ذالک) ۔ اگر توریت و انجیل میں ایسا لکھا ہوا نہ ہوتا تو آپ کا مذکورہ بالا اعلان یہود و نصاریٰ کو آپ سے ازحد متنفر کر دیتا اور وُہ آپ کی باتوں پر کبھی کان دھرنے کے لیے تیار نہ ہوتے کیونکہ کذب بیانی اور بہتان تراشی تو نفرت کا زیر دست پیش خیمہ ہیں اور کوئی بھی عقل و فہم سے بہرہ ور شخص ایسے امور کی جسارت نہیں کرتا جو اس کی شہرت کو داغدار کریں اور لوگوں کو اُس سے متنفر کر دیں تاکہ وُہ اُس کی بات تک سُننا گوارا نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد و محاسن توریت و انجیل میں لکھے ہُوئے تھے اور یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوّت کے برحق ہونے کے عظیم الشان دلائل سے ہے۔

وصفِ پنجم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ۔ اس کے بارے میں زجاج علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو صفات توریت و انجیل میں لکھی ہوئی ہیں ممکن ہے یہ صفت اُن کے علاوہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ معناً ایسا لکھا ہوا ہو کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھے کاموں کا حکم دینے والے ہیں۔

وصفِ ششم: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اس سے مراد ہے:

اضداد الامور المذکورۃ	اس سے امورِ مذکورہ کی ضد مراد ہے یعنی بُتوں کی
وھی عبادۃ الاوثان والقول	پُوجا کرنا، بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی صفات میں
فی صفات اللہ تعالیٰ بغیر علم	گفت گو کرنا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انبیائے کرام
والکفر بما انزل اللہ علی النبیین	پر نازل کیا اُس کا انکار کرنا، قطع رحمی کرنا
وقطع الرحم وعقوق الوالدین۔ (رمنا ۱۶)	اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

وصفِ ہفتم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طیبات سے مراد وہی چیزیں ہیں جن کی حلت کا باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے، لیکن یہ اصلی مفہوم سے بعید ہے بلکہ ضروری ہے کہ طیبات سے مراد وہ پاک اور ستھری چیزیں ہوں جنھیں طبعِ انسانی پسند کرتی ہے کیونکہ ستھری چیزوں کا کھانا ہی لذت بخش ہوتا ہے۔ پس نفع بخش ہونے کی اصل حلال ہونا ہے، ماسوائے اُس کے جس کے خلاف کوئی علیحدہ دلیل ہو۔

وصفِ ہشتم: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ خبائث سے مراد مردار اور خون وغیرہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں ذٰلِكُمْ فِسْقٌ تک کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ خبائث سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کے کھانے سے آدمی نفرت کرتا ہے اور طبعِ انسانی اُسے پسند نہیں کرتی اور اُس کا کھانا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مضر چیزوں کی اصل حُرمت ہے، لہٰذا اِس آیت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ جن چیزوں کا کھانا طبیعت بُرا جانے اُن کی اصل حرمت ہے جبکہ کسی چیز کی حلت کے بارے میں کوئی علیحدہ دلیل نہ ہو۔

وصفِ نہم: ارشادِ ربانی وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ میں اِصْر

سے مراد وہ بھاری بوجھ ہے جو اپنی ثقالت کے باعث حرکت کرنے سے روکے ۔ یہ اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی جانب ہے جو بہت سخت تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو اَغلاَل فرمایا ہے اِس سے مراد شریعتِ موسوی کے وہ سخت احکام ہیں جو اُن کی شریعت میں شامل تھے جیسے جس جگہ پیشاب لگ جاتے اُسے کاٹ ڈالنا، توبہ کی خاطر اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا، جسم کے جس حصّے سے کوئی گناہ سرزد ہو اُسے کاٹ دینا اور گوشت میں عروق تلاش کرنا وغیرہ۔ اِن احکام کو اَغلاَل (طوق) اُن کی سختی کے باعث کہا گیا ہے کیونکہ حُرمت فعل سے منع کرتی ہے جیسے طوق انسان کو فعل سے روکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بالوں سے بُنے ہُوتے موٹے کپڑے پہنتے اور اپنے ہاتھوں کو گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔ نماز میں تواضع کے لیے اُنھیں ایسا کرنا پڑتا تھا۔ اِس تقدیر پر اَغلاَل اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور اِس میں کوئی استعارہ نہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ آیت کریمہ اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ضرر رساں چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مشروع نہیں ہوتیں، کیونکہ مُضر چیز یا اِصر ہوگی یا غِل اور اِس نصِ قرآنی کا ظاہر عدم مشروعیت کا مقتضی ہے، جیسا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِسلام میں کوئی ضرر یا مضرّت نہیں ہے اور فرمایا کہ میں سہل اور نرم شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہُوں اور یہ شریعتِ محمدیہ کی اصلِ کبیر ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حبیبِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مذکورہ نو صفات کے ساتھ توصیف فرمائی تو اِس کے بعد حکم دیا: فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اِس سے مراد وہ یہودی ہیں جو آپ پر ایمان لاتے۔ عَزَّرُوْهُ سے مراد آپ کی تعظیم و توقیر کرنا ہے اور نَصَرُوْهُ سے مراد دشمنانِ دین کے خلاف آپ کی مدد کرنا ہے وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ کا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن صفات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی کامیاب ہونیوالے ایسے ہی لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں اپنے مطلوب کو پالیں گے۔ مذکورہ بالا آیت کے بعد ارشادِ ربّانی ہُوا:

قُلْ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ	تم فرماؤ! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس
اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا اِلَّذِیْ لَہٗ	اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی
مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ	اُسی کو ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا	جِلائے اور مارے۔ تو ایمان لاؤ اللہ
بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ	اور اُس کے رسول، بے پڑھے، غیب
الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ	بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر
وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ[1]	ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ (یعنی میں اُسے پرہیزگاروں میں لکھ لوں گا) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اِس رحمت کو وُہی متقی حاصل کر سکتے ہیں جو اِس اُمّی رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کا اتباع کریں گے تو اس آیت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساری مخلوق کی جانب رسول بن کر آنا واضح طور پر بتا دیا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، قُلْ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا اور اِس جملے میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ یہ آیت اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ یہود سے عیسویہ فرقہ کہتا تھا، جو عیسیٰ اصفہانی کے پیروکاروں پر مشتمل تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے نبی ہیں، لیکن صرف عرب والوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، آپ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔ اُن لوگوں کے ردّ و ابطال میں یہ آیت ہمارے لیے محکم دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ فرمایا ہے، یہ خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ اِس کے بعد یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ اِس کا واضح مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ تمام

---

[1] پ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۵۸

انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ نیز دینِ محمدی میں یہ بطریقِ تواتر معلوم ہے کہ آپ کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ آپ کو ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ پس آپ کا دعویٰ رسالت صداقت پر مبنی ہوگا یا برعکس۔ پس آپ کو جب سچا رسول مانا جائے گا تو کذب آپ پر ممتنع ہوگا اور ہر دعوے میں آپ کو سچا ماننا لازم آئے گا۔ جب مذکورہ آیت اور تواتر کے طریق سے یہ ثابت ہو چکا کہ آپ تمام مخلوق کی جانب مبعوث ہوئے اور یہی آپ کا دعویٰ بھی تھا، تو اِس دعوے میں بھی آپ کو سچا ماننا واجب ہوا اور اِس سے علیسویہ کے قول کا بطلان واضح ہوگیا جو کہتے تھے کہ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی اسرائیل کی طرف نہیں بلکہ صرف اہلِ عرب کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ اگر وہ لوگ کہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا رسول نہیں مانتے، تو اس صورت میں آپ عرب یا غیر عرب کسی کے رسول نہ ہوئے (حالانکہ وہ اہلِ عرب کا رسول آپ کو مانتے تھے)۔ پس ثابت ہوا کہ اُن لوگوں کا آپ کو بعض مخلوق کے لیے رسول ماننا اور دوسروں کے لیے نہ ماننا باطل اور ان کا کلام متناقض ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ آیت کریمہ اِس بات پر تو دلالت کرتی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمائے گئے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسرا کوئی نبی بھی ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا تھا یا نہیں؛ واجب ہوا کہ یہ معلوم کرنے کی خاطر دلائل کی طرف رجوع کیا جائے اور تمام دلائل کو دیکھا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام اہلِ علم کا اِس پر اتفاق ہے کہ محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسرا کوئی نبی ساری مخلوق کی جانب مبعوث نہیں ہوا اور اُنھوں نے از رُوئے دلائل اِس بات کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دکھایا ہے، جیسا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ میں پانچ چیزیں ایسا عطا فرمایا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئیں: (۱) میں سارے انسانوں (بہر گورے اور کالے) کا نبی ہوں۔ (۲) تمام زمین میرے لیے پاک اور مسجد بنا دی گئی۔ (۳) میری رُعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے یہاں تک کہ میرا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر مجھ سے دُور رہتا ہُوا بھی لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ (۴) ہم غنیمت کا مال کھا سکتے ہیں جبکہ ہم سے پہلے کسی اُمت کے لیے غنیمت کا مال کھانا جائز نہیں تھا۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے

وعدہ فرمایا کہ کوئی چیز مجھ سے مانگ لو، وہ مرحمت فرمائی جائے گی۔ میں نے یہ حق اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔

اگر قائل یہ کہے کہ یہ حدیث آپ کے مدعا پر صریح دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ بعید نہیں ہے کہ مذکورہ پانچوں امور کا مجموعہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو اور یہ پانچوں کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوں لیکن آپ کی خصوصیت کے اس مجموعے سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کسی کو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اسی سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی ساری اولاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور اس لحاظ سے وہ بھی سارے انسانوں کے نبی ہوئے۔ اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اُترے تو وہ اُن لوگوں کے نبی تھے جو اُس وقت اُن کے ساتھ تھے اور اُس وقت تمام انسانوں کا اطلاق صرف اُن چند نفوس ہی پر منحصر تھا۔

اس کے بعد فخر الملت والدین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر کا بیان فرمایا کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت ایک جائز اور ممکن چیز ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق رسول ہیں، کیونکہ جو مطلوب کو ثابت کرنے کا قصد کرے اُس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اُس کا جواز ثابت کرے، اس کے بعد حصول، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ سے حکم کی ابتداء فرمائی کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لانا اصل ہے اور نبوت و رسالت پر ایمان لانا اُس کی فرع ہے اور اصل کا اپنی فرع سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ سے کلام کی ابتداء فرمائی، اس کے بعد وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ کا ذکر فرمایا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ کلماتہٖ سے اشارہ آپ کے معجزات کی جانب ہے کیونکہ یہ نبوت کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کی تقریر یوں ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم: وہ معجزات جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں ظاہر ہوئے اُن میں سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے یعنی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ

تہ نہیں کیا تھا، نہ کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کیا، نہ علماء کی مجلس میں شریک ہونے کا اتفاق ہُوا کیونکہ مکہ مکرمہ میں کوئی عالِم تھا ہی نہیں اور نہ کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے اتنی مدّت غیر حاضر رہے جس میں علومِ کثیرہ کی تحصیل ممکن ہو، اِس کے باوجود آپ نے علم و تحقیق کے دریا بہاتے اور وہ دروازے بھی کھول دیئے جو آج تک مقفّل ہی چلے آتے تھے، ساتھ ہی آپ پر قرآنِ کریم کو ظاہر فرمایا جو اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم کا جامع ہے۔ اُمّی ہونے کے باوجود آپ سے ایسے علومِ کثیرہ عظیمہ کا ظہور ہونا جبکہ نہ کسی استاد سے ملے، نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا، ایسے حالات میں یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اَلنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ کہہ کر آپ کی جانب ہی اشارہ فرمایا ہے۔

دُوسری قسم: وُہ معجزات جو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے ظاہر ہُوتے، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا۔ ایسے معجزات کو کلمات اللہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی عجیب و غریب طریقے سے ہُوئی جو خلافِ عادت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں کَلِمَۃُ اللّٰہِ کہا۔ اِسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات جبکہ عجیب و غریب بھی ہیں اور عادت کے خلاف بھی، تو اِنھیں کلمۃ اللہ کیوں نہ کہا جائے گا؟ پس اس لحاظ سے یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ اُن معجزات پر بھی ایمان لاتے ہیں جو فخرِ دو عالم، سرورِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے ظاہر ہُوتے۔ اِس طرح نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچّے نبی ہونے پر اتمامِ حُجّت ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جب مضبوط دلائل کے ساتھ، جن کا ہم ذکر کر چکے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوّت ثابت ہے تو ضروری ہُوا کہ اب اِس امر کا تذکرہ کیا جائے جس کے ذریعے تفصیل شریعتِ مطہرہ کی معرفت حاصل ہو جائے اور اِس کا معلوم کرنا آپ کے اقوال و افعال سے واقفیت ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اِسی کی جانب اللہ جل شانہٗ نے اِس آیت میں لفظ وَاتَّبِعُوْہُ کے ذریعے اشارہ فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ پیروی اِس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ کے ہر قول و فعل کو

معلوم کیا جائے۔ قول میں آپ کی پیروی اس طرح ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ امر ونہی اور ترغیب وترہیب کے طور پر فرمایا ہے اُسے بلےچون وچرا تسلیم کر لیا جائے اور فعل میں آپ کی پیروی اِس طرح کی جائے گی کہ جو کام آپ نے جس طرح کیا ہم بھی اسی طرح کریں اور جس کام سے آپ نے اجتناب فرمایا ہو ہم بھی اُس سے دُور رہیں۔ معلوم ہُوا کہ وَاتَّبِعُوْا کا حکم اِن دونوں قسموں کو شامل ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ امر وجوب کو چاہتا ہے۔ اِس صورت میں اللہ تعالیٰ کا وَاتَّبِعُوْا فرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ ہر امر ونہی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہم پر واجب ہے اور ہر فعل میں آپ کی اقتدا ضروری ہے ماسوائے اُن افعال کے جن کے بارے میں دلیل سے یہ معلوم ہے کہ وُہ آپ کی خصوصیات سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُن کے ساتھ خاص ہونا تفصیلی دلائل سے ثابت ہے۔

اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ التوبہ کی آیت کریمہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پہ غالب
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[1]	کرے۔ پڑے بُرا مانیں مشرک۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اعدائے دین کا یہ حال بیان فرمایا کہ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو باطل ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ میں اِس بُطلان کا انکار کرتا ہُوں اور یہ برحق دین مِٹ نہیں سکتا بلکہ عروجِ کمال تک پہنچے گا اور اِس کی کیفیت کا ذکر کرتے ہُوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اِس آخری نبی کو ہدایت اور دینِ برحق دے کر بھیجا ہے۔ جاننا چاہیے کہ انبیائے کرام کے کمالات کو اُس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک مندرجہ ذیل امور کو نہ سمجھ لیا جائے:

---

[1] پ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۳۳

اوّل: ہدایت کے ساتھ بھیجنے کا مفہوم کثرتِ دلائل اور معجزاتِ کثیرہ کے ساتھ بھیجنا ہے۔
دوم: محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین مختلف قسم کے امور پر مشتمل ہے، جن میں ہر ایک کے اندر بہتری، اصلاح و درستی حکمت سے مطابقت اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے اِس برحق دین کو دِینِ الْحَقِّ فرمایا ہے۔
سوم: فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو دیگر تمام ادیان پر فوقیت اور غلبہ حاصل ہے، اسی لیے یہ منکرینِ اسلام کے ہر گروہ پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے یہی مراد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ایک چیز کا دوسری پر غلبہ کبھی دلائل کے لحاظ سے، کبھی بسبب کثرت اور علو و برتری کے باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کے غلبہ کی بشارت دی ہے اور خوشخبری اُس چیز کی دی جاتی ہے جو مستقبل میں حاصل ہونے والی ہو۔ اِس دینِ متین کا دلائل و براہین کے ساتھ غلبہ تو ایک مسلّم امر ہے، پس واجب ہے کہ غلبہ کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے لازم آتا ہے کہ اسلام باقی تمام ادیان پر غالب ہو لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ ہندوستان (بھارت)، چین، روم (اٹلی) اور کفار کے دیگر ممالک میں اسلام باقی دینوں پر غالب نہیں ہے۔ (یہاں سائل نے اسلام کے غلبہ سے مدعیانِ اسلام کا غلبہ مراد لیا ہے)، اس کے مختلف جواب ہیں:
پہلا جواب: اِسلام کے خلاف کوئی دین ایسا نہیں جس پر مسلمان غالب نہ آئے ہوں اور بعض ممالک پر مسلط و قابض بھی رہے ہیں، اگرچہ تمام ممالک پر قابض نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہودیوں پر غالب آئے اور اُنھیں جزیرۂ عرب سے باہر مار بھگایا تھا۔ ملکِ شام میں نصاریٰ پر غالب آئے اور اُس کے گرد روم اور دیگر مغربی ممالک پر قابض ہوئے۔ مجوسیوں کے ملک پر قبضہ کیا اور بت پرستوں کے بیشتر علاقوں پر غالب آئے۔ اسی طرح ترکی اور بھارت میں بھی مسلمانوں کا غلبہ رہا۔ اِس طرح بھی باقی ادیان پر اسلام کے غلبہ کی جو اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی تھی وُہ واقع ہوگئی۔ چونکہ یہ غیب کی خبر ہے لہٰذا یہ آپ کا معجزہ ہُوا۔

دوسرا جواب: ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو باقی ادیان پر غالب رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اِس وعدے کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگی۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ مبارک میں ہر شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے گا اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے وُہ مسلمانوں کے باجگزار ہوں گے۔

تیسرا جواب: ہوسکتا ہے اِس غلبہ سے جزیرۂ عرب میں اسلام کا غلبہ مراد ہو۔ اگر مراد یہی ہے تو ایسا ہو چکا ہے کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ عرب میں کوئی کافر نہیں رہا تھا۔

چوتھا جواب: ہوسکتا ہے کہ دین سے مراد سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہو، یعنی اللہ جل شانہ، اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین کے جملہ احکام پر مطلع کر دے گا اور کوئی چیز آپ پر مخفی نہ رہے گی تاکہ یہ دین بالکل مکمّل ہو جائے۔ اِس تقدیر پر لِیُظْهِرَهٗ کی ضمیر کا مرجع فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں گے نہ کہ دین۔

پانچواں جواب: اِس آیت سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ دلیل اور بیان سے آپ کے دین کو غلبہ دیا جائے گا، اگرچہ یہ وجہ کمزور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ مستقبل کے بارے میں فرمایا ہے اور دلائل و براہین کی قوت اور غلبہ تو اسلام کو شروع ہی سے حاصل ہے۔ ہاں اِس کی یہ صورت ممکن ہے کہ شروع میں مسلمانوں کی قلت اور کفار کی کثرت کے باعث بہت سے شبہات وارد کیے جا رہے تھے اور کفار نے تمام لوگوں کو مسلمانوں کے دلائل میں غور و خوض کرنے سے منع کر رکھا تھا لیکن جب اسلام کو قوت اور شوکت حاصل ہوگئی تو کفار عاجز ہوگئے اور اُن کے شکوک و شبہات بھی نڈھال ہو کر رہ گئے۔ اِس طرح اسلام کے دلائل کو منظرِ عام پر آنے کے باعث تقویت پہنچی اور غلبہ حاصل ہوگیا۔

ہمارا غمخوار آقا

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ التوبہ کی آیتِ کریمہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ — بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے

اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ — وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ — ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ [1] — مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اِس آیت کریمہ میں کئی مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِس سُورت کی تبلیغ کا حکم دیا تو آپ نے مخلوقِ خدا تک اِسے پہنچانے کی خاطر تکالیف شدیدہ برداشت کیں، جنھیں صرف وہی ہستی برداشت کر سکتی ہے جسے توفیق و کرامت کی خلعت سے نوازا گیا ہو۔ اِس سُورت کو اللہ تعالیٰ نے ایسے محبت آمیز لفظوں میں ختم کیا جو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تکالیف کی شدت میں تسکین و راحت کا سامان بنے ہوں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ سے فرمایا کہ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے ہیں۔ پس اُنھیں دنیا میں جو عزت و شرافت حاصل ہے وہ تمہارے لیے بھی سرمایۂ افتخار ہے۔ علاوہ بریں وُہ تمہارے انتہائی خیر خواہ ہیں کہ تم محنت و مشقت میں پڑ جاؤ تو یہ صورتِ حال اُن پر گراں گزرتی ہے اور وُہ دنیا اور آخرت کی ہر ایک بھلائی کو تم لوگوں تک پہنچانے میں بڑے ہی کوشاں رہتے ہیں۔ گویا وہ تمہارے حق میں ایک مہربان طبیب اور مشفق باپ کی طرح ہیں۔

مہربان طبیب کو کبھی اِس طرح بھی علاج کرنا پڑ جاتا ہے جس کا برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے اور ایک مشفق باپ کو کبھی سختی کے ساتھ بھی ادب سکھانا پڑ جاتا ہے لیکن مستفید ہونے والا اگر اِس حقیقت سے باخبر ہو کہ طبیب مہربان اور والدِ محترم شفیق ہے تو سخت علاج اور سخت آداب کو آسانی سے برداشت کرتا اور اِن کی شدت کو لُطف و کرم گردانتا ہے۔

پس جب تم نے جان لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تو اِن کی وجہ سے تمھیں جن تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اُن کا برضا و رغبت استقبال کرو تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چُومے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے

---

[1] پ ۱۱، سورہ التوبہ، آیت ۱۲۸

آخری رسول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ اگر یہ لوگ ان تکالیف کو قبول کرنے سے پس و پیش کریں تو ان سے مُنہ پھیر لو، ان کی جانب ذرا بھی توجہ نہ فرماؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہُوئے اپنے تمام امُور کو اُسی کے حوالے کر دو اور یہ اعلان فرما دو :

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ [۱]

مجھے اللہ کافی ہے۔ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور وُہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

یہ اِس سُورت کے آخری الفاظ ہیں۔ یہ اختتام معنوی لحاظ سے بڑا حسین و جمیل ہے کہ اُس کمال منصب کی نشان دہی کرتا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں اُس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

دُوسرا مسئلہ : جاننا چاہیے کہ اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پانچ قسم کے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں :

پہلا وصف : اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَنْفُسِکُمْ فرمایا ہے۔ اِس کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے :

۱۔ یعنی دیکھنے میں وُہ بھی تمہاری طرح کے انسان معلوم ہوتے ہیں یا تمہاری طرح کے بشری تقاضے اُن کے ساتھ بھی ہیں، جیسا کہ اِسی سلسلے میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے :

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ ۔ [۲]

کیا لوگوں کو اِس کا اچنبھا ہُوا کہ ہم نے اُن میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی۔

یا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۔ [۳] ظاہر صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہُوں۔

اِس سے مراد صرف یہ ہے کہ اگر فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنسِ ملائکہ سے ہوتے تو انسانوں

---

[۱] پ ۱۱، سورۂ التوبہ، آیت ۱۲۹
[۲] پ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۲
[۳] پ ۱۶، سورۂ الکھف، آیت ۱۱۰

سکے یلیے اُن کی پیروی کرکے منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

۲۔ مِنْ اَنْفُسِکُمْ میں خطاب اہلِ عرب سے ہے یعنی وُہ تم سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس سے وادیوں کے سبب آپ کا سلسلۂ پیدائش نہ ملتا ہو۔ وہ مضر، ربیعہ اور یمانی ہیں۔ چنانچہ مضر اور ربیعہ عدنانی ہیں اور یمانی قحطانی ہیں۔ اِسی یلیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: — لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ۔ اِس میں مِنْ اَنْفُسِھِمْ فرما کر یہ ترغیب دینا مقصود ہے کہ اہلِ عرب اُن کی نصرت و اعانت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور گویا اُن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو دنیاوی حکومت اور رفعت حاصل ہو رہی ہے۔ یہ تمہارے یلیے بھی تو باعثِ عزت اور سرمایۂ افتخار ہے کیونکہ وُہ تم میں سے ہیں اور نسب کے لحاظ سے وُہ تم سے علیحدہ تو نہیں ہیں۔

۳۔ مِنْ اَنْفُسِکُمْ میں خطاب اہلِ حرم سے ہے کیونکہ اہلِ عرب زمانۂ جاہلیت میں اہلِ حرم کو اللہ والے کہا کرتے تھے، اُنھیں خاص سمجھتے اور اُن کی خدمت بجا لاتے تھے۔ اہلِ حرم بھی مشکل معاملات میں اُن کی دستگیری کیا کرتے تھے۔ یہاں گویا اہلِ عرب سے کہا جا رہا ہے کہ تم نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری سے پہلے اِن کے اسلاف کی تعظیم و توقیر اور خدمت گزاری میں پیش پیش رہتے تھے تو اِن کی خدمت گزاری سے کیوں پہلوتہی کرتے ہو حالانکہ بزرگی اور شرافت میں وہ اسلاف تو ان کے پاسنگ بھی نہیں تھے۔

۴۔ اِس وصف کے تذکرے سے آپ کی پاکدامنی اور طہارت سے لوگوں کو خبردار کرنا مقصود ہے۔ گویا فرمایا جا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تمہارے قبیلے سے ہیں۔ تم اِن کے صدق و امانت اور عفت و صیانت سے اچھی طرح باخبر ہو۔ علاوہ بریں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تم سے مصائب و آفات کو دفع کرنے اور ہر بھلائی سے تمھیں ہمکنار کرنے میں ہمہ وقت کوشاں رہے ہیں۔ جس کی یہ حالت اور ایسے اوصاف ہوں، اُس کا تم میں سے ہونا، اللہ تعالیٰ کا تم پر کتنا بڑا انعام ہے؟

اِس کی ایک قرأت میں مِنْ اَنْفَسِکُمْ یعنی فائے مفتوح کے ساتھ بھی ہے۔ اِس کا

مطلب یہ ہُوا کہ وُہ تم میں سب سے بزرگ اور افضل ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت ہے۔

دُوسرا وصف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ۔ جاننا چاہیے عَزِیْزٌ سے سخت غالب مراد ہے اور عزت سے زیادہ سخت غلبہ اور کس چیز کا ہو سکتا ہے؟ عنت مصائب میں اِس طرح گھرے ہُوئے انسان کو کہتے ہیں جو بے بس ہو چکا ہو۔ امام فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَا عَنِتُّمْ میں لفظ مَا یہاں رفع کی جگہ ہے لہٰذا مطلب یہ ہُوا کہ تمہارا مشکلات میں گرفتار رہنا اُن پر گراں گزرتا ہے اور تمہیں نقصان پہنچانے والے امور سے اُنھیں تکلیف پہنچتی ہے اور وُہ اُنھیں دُور کرنے کی پُوری کوشش فرماتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑی تکلیف وہ جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور وُہ اِسی سے بچانے کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔

تیسرا وصف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ۔ حرص کا ذاتیات سے متعلق ہونا ممنوع ہے لیکن یہاں حریص سے مراد یہ ہے کہ وُہ دنیا اور آخرت میں تمھیں بھلائیوں سے ہمکنار کرنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔

چوتھا اور پانچواں وصف: ارشادِ ربّانی ہے: بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے اسمائے حسنیٰ سے یہ دُو نام فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائے ہیں یعنی رؤف اور رحیم۔ (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

حیاتِ مصطفیٰ کی قسم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ الحجر کی آیتِ کریمہ:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ [1]	اے محبوب! تمھاری جان کی قسم، بےشک وُہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

---

[1] پ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۷۲

کی تفسیر بیان کرتے ہُوئے اپنے درجۂ امامت کے مطابق یُوں جواہر ریزی فرمائی ہے:

ان الخطاب لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وانہ تعالٰی اقسم بحیاتہ وما اقسم بحیاۃ احد وذالک یدل علی انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکرم الخلق علی اللّٰہ تعالٰی۔ (ص ۱۷۶)	یہ خطاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے اور بیشک اللّٰہ تعالٰی نے آپ کی حیاتِ مقدسہ کی قسم کھائی ہے حالاں کہ اللّٰہ تعالٰی نے کسی بھی دوسرے کی حیات کی قسم نہیں کھائی ہے اور یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اللّٰہ تعالٰی کے نزدیک آپ ساری مخلوق سے بزرگ ترین ہیں لے

رحمتِ دو عالم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے سورۂ الانبیاء کی آیتِ کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ٢ے	اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم دین اور دنیا میں رحمت ہیں۔ دین میں رحمت اس لحاظ سے ہیں کہ جب آپ کی جلوہ گری ہُوئی اُس وقت لوگ جاہلیت اور گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور اہلِ کتاب بھی دین کے معاملے میں حیران اور سرگرداں تھے کیونکہ انبیائے کرام کے دَور کو ایک عرصہ گزر چکا تھا، اُن کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اور اُن کی کتابوں میں تحریف کے باعث بہت زیادہ اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اللّٰہ تعالٰی نے سرورِ کون و مکان صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جبکہ ایک حق کے متلاشی کو سعیِ بسیار کے باوجود بھی راہ ہدایت نہ ملتی تھی۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف بلایا، کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح کا راستہ

لے وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم (حدائقِ بخشش)

٢ے پ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت ۱۰۷

دکھایا، احکام مشروع فرمائے اور حلال وحرام کی تمیز سکھائی، لیکن اسی رحمت سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جو حق کا متلاشی اور طلبگار ہو اور زمانہ جاہلیت والوں کی تقلید سے کنارہ کش ہو جائے، بُغض وعناد اور تکبر کو نزدیک نہ پھٹکنے دے، ایسے حالات میں توفیق اس کا ساتھ دیتی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ[1] ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔

سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں رحمت اس طرح ہیں کہ آپ کی وجہ سے لوگ انتہائی ذلت اور قتل وغارت گری سے نجات پا گئے اور آپ کے دین کی برکات سے اُنھوں نے مدد حاصل کی۔ اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت کس طرح ہیں جبکہ آپ نے تلوار کے ذریعے دُوسری قوموں کو ہلاک کیا اور اُن کے اموال کو غنیمت قرار دے کر اُس کا استعمال میں لانا مباح ٹھہرایا۔ اس کے مختلف جواب ہیں:

وجہ اوّل: آپ نے تلوار صرف اُس شخص کے خلاف اُٹھائی جس نے تکبّر اور سرکشی کا مظاہرہ کیا یا حق کے ساتھ بغض وعناد رکھنے کا راستہ اختیار کیا، عاقبت کو نظر انداز کر دیا اور حق و باطل میں تمیز نہ کی۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے لیکن نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا[2] اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔

حالانکہ یہی پانی جس کے لیے مُبارَکًا فرمایا ہے بعض اوقات تباہی وبربادی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

وجہ دوم: ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جس نبی کو جھٹلایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو زمین میں دھنسا دیا، یا اُن کی صورتیں مسخ کر دیں (بدل دیں)، یا اُنھیں غرق کر دیا لیکن:

وانه تعالیٰ اخر عذاب من کذب	لیکن ہر اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے موت تک
رسولنا الی الموت او الی	یا قیامت تک عذاب کو مؤخر فرما دیا ہے جس نے

---

[1] پ ۲۴، سورۂ حٰم سجدہ، آیت ۴۴ [2] پ ۲۶، سورۂ قٓ، آیت ۹

القیامۃ وقال تعالیٰ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَاَنْتَ فِیْہِمْ۔ (ﷺ) — ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھٹلایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اِن لوگوں کو اُس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک محبوب! تم اِن میں جلوہ افروز ہو۔

وجہ سوم: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حُسنِ اخلاق کے پیکر تھے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [1] — اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم سے مشرکین کی ہلاکت کے لیے دعا فرمانے کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا: مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے میں عذاب لانے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا گیا ہُوں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی آخر ایک بشر ہُوں۔ میں بھی دُوسرے انسانوں کی طرح غصے میں آجاتا ہُوں، پس میں کسی کے لیے نامناسب الفاظ ادا کر بیٹھوں یا کسی پر لعنت کروں تو اے اللہ! قیامت کے دِن اُن لفظوں کو اُس کے لیے رحمت بنا دینا۔

وجہ چہارم: حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے خاص طور پر رحمت ہیں۔ حضرت امام ابوالقاسم انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں اقوال ایک ہی مفہوم کی جانب راجع ہیں کیونکہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے لیے ہی رحمت ہیں اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نشانیوں میں غور و فکر کریں، لیکن جو اعراض کریں یا تکبر کے راستے پر گامزن ہو جائیں تو اپنے افعال کے باعث اُنھیں مبتلائے مشقت ہونا پڑے گا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔

وَھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی ؕ [2] — اور اُن پر اندھا پن ہے۔

مدارجِ تبلیغ

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ صٓ کی آیتِ کریمہ

[1] پ ۲۹، سورۂ القلم، آیت ۴
[2] پ ۲۴، سورۂ حٰمٓ سجدہ، آیت ۴۴

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ	تم فرماؤ، میں اس قرآن پر تم سے کچھ اجر نہیں
وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ	مانگتا اور میں بناوٹ والوں میں نہیں،
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ	وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کے لیے
لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝[1]	اور ضرور ایک وقت کے بعد تم اس کی خبر جانوگے

کی تفسیر میں فرمایا ہے، جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس سورۃ کو مذکورہ مبارک بیان سے پُورا فرمایا ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے کتنے ہی ایسے طریقے بتائے ہیں جن کا طلبِ دین کے راستے میں احتیاط کے طور پر مدِنظر رکھنا واجب ہوتا ہے۔ یہاں اِس سورت کے اختتام پر فرمایا ہے کہ اے محبوب! انھیں دعوتِ غور وفکر بھی دو کہ جس ذات کی طرف میں بلاتا ہُوں اُس کے ساتھ ہی تم داعی اور دعوت کے حال پر بھی نظر ڈال لو تاکہ حق و باطل میں تمیز کرسکو۔ داعی تمھارے سامنے موجود ہے اور میں اِس دعوت کا تم سے کوئی معاوضہ یا مال طلب نہیں کرتا اور یہ ظاہر بات ہے کہ جھوٹا آدمی کبھی مال کی حرص وطلب سے دست بردار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے ہمیشہ دُور رہے اور کبھی آپ دنیا کی جانب راغب نہیں ہُوئے (جیساکہ تاریخ وسیَر کی کتابوں میں مرقوم ہے) جہاں تک دعوت کی کیفیت کا تعلق ہے تو آپ نے اعلان فرما دیا کہ میں تکلّف کرنیوالوں میں سے نہیں ہُوں۔ مفسّرینِ کرام نے لفظ مُتَكَلِّفِيْن کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں:

۱۔ ظنِ غالب اِسی مفہوم کی طرف ہے کہ میں تمھیں ایسے دین کی طرف بلاتا ہُوں جو اپنے واضح دلائل کے باعث محتاجِ تعارف نہیں ہے، لہٰذا اِس کی صحت ثابت کرنے کی خاطر مجھے تکلفات میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دین تو ایسا دین ہے جس کی صحت پر عقل بھی دلالت کرتی ہے۔ اِسی لیے میں سب سے پہلے تمھیں وجودِ باری کا اقرار کرنے کی دعوت دیتا ہُوں۔

۲۔ اِس کے بعد دُوسرے مرحلے میں تمھیں اِس بات کی دعوت دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقصان سے پاک صاف ہے اور جملہ ایسے امُور سے جو اُس کی شان کے لائق نہیں نہیں۔

---

[1] پ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۸۶ تا ۸۸

اِس مفہوم کی تائید قرآن کریم یُوں کرتا ہے :

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔[1]   اُس جیسا کوئی نہیں۔

اور بھی کتنی ہی آیات اِس مفہوم پر صریح دلالت کرتی ہیں ۔

۳ ۔ اِس کے بعد میں تمھیں دعوت دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ علم و قدرت اور حکمت و رحمت کی صفات سے بالذات مُتَّصِف ہے ۔

۴ ۔ چوتھے مرحلے میں تمھیں یہ دعوت دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ اِس بات سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی شریک ہو یا اُس کی ضد پائی جائے ۔

۵ ۔ پانچویں مرحلے میں تمھیں اِن بُتوں کی پُوجا کرنے سے منع کرتا ہُوں کیونکہ یہ عبادت کے لائق نہیں بلکہ حقیر جمادات ہیں ، جن کی عبادت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور نہ اِن سے اعراض کرنے میں کسی قسم کا نقصان ہے ۔

۶ ۔ اِس کے بعد تمھیں انبیائے کرام و ملائکۂ عظام کی ارواحِ طاہرہ و مقدسہ کی تعظیم و توقیر کی دعوت دیتا ہُوں ۔

۷ ۔ ازاں بعد تمھیں دعوت دیتا ہُوں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت یقینی ہے تاکہ :

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا	تاکہ برائی کرنے والوں کو اُن کے کیے کا بدلہ دے
عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا	اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صِلہ عطا
بِالْحُسْنٰى ۔[2]	فرمائے ۔

۸ ۔ بعد ازیں دنیا سے مُنہ پھیرنے اور آخرت کو سنوارنے میں کوشاں رہنے کی دعوت دیتا ہُوں ۔

یہ آٹھوں اصول ایسے ہیں جو اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے دین میں مستحکم اور معتبر ہیں نیز عقلِ بدیہی اور اوّلین قوّتِ فکر یہ اِن آٹھوں اصُولوں کی

---

[1] پ ۲۵ ، سورۃ الشوریٰ ، آیت ۱۱

[2] پ ۲۷ ، سورۃ النجم ، آیت ۳۱

صحت پر شاہد ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس شریعت کی طرف میں مخلوقِ خدا کو بلاتا ہوں اُس کے بارے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا جا رہا بلکہ طبعِ مستقیم اور عقلِ سلیم بھی اِس کی صحت و جلالت پر گواہ ہیں اور اُن پر واضح ہے کہ باطل اور فساد سے اِس کا دُور کا واسطہ بھی نہیں، اِسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ [1] یہ تو نہیں مگر سارے جہان کو نصیحت۔

اِن مقدمات کی وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آگے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ فرمایا ہے۔ اِس کا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے جاہلیت پر اصرار کیا اور اپنے جاہل اسلاف کی تقلید کی اور حق کی دعوت کا انکار کیا تو عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ اِس دعوت سے اعراض کرنے میں تم حق بجانب تھے یا خطاکار۔ اِس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوف دلانے اور ڈرانے کے بارے میں مذکورہ بالا بیانات کے مطابق اور بہت کچھ لکھا ہے۔

حضور کے لیے دُنیا سے آخرت بہتر ہے

امام فخر الدین و الملت رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ والضحیٰ کی مندرجہ ذیل آیات:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ تمھیں تمھارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ [2] اور بیشک پچھلی تمھارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب آیت مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ نازل ہوئی تو اِس کے نزول سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصبِ رفیع کا اظہار اور عزت افزائی ہوئی اور اِس عزت و شرف کے پیشِ نظر آپ کی تعظیم و توقیر پر لوگوں کو ابھارنے کی خاطر فرمایا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ یعنی عزت و شرف تو انتہائی آپ کو دنیا میں بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں جس طرح آپ کو نوازا جائے گا اور آپ کی رفعت کا اظہار ہوگا، اُس کے

---

[1] پ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت نمبر ۱۰۴

[2] پ ۳۰، سورۂ والضحیٰ، آیت ۳، ۴

پیشِ نظر دنیا سے آپ کے لیے آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ عظمت والی ہے۔ آگے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت کا کلام ماسبق سے دو طرح اتصال ہے، جس سے باخبر رہنا چاہیے، چنانچہ :

پہلا: جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے تو اس فرق کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی تھی، لیکن اس آیت کریمہ میں اُس تفاوت کی مقدار بیان فرمادی اور مذکورہ بہتری کی غایت کو یوں واضح فرمایا کہ میرا محبوب وہاں نوازشات کی جتنی بارش پر راضی ہوگا اُتنی برسا کر راضی کروں گا (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ) [۱]

دُوسرا: جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی تو اس سے اُن معاندین کا مُنہ بند ہوگیا جو یہ کہتے تھے کہ آپ کس طرح یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں آخرت میں اسی طرح ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا کہ آخرت میں سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا اور اس دارِ فانی میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ یہاں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام مرضیات کو پُورا کیا جاسکے، چنانچہ اس لحاظ سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہم راضی کرنے کے وعدے کو آخرت پر محمول کریں تو اِسے کبھی منافع پر محمول کرنا ہوگا اور کبھی تعظیم پر۔ منافع کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنّت میں ایک ہزار مکان سفید موتیوں کے ہیں۔ اُن کی مٹی مُشک ہے اور باقی سب کچھ اِسی مناسبت سے ہے۔ تعظیم کے بارے میں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اِس سے مراد اُمّت کی شفاعت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہُوئی تو ہم بیکسوں کے آقا و والی سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] مولانا حسن رضاخاں بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے : سہ

فَتَرْضٰی نے ڈالی ہیں باہیں گلے میں
کہ ہو جاتے راضی طبیعت کسی کی

لا ارضی و واحد من امتی فی النار۔ (ص ۱۶۸)	اگر میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس وعدے کو شفاعت پر محمول کرنا کئی وجہ سے متعین ہے، مثلاً:

اوّل: اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ دنیا میں استغفار کرتے رہیں، چنانچہ فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ [1]	اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کو استغفار کا حکم دیا ہے اور استغفار مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں اور جب کوئی کسی چیز کا طلبگار ہوتا ہے تو وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کا سوال رد کر دیا جائے اور نہ وہ اس سے خوش ہوگا بلکہ اسے تو خوشی اس وقت ہوگی جب اس کی طلب پوری ہو جاتے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہو سکتے ہیں وہ سوال کا پورا ہونا ہے نہ کہ اس کا رد کیا جانا۔ پس:

دلت هٰذه الاٰية على انه تعالىٰ يعطيه كل ما يرتضيه علمنا ان هٰذه الاٰية دالة على الشفاعة فى حق المذنبين۔ (ص ۱۶۸)	یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا فرمائے گا جس سے آپ راضی ہوں گے۔ (اس سے) ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ آیت گنہگاروں کی شفاعت پر دلالت کرتی ہے۔

دوم: اس آیت کریمہ کا پہلا حصہ اس مفہوم سے مناسبت رکھتا ہے۔ گویا:

انه تعالىٰ يقول لا اودعك ولا ابغضك بل لا اغضب على احد من اصحابك	بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! نہ تمہیں چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا بلکہ تمہارے کسی صحابی سے بھی ناراض نہیں اور نہ تمہارے کسی

---

[1] پ ۲۶، سورۂ محمد، آیت ۱۹

واتباعك واشياعك طلبًا	پیروکار اور ساتھ دینے والے ہی سے ناراض ہے
لمرضاتك وتطييبًا لقلبك	جو تمہاری رضا کا طلبگار ہے اور تمہارے دل کو
فهٰذا التفسير اوفق لمقدمة	راحت پہنچاتا ہے۔ یہ تفسیر اِس آیت کے مقدمے
الآية ۔ (ص۱۶۸)	سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہے ۔

سوم : شفاعت کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جو اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی چاہتے ہیں کہ گنہگاروں کی معافی ہو جائے اور یہ آیت اِس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ :

انه تعالیٰ یفعل کل مایرضاه	اللہ تعالیٰ بیشک وہی کچھ کرے گا جو اُس کا رسول
الرسول فتحصل من مجموع	چاہے گا۔ پس اس آیت اور حدیث کو جمع کرنے
الآية والخبر حصول الشفاعة۔ (ص۱۶۸)	سے شفاعت کا حصول ثابت ہوتا ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میرے جدِ امجد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اِس میں ہے کہ ایک خدا کو ماننے والا کوئی جہنم میں داخل نہ ہو۔ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے مفہوم و معانی میں دسترس رکھنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سب سے پُر امید یہ آیت کریمہ ہے :

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى	اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ	زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید
اللّٰهِ ۔ [1]	نہ ہو۔

اور ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ سب سے امید افزا مندرجہ ذیل آیت ہے :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ [2]	اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اللہ کی قسم یہ وہ شفاعت ہے جو فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

---

[1] پ ۲۴، سورۃ الزمر، آیت ۵۲

[2] پ ۳۰، سورۂ والضحیٰ، آیت ۵

رسول اللہ پڑھنے والے کے لیے آپ کے راضی ہونے تک عطا فرمائی گئی ہے۔ [1]

مذکورہ تقریر اس صورت میں ہے کہ مذکورہ آیت کو احوالِ آخرت پر محمول کریں اور اگر اسے احوالِ دنیا پر محمول کیا جاتے تو یہ اشارہ اس جانب ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں پر غزوۂ بدر اور فتح مکہ میں فتح و ظفر سے نوازا اور لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بنی قریظہ و بنی نضیر پر غلبہ دے کر انھیں جلا وطن کروایا اور آپ کی بڑی چھوٹی افواج کا بلادِ عرب میں پھیل جانا اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مختلف شہروں کو فتح کرنا اور جابر بادشاہوں کی مملکتوں کا اُن کے ہاتھوں تباہ ہونا، کسریٰ کے خزانوں پر قابض ہونا اور مشرق سے مغرب تک اُن کا رُعب اور اسلام کی ہیبت کا چھا جانا اور اسلام کی دعوت کا دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جانا ہے۔ ہماری رائے میں دنیا اور آخرت دونوں ہی کی بھلائی پر اس آیت کو محمول کرنا اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس آیت کریمہ میں یُعطیکُمْ نہیں فرمایا لیکن فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل یہ سعادتیں غلامانِ مصطفیٰ کو بھی علیٰ قدرِ مراتب حاصل ہیں اور اس بشارت میں شمولیتِ اہلِ ایمان کی مختلف وجوہات ہیں۔ مثلاً:

پہلی وجہ: فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اگرچہ مقصودِ اصلی ہیں لیکن مومن آپ کے تابع ہیں۔

دوسری وجہ: حبیب اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو عزت و فضیلت سے نوازا تو حقیقت میں یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے باعث تھا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت اُن پر اِس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ صحابۂ کرام پر انعام و اکرام کی بارش ہونے پر اتنی مسرت و شادمانی ہوتی تھی جتنی خود اپنی ذات کو نوازے جانے پر بھی

---

[1]
کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ ‖ قرض لیتی ہے گنہ، پرہیزگاری واہ واہ
اشک، شب بھر انتظارِ عفوِ اُمت میں بہیں ‖ میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ
مجرموں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے رحمت کی نگاہ ‖ طالعِ برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ
عرض بیگی ہے شفاعت عفو کی سرکار میں ‖ چھنٹ رہی ہے مجرموں کی فرد ساری واہ واہ
(کلامِ رضا)

نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے تو قیامت میں دیگر انبیائے کرام نفسی نفسی پکاریں گے یعنی اے اللہ! مجھے جزا اور ثواب اُمّت سے پہلے عطا فرما کیونکہ میری اطاعت میری اُمّت کی اطاعت سے پہلے ہے لیکن آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے ہوں گے: اُمّتی، اُمّتی۔ یعنی اے اللہ! میری اُمّت کو پہلے بہتر جزا عطا فرما، کیونکہ میری مسرّت وشادمانی اسی میں ہے کہ اپنی اُمّت کو ثواب میں کامران دیکھوں۔ [1]

تیسری وجہ: گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہے کہ جب لوگوں نے اُن کے چہرۂ انور کو زخمی کر دیا (اور دندان مبارک شہید کر لیے) اُس وقت بھی اُن کے لیے یہ دُعا کی: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت مرحمت فرما، یہ جانتے نہیں ہیں۔ لیکن خندق کے روز جب اُنھیں نماز سے روک دیا گیا تو یُوں دُعا کی: اے اللہ! اِن کے پیٹ آگ سے بھر دے۔ یعنی اپنے جسم پر زخم آیا تو اُسے برداشت کیا لیکن جب دین کے چہرے پر زخم آیا تو اُسے برداشت نہ کیا، کیونکہ نماز دین کا چہرہ ہے۔ یعنی میرے حبیب نے اپنے حق سے میرے حق کو مقدّم رکھا۔ اسی لیے مَیں نے اُن کو فضیلت دی اور:

فقلت من ترك الصّلٰوة سنين	پس میں نے کہہ دیا کہ جو سالہا سال تک نماز نہ
او حبس غيره عن الصلٰوة سنين	پڑھے یا دوسرے کو سالہا سال تک نماز
لا اكفره ومن اذی شعرة من	پڑھنے سے روکے رکھے تب بھی اُسے کافر
شعر نعلك او جزءا من نعلك	شمار نہیں کروں گا لیکن جو میرے حبیب کے
اكفره۔ (ص ۱۶۹)	ایک بال کو یا اُن کے نعلین مبارک کے
	کسی حصّے کو بھی تکلیف دے اُسے کافر شمار کروں گا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کتنے ہی فوائد ذکر کیے ہیں، تحقیق کا شوق رکھنے والے حضرات اُن کی تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں۔

رفعتِ ذکرِ مصطفیٰ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ الانشراح کی آیتِ کریمہ:

---

[1] اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے: ؎ غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجیے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہے ہمارا نبی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ [1] اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور شہرت کے ذکر میں عام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسمِ مبارک کو عرش پر لکھا نیز شہادت اور تشہد (نماز، اذان و اقامت) میں اپنے ذکر کے ساتھ اپنے حبیب کا ذکر رکھا اور پہلی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور آپ کے ذکر کو شہرہ آفاق کیا اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا، علاوہ بریں خطبوں، اذانوں، صحائف اور کتب میں آپ کا ذکر کرنا اور قرآن کریم میں اپنے ساتھ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو ملانا۔ مثلاً:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ [2] اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اُسے راضی کرتے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ [3] اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [4] اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو۔

اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ کو رسول اور نبی کے لفظوں سے بلانا جبکہ دوسرے انبیائے کرام کو نام لے کر مخاطب فرمایا تھا مثلاً یا موسیٰ، یا عیسیٰ وغیرہ اور دلوں کو آپ کی طرف مائل کر دیا کہ حسبِ استطاعت وہ آپ کے ذکر میں مشغول اور تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کا یہی مفہوم ہے:

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ [5] عنقریب اُن کے لیے رحمٰن محبت کر دیگا۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ! میں تمہارے تابعداروں سے دُنیا کو بھر دُوں گا، جو تمہاری حمد و ثنا کریں گے، تمہاری بارگاہ میں درودِ پاک کے نذرانے پیش کرتے رہیں گے، تمہاری سُنتوں کی حفاظت کریں گے بلکہ کوئی فرض نماز ایسی نہیں ہو گی جس کے ساتھ سُنتیں نہ ہوں۔ وہ فرض ادا کرنے میں میرے حکم کی تعمیل کریں گے اور سُنتیں ادا کر کے تمہاری بارگاہ کے غلام ہونے کا ثبوت پیش کریں گے۔ میں نے تمہاری اطاعت کو اپنی اطاعت اور تمہاری

---

[1] پ ۳۰، سورہ الانشراح، آیت ۴ [2] پ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۶۲

[3] پ ۴، سورۂ النساء، آیت ۱۳ [4] پ ۲۶، سورۂ محمد، آیت ۳۳

[5] پ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۹۶

بیعت کو اپنی بیعت قرار دے دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ[1]

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ[2]

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

حتیٰ کہ بادشاہانِ ممالک بھی تمہارے دَر کی غلامی کو سرمایۂ افتخار سمجھیں گے۔ قاری حضرات (محدثین) تمہارے منثور کے الفاظ کو محفوظ رکھیں گے، مفسرین تمہارے نسخۂ کیمیا (قرآن مجید) کے مفہوم و معانی بیان کریں گے، واعظ تمہاری نصیحتوں کو دُوسروں تک پہنچائیں گے، چند اساطینِ علم اور سلاطین تمہارے دربارِ دُرر بار میں غلامانہ حاضر ہوا کریں گے اور تمہارے درِ رحمت سے دُور ہونے کے باوجود بھی سلام عرض کرتے رہیں گے اور تمہارے روضۂ اطہر کی مٹی کو اپنے چہروں کی زیب و زینت بنائیں گے اور تمہاری شفاعت پر ہمیشہ بھروسہ کرتے رہیں گے اور تمہارا عزّ و شرف تا قیامت اسی طرح باقی رہے گا۔

صاحبِ کوثر

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝[3]

اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سُورۂ کوثر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اِس میں دو مختلف فوائد ہیں:

پہلا فائدہ یہ سورت پہلی سُورتوں کے لیے تتمہ اور بعد والی سُورتوں کے لیے اصل کی مانند ہے۔ پہلی سورتوں کے لیے تتمہ کی طرح اِس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سُورۂ وَالضُّحٰی میں سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور آپ کے حالات

---

[1] پ ۵، سورۂ النساء، آیت ۸۰ [2] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۱۰

[3] اسی لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے: سہ اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ

(فضائل وکمالات) کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ تمھیں تمھارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔

۲۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ اور بیشک پچھلی تمھارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔

۳۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ اور بیشک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

پھر اس سورت کو ختم کرنے سے پہلے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات سے تین احوال کا ذکر فرمایا جن کا تعلق دنیاوی حالات سے ہے۔ وہ تین احوال یہ ہیں:

۱۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ کیا اس نے تمھیں یتیم نہ پایا، پھر جگہ دی۔

۲۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○ اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

۳۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○ اور تمھیں حاجت مند پایا، پھر غنی کر دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ کے اندر تین ایسی عنایات کا ذکر فرمایا، جن کے باعث آپ کو ممتاز فرمایا ہے:

۱۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ کیا ہم نے تمھارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

۲۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ اور تم سے تمھارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمھاری پیٹھ توڑی تھی۔

۳۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔

اس کے بعد سورۂ وَالتِّيْن میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزّ و شرف کی تین اقسام بیان فرمائیں:

۱۔ اوّلہا انہ تعالیٰ اقسم ببلدہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو قولہ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم کھائی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ ارشادِ ربانی یہ ہے: اور اس امانت والے شہر کی قسم کھاتا ہوں۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ کی دوزخ سے خلاصی (نجات) کا مژدہ سنا دیا گیا اور

فرمایا:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ - سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

۳۔ مومنوں کو ثواب اور عنایات سے نوازنے کی بشارت سنا دی، جیسا کہ فرمایا ہے:

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ اُن کے لیے بے حد ثواب ہے۔

اِس کے بعد سورۂ علق میں فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تین عنایات فرمانے کا ذکر فرمایا:

۱۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ - یعنی اپنے رب کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے لوگوں کو قرآن کریم سناؤ۔

۲۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ:

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ؕ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ - اب پکارے اپنی مجلس کو، ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سیّدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قربِ خاص سے نوازا ہے، جس کا یوں ذکر فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ؕ (اُس کی نہ سنو) اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

اور سورۂ القدر میں اللہ تعالیٰ نے اِس امر کا ذکر فرمایا ہے جو شبِ قدر کے ذریعے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزّت افزائی کی گئی ہے۔ اِس میں بھی تین طرح فضیلت کا اظہار فرمایا گیا ہے:

۱۔ یہ رات ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔

۲۔ اِس میں فرشتے اور رُوحوں کا نزول ہوتا ہے۔

۳۔ یہ رات طلوعِ فجر تک سلامتی والی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بیّنہ میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اُمتِ محمدیہ کو تین خصوصیات اور کرامتیں مرحمت فرمائی ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اوّلہا انہ خیر البریۃ۔ پہلی خصوصیت یہ کہ وہ ساری مخلوق سے بہتر ہے۔

۲۔ وثانیہا اَنَّ جَزَاءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ۔ دوسری یہ کہ اُن کے رب کے پاس اُن کی جزا بہشتیں ہیں۔

۳۔ وثالثہا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اور تیسری خصوصیت یہ کہ اللہ اُن سے راضی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ زلزال میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین طرح عزّ و شرف سے نوازا ہے:

۱۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔ اُس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قیامت کے روز نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کے بارے میں طاعت اور عبودیت کی گواہی دے گی۔

۲۔ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ۔ یہ ارشادِ الٰہی اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں پر اُن کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور نیک اعمال کو دیکھ کر اُنھیں مسرت و شادمانی ہوگی۔

۳۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ○ اِس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے بڑی بھلائی ہے۔ پس یقیناً اُنھیں اِس کا ثواب حاصل ہوگا۔

اِس کے بعد سورہ العادیات میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کے غازیوں اور مجاہدوں کو سراہا اور اُن کے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔ یہاں اُن کے گھوڑوں کے تین اوصاف بیان فرماتے ہیں:

۱۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ○ قسم اُن کی جو دوڑتے ہیں، سینے سے آواز نکلتی ہوئی۔

۲۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ○ پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر۔

۳۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ○ پھر صبح ہوتے تاراج کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مرحومہ کو سورہ القارعۃ میں تین چیزوں کے ساتھ شرف بخشا ہے۔

۱۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۔ تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں۔

۲۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۔ وہ تو من مانے عیش میں ہیں۔

۳۔ وہ اپنے دشمنوں کو (نَارٌ حَامِيَةٌ) بھڑکتی ہوئی آگ میں دیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورہ تکاثر میں یہ شرف بخشا کہ جو لوگ آپ کے دین متین اور آپ کی شریعتِ مطہرہ سے مُنہ پھیریں گے اُنھیں تین طرح عذاب دیا جائے گا:

۱۔ وہ جہنم کو دیکھیں گے۔

۲۔ وہ اُسے عین الیقین کے ساتھ دیکھیں گے۔

۳۔ اُن سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اور فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورۂ والعصر میں تین شرف عطا فرمائے کہ آپ کی اُمت پر یُوں انعامات کی بارش ہو گی کہ:

۱۔ وہ دولتِ ایمان سے مالامال ہو گی جیسا کہ فرمایا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

۲۔ وہ اعمالِ صالحہ سے مزیّن ہو گی، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

۳۔ وہ مخلوقِ خدا کو اعمالِ صالحہ کا راستہ دکھائے گی نیز انصاف اور صبر کی تلقین کرے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ھمزہ میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت عطا فرمائی کہ جو آپ کی بدگوئی کرتا پھرے اور پیٹھ پیچھے ناشائستہ الفاظ استعمال کرے اُسے تین طرح عذاب دیا جائے گا:

۱۔ دنیا میں اُس کا مال کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا (یعنی مال کو نیک کاموں میں خرچ نہیں کرے گا یا اگر ایسی جگہ خرچ بھی کرے تو اُس کا کوئی عمل قبول نہیں ہو گا)۔ اسی لیے

لہ
دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے ملحدوں سے کیا مروت کیجیے
مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکرِ آیاتِ ولادت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ نبی اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے
وَالضُّحٰی، حُجُرٰت، اَلَمْ نَشْرَحْ سے پھر مومنو! اتمامِ حجت کیجیے
(حدائقِ بخشش)

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ فرمایا ہے۔

۲۔ وُہ دوزخ کے اُس حصّہ میں پھینکا جائے گا جسے حُطَمَہ کہتے ہیں۔

۳۔ اُسے دوزخ میں پھینک کر دروازے بند کر دیے جائیں گے اور اُس سے نکلنے کی ہر امید منقطع ہو جائے گی جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ [1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورۃ فیل میں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے دشمنوں کے مکر و فریب کو تین طرح خاک میں ملا کر رکھ دیا:

۱۔ وہ مکر و فریب اور طاقت کے ذریعے جو مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے اُسے خاک میں ملا دیا گیا۔

۲۔ اُن پر اُڑتے ہُوئے ابابیل بھیجے۔

۳۔ اُن کو ایسے ہلاک کیا کہ کھائی ہُوئی گھاس کی طرح کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورۃ قریش میں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے آباؤ اجداد کی مصلحتوں کے پیشِ نظر اُن کی تین طرح رعایت فرمائی:

۱۔ قریش کے دل موہ لینے کے لیے اُنھیں موافقت اور محبّت کرنے والے بنایا۔

۲۔ اُنھیں بھُوک سے محفوظ رکھنے کے لیے بافراغت روزی دی۔

۳۔ اُنھیں خوف سے امن میں رکھا۔

---

[1] اسی لیے مجدد مائتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ؎

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وُہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے
یہ ہے دیں کی تقویت اُس کے گھر، یہ ہے مستقیم صراطِ شر
جو شقی کے دل میں ہے گاؤ خر تو زبان پہ چُوہڑہ چمار ہے
وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر، ترے دل میں کس سے بخار ہے

آپ کو سورۂ ماعون میں یہ شرف عطا فرمائے گئے کہ آپ کے دین کی مخالفت کرنے والوں کی تین مذموم صفات (برائیاں) بیان فرمائیں :

۱۔ اُن کا کم ظرف اور ذلیل ہونا بیان فرمایا کہ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ[1]

۲۔ بتایا کہ اُنھوں نے خالق کی تعظیم کو چھوڑ دیا ہے، چنانچہ فرمایا: هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ[2]

۳۔ وہ مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچانے سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے: وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔[3]

جب اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِن سورتوں میں مذکورہ بالا عظیم فضیلتیں عطا فرمائیں اور عزت و شرف سے نوازا، تو اِن تمام نوازشات کے بعد مژدہ سنایا کہ:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ای اِنَّا	ہم نے تمھیں کوثر عطا فرمادیا یعنی ہم نے تمھیں
اَعْطَیْنٰكَ هٰذِهِ المناقب	یہ کثیر فضائل و مناقب مرحمت فرمادیے ہیں
المتكاثرة المذكورة فی السور	جن کا پہلی سورتوں میں ذکر موجود ہے۔ اُن میں سے
المتقدمة التی كل واحدة	ہر ایک کمال ساری دنیا کی بادشاہی سے بڑھ کر
منها اعظم من ملك الدنيا بحذافيرها	اور اعلیٰ ہے۔ پس تمھیں چاہیے کہ اپنے رب کی
فاشتغل انت بعبادة هٰذا الرب	عبادت میں مشغول رہا کرو اور اس کے بندوں کو
وبارشاد عبادہ الٰی ماهو الاصلح	ہدایت کرتے رہو۔ اُن کی بھلائی اور بہتری اسی میں ہے
لهم۔ (صلٰے)	(صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ)

اپنے رب کی بدنی عبادت بھی کرتے رہو، جس کے لیے حکم دیا گیا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ (پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو) یا مالی عبادت کرتے رہو جس کے لیے وَانْحَرْ فرمایا گیا ہے یا لوگوں کو

---

[1] (ترجمہ) جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا۔

[2] (ترجمہ) جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں، وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

[3] (ترجمہ) اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے۔

ایسی باتوں کی طرف ہدایت کرتے رہنا جو اُنھیں دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچاتے ۔ چنانچہ فرمایا ہے:
یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ پس

فثبت ان ھٰذہ السورۃ یعنی	پس ثابت ہوا کہ سورۂ کوثر پہلی سورتوں کے تتمے
سورۃ الکوثر کالتتمۃ لما	اور بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی مانند ہے
قبلھا من السور واما انھا	اور جب یہ بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی
کالاصل لما بعدھا فھو	طرح ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ
انہ تعالیٰ یامرہ صلی اللہ	حکم دیتا ہے کہ تمام دنیا داروں (منکرین دین) کو
علیہ وسلم بعد ھٰذہ السورۃ	کافر کہا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
بان یکفر جمیع اھل الدنیا بقولہ	اے محبوب! اِن سے فرمادو کہ اے کافرو! میں
قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا	اُن (بتوں) کی پوجا نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو۔
تَعْبُدُوْنَ ○ (ص۱۲۱)	

یہ یقینی بات ہے کہ لوگوں کے دین و مذہب میں طعن کرنا اُن کی جانوں اور مالوں میں طعن کرنے سے زیادہ گراں گزرتا ہے اِسی لیے وُہ اپنے باطل ادیان کی خاطر جان اور مال خرچ کر دیتے ہیں پس یہ لوگوں کے دین میں طعن کرنا بُغض و عداوت کی آگ کو خوب بھڑکانے اور اُس پر تیل چھڑکنے کی طرح تھا جبکہ دیگر مطاعن سے اِس قدر اشتعال پیدا نہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ساری دنیا کے کافروں کو کافر کے لفظ سے مخاطب کرو اور اُن کے ادیان کو باطل قرار دو تو اِس کا لازمی ردِّ عمل یہی تھا کہ پُوری طرح وہ آپ کی مخالفت پر کربستہ ہو گئے اور یہ ایسا حملہ تھا جس نے ہر غیر مسلم کو آپ سے دُور کر دیا اور کوئی آپ کے قریب بھی پھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔
حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھ لیجیے کہ وہ فرعون اور اُس کے لشکر سے خائف تھے
لیکن یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے اور ہر دشمنِ دین و ایمان ہی فرعونِ ثانی نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شدید خوف کے ازالے کی انتہائی لطیف تدبیر فرمائی کہ ہر چھکا دینے والا اعلان کروانے سے پہلے سورۂ کوثر نازل فرما دی کیونکہ ارشادِ ربّانی اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ کا مژدہ اِس خوف کو

زائل کرتا ہے۔ یہ بشارت خوف کو کیسے دُور کرتی ہے؟ اس کے مختلف جواب ہیں:

اوّل: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○

ای الخیر کثیر فی الدنیا و الدین فیکون ذلك وعداً من اللّٰہ ایاہ بالنصرۃ والحفظ۔ (ص۱۶۲)
یعنی اس سے دین و دنیا کی خیر کثیر مراد ہیں پس یہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے آپ کی نصرت و حفاظت کا وعدہ کرنا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مژدہ سنایا تھا:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰہُ۔ [1]
اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمھیں کافی ہے۔

یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا ہے:

وَ اللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ [2]
اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

یا جیسے اللہ جل شانہٗ نے وعدہ فرمایا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ [3]
اور تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے اُن کی مدد فرمائی۔

وَمَنْ کان اللہ تعالیٰ ضامنا لحفظہ فانہ لا یخشیٰ احدا۔ (ص۱۶۲)
اور جس کی حفاظت کا ضامن اللہ جل شانہٗ ہو جائے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

دوم: انہ تعالیٰ لما قال اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ وھذا اللفظ یتناول خیرات الدنیا وخیرات الآخرۃ وانا خیرات الدنیا ما کانت واصلۃ الیہ حین کان بمکۃ
جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے تمھیں ہر چیز کی کثرت عطا فرمادی تو یہ لفظ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی پر محیط ہوگا۔ لیکن جب تک آپ مکہ معظمہ میں جلوہ افروز رہے اُس وقت تک دنیاوی بھلائیاں آپ تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور

---

[1] پ ۱۰، سورۃ الانفال، آیت ۶۴
[2] پ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۶۷
[3] پ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۴۰

والخلف فی کلام اللہ تعالیٰ	کلامِ خدا کے خلاف واقع ہوجانا محال ہے۔
محال فوجب فی حکمۃ اللہ تعالیٰ	پس واجب ہُوا کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت
ابقاءہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُس
فی دار الدنیا الیٰ حیث یصل	وقت تک دنیا میں زندہ رکھے جب تک یہ بھلائیاں
الیہ تلک الخیرات فکان	آپ تک پہنچ نہ جائیں۔ پس یہ آیت آپ کے لیے
ذٰلک کالبشارۃ لہ و	گویا بشارت ہے اور اِس بات کا وعدہ ہے کہ
الوعد بانہ لایقتلونہ ولایقھرونہ	دشمن نہ آپ کو قتل کرسکیں گے اور نہ آپ پر غالب
ولا یصل الیہ مکرھم	آسکیں گے اور نہ اُن کا کوئی مکر فریب آپ پر
بل یصیر امرہ کل یوم	کارگر ثابت ہوسکے گا، بلکہ اُمتِ محمدیہ میں روز بروز
فی الازدیاد والقوۃ۔ (ص۱۷۲)	اضافہ ہوگا اور جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی۔

سوم: جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفّار کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ کافر ہیں اور اُن کے ادیان کو باطل ٹھہرایا اور اُنھیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو وہ اکٹھے ہوکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئے اور پیشکش کی کہ اگر آپ دولت جمع کرنے کی خاطر یہ کام کر رہے ہیں تو ہم آپ کے قدموں میں مال و دولت کا اتنا انبار لگادیتے ہیں کہ آپ سب سے بڑے دولت مند ہوجائیں گے۔ اگر آپ کسی عورت سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو حسین وجمیل اور معزز ترین عورت کی آپ کو طلب ہو، اُس سے ہم شادی کروادیتے ہیں۔ اگر حکومت قائم کرنا آپ کا مقصود ہے تو ہم آپ کو اپنا حکمران بنالینے کے لیے تیار ہیں۔ اُن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ہ ای لما	بیشک ہم نے تمھیں ہر چیز کی کثرت عطا فرمادی۔
اعطاک خالق السمٰوٰت والارض	یعنی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے
خیرات الدنیا والاخرۃ	نے تمھیں دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی عنایت
فلا تغتر بمالھم و مراعاتھم۔	فرمادی ہے لہٰذا کفّار کے مال و دولت یا مراعات
(ص۱۷۲)	کے جھانسے میں نہ آنا۔

چہارم: ارشادِ الٰہی اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغیر کسی واسطے کے کلام فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا کے قائم مقام ہے بلکہ یہ عزت و شرف میں اُس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مالک جب اپنے غلام کی تربیت اور اُس پر احسان کرنے کو اپنی ذمہ داری قرار دے کر بات کرے تو یہ اِس کے علاوہ کلام کرنے کی دوسری ہر صورت سے افضل و اعلیٰ صورت ہے بلکہ اِس میں قلب کی تقویت اور بزدلی کو زائل کرنے کا فائدہ موجود ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے مخاطب کرنا خوف کو دل سے زائل کرنے اور بزدلی کو پرے رکھنے کی خاطر تھا۔ اِسی لیے سورۂ کوثر کو سورۂ کافرون سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اِس سے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُس محنتِ شاقہ کے لیے تیار کرنا تھا جو اہلِ جہاں کی تکفیر کے اقدام اور اُن کے معبودانِ باطل سے اظہارِ برأت کی صورت میں پیش آنے والی تھی۔ جب اے حبیب! تم نے میرے حکم کی تعمیل کی اور اُسے عملی جامہ پہنایا تو ملاحظہ فرماؤ کہ مَیں نے اپنا وعدہ کس طرح پورا کر دکھایا ہے کہ اہلِ دنیا سے بکثرت تمہارے نا بعدار اور مددگار بنا دیے ہیں، جو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

جب لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور شریعت کو ظاہر کرنے کے مراحل طے کر لیے گئے تو آپ اُن احوال کی جانب متوجہ ہُوئے جو قلب و باطن سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ طالب دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وُہ جو صرف دنیا کا طالب ہے اور دُوسرا وہ جو آخرت کا طلبگار ہے۔ دنیا کا طالب خسارے میں رہتا ہے۔ دنیا میں ذلت و رسوائی اُس کا مقدر ہو کر رہ جاتی ہے اور آخرت میں اُس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے اور سورۂ لہب کا خلاصہ یہی ہے۔ لیکن؛

اما طالب الآخرۃ فاعظم احوالہ	جو آخرت کا طالب ہے اُس کے احوال میں
ان تصیر نفسہ کالمرأۃ التی	عظیم تر یہ حالت ہے کہ اُس کا دل آئینے کی
یتنقش فیہا صور الموجودات	مانند ہو جاتا ہے جس میں موجودات کی صورتیں منقش
وقد ثبت فی العلوم العقلیۃ	ہو جاتی ہیں۔ علومِ عقلیہ میں یہ ثابت شدہ بات ہے
ان طریق الخلق فی معرفۃ	کہ مخلوق کے لیے صانع کی معرفت کے دو

الصانع علیٰ وجہین منہم من	طریقے ہیں - ایک وُہ جنھوں نے خالق کو پہچانا
عرف الصانع ثم توصل	اور اُس کی معرفت کے ذریعے مخلوقات کی
بمعرفتہ الیٰ معرفۃ مخلوقاتہ	معرفت تک اُن کی رسائی ہُوئی۔ یہی وہ طریقہ ہے
وھٰذا ھوا لطریق الاشرف	جو سب میں اشرف و اعلیٰ ہے اور بعض نے
الاعلیٰ ومنہم من عکس وھو	اِس کے برعکس معرفت حاصل کی، جیسا کہ
طریق الجمہور۔ (ص۱۲۳)	جمہور کا طریقہ ہے۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اُس طریقے سے ختم کیا جو دونوں طریقوں سے اشرف و اعلیٰ ہے، یعنی اپنی صفات اور جلالتِ شان کا ذکر فرمایا اور اِس بیان کا نام سورۂ اخلاص ہے۔ اِس کے بعد سورۂ فلق میں اپنی مخلوقات کے مراتب کا ذکر فرمایا، پھر مراتبِ نفسِ انسانیہ کے ساتھ اِس بیان کو ختم کیا اور یہاں پہنچ کر اِس کتابِ عزیز کے مضامین کو ختم کر دیا۔ یہ جملہ (فائدہ مذکورہ) اِس سورت کی مفصل تفسیر کی مزید تفصیلی وضاحت ہے پاک ہے وُہ ذات جس نے عقلوں کو شریعت کے اُن اسرار کی معرفت بخشی جو اُس نے اپنی اس مقدس کتاب میں ودیعت فرمائے ہیں۔

دُوسرا فائدہ: ارشادِ ربّانی اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ میں کلمہ اِنَّا کبھی جمع کے لیے آتا ہے اور کبھی تعظیم کے طور پر استعمال ہوتا ہے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت محکم دلائل سے ثابت اور محلِ کلام نہیں۔ پس اِس کا اطلاق جمع پر کرنا کسی طرح ممکن نہیں ماسوائے اُس صورت کے جبکہ یہ ارادہ کیا جائے کہ اِس عطیہ کی تحصیل میں ملائکہ، جبرئیل، میکائیل اور گزشتہ انبیائے کرام نے کوشش کی ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا تھا؛ یعنی:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا	اے رب ہمارے! اور بھیج اِن میں ایک رسول
مِّنۡہُمۡ۔ [1]	انھیں میں سے۔

---

[1] پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۹

اور موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی تھی :

رب اجعلنی من امۃ احمد	اے اللہ! مجھے اُمتِ احمد میں شمار فرمالے، اس سے
وھو المراد من قولہٖ تعالیٰ	یہی مراد ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے کہ: اور تم
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ	طُور کی جانب مغرب میں نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو
قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ۔ [1]	رسالت کا حکم بھیجا۔ (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام)

اور جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي	اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد
اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ [2]	تشریف لائیں گے۔ اُن کا نام احمد ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اِنَّا کو تعظیم پر محمول کریں تو یہ عطیہ کی عظمت پر خبردار کرتا ہے کیونکہ عطا فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور جس کو یہ عطیہ مرحمت فرمایا جارہا ہے اُس کی جانب اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ میں خطاب کے کاف سے اشارہ فرمایا گیا ہے اور جو چیز ہبہ فرمائی ہے اُس کا نام کوثر ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ :

وھو ما یفید المبالغۃ فی الکثرت	اور وہ (لفظ کوثر) کثرت میں مبالغے کا فائدہ دیتا ہے
فقد اشعر اللفظ بعظم الواھب	پس اِس لفظ سے یقیناً بخشش کرنے والے،
والموھوب لہ والموھوب فیالھا	بخشش لینے والے اور بخشش کی عظمت کا پتہ
من نعمۃ ما اعظمھا و ما اجلھا	لگتا ہے۔ پس یہ نعمت کتنی عظمت والی اور عظیم الشان
ویا لہ من تشریف ما اعلاہ۔	ہے اور وُہ ذات کتنی عزت و شرف والی ہے جس کو
(ص ۱۲۳)	یہ علوِ خاص مرحمت ہوا۔

تیسرا فائدہ : ہدیہ خواہ قلیل ہو لیکن عطا فرمانے والے کی عظمت کے باعث وہ عظیم شمار ہوتا ہے۔ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ اپنے بعض نوکر چاکروں کو بطور انعام سیب عنایت فرمائے

---

[1] پ ۲۰، سورۃ القصص، آیت ۴۴   [2] پ ۲۸، سورۃ الصف، آیت ۶

تو اسے بھی بہت بڑا انعام شمار کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ فی نفسہٖ وُہ ہدیہ عظیم ہے بلکہ یہ عظمت اُسے اِس سبب سے حاصل ہُوئی کہ عطا فرمانے والا عظیم ہے لیکن یہاں جو ہدیۂ کوثر دیا گیا ہے وُہ اپنی غایت کثرت کے لحاظ سے خود عظیم ہے لیکن خالقِ کائنات کی طرف سے ہونے کے باعث اِس کی عظمت اور کمال میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔

چوتھا فائدہ: جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے تمھیں فلاں چیز عطا فرما دی۔ قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اب وُہ اِسے واپس نہیں کرے گا اور یہ اِس لیے ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں اجنبی کے لیے جائز ہے کہ اپنی ہبہ کی ہُوئی چیز کو واپس کرے لیکن اس عطیّہ کے بدلے میں اگر کچھ لے چکا ہے، خواہ وُہ کتنا ہی قلیل معاوضہ کیوں نہ ہو اِس صورتِ حال میں عطیّے کا واپس لینا جائز نہیں رہتا۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار دینار ہبہ کیے، پھر موہوب لہٗ سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اگرچہ وُہ ایک مُٹھی بھر چیز ہو، تو واہب کا حقِ رجوع ساقط ہو جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور اِس کے بالمقابل نماز اور قربانی کا مطالبہ کیا تو اِس صورت میں حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اِس فعل (عطیہ) کی بنیاد مبتدا پر رکھی ہے، جس سے تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ جب تم ایسے اسم کا ذکر کرو جس کی خبر دینی ہو تو عقل اِس بات کی متلاشی ہوگی کہ کس چیز کی خبر دی جانے والی ہے؟ سُننے والا اُس خبر کو معلوم کرنے کا خواہشمند ہو جاتا ہے اور جب تم اُس خبر کو بیان کر دو تو اُسے ایسے قبول کر لیا جائے گا جیسے عاشق اپنے معشوق کی ہر بات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ایسی خبر انتہائی صداقت پر مبنی اور شک و شبہ سے قطعاً بالاتر ہوتی ہے۔ اِس سے ارشادِ ربّانی لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اِس کی جگہ اگر اَلْاَبْصَارُ لَا تَعْمٰى کہا جاتا تو اُس میں اتنی عظمت نہ ہوتی۔

ہمارے مذکورہ کلام کو یُوں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً ایک بہت بڑا بادشاہ ہے۔ وُہ کسی چیز کا وعدہ کرتا ہے یا کسی چیز کی ضمانت دیتا ہے کہ مَیں دُوں گا، مَیں تیری جانب سے کافی ہُوں، تیرے معاملات و حالات کی نگرانی میں خود کروں گا اور یہ اُس صورت میں ہے جبکہ

جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عظیم ہو، جس میں چشم پوشی کم ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اُس چیز کا عظیم ہونا ایفائے عہد کے بارے میں شک پیدا کرتا ہے، لیکن اُس کی جانب سے اگر کوئی عظیم ہستی ضامن ہو جائے تو ایسا کرنے سے شک زائل ہو جاتا ہے۔ مذکورہ آیتِ کریمہ اِسی باب سے ہے کیونکہ کوثر ایک عظیم الشان چیز ہے جس میں کم ہی چشم پوشی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب مُبتدا کو مقدم کیا اور وہ لفظ اِنّا ہے۔ یہ اسناد ایسے شک کو زائل کرتی اور شُبہ کو دفع کرتی بلکہ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اِس جُملے کو حرفِ تاکید کے ساتھ صادر فرمایا ہے جو قسم کے قائم مقام ہے۔ سچے کے کلام کا خلاف تو ویسے بھی نہیں ہو سکتا لیکن جب وہ تاکید کے ساتھ ذکر کرے تو اُس کا خلاف کب ہو سکتا ہے؟

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ (ہم نے تمہیں فلاں چیز عطا فرما دی) یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ سَنُعْطِيْكَ (کہ ہم تمہیں فلاں چیز عنقریب عطا فرمائیں گے) لہٰذا لفظ اَعْطَيْنٰكَ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عطا فرمانے کا معاملہ زمانۂ ماضی میں ہو چکا۔ اِس میں بھی کئی قسم کے فوائد ہیں:

۱۔ جس کی زمانۂ ماضی میں تائید فرمائی گئی، معزز کیا گیا، رعایت فرمائی گئی اور اُس کی ضروریات کو پُورا فرمایا گیا ہو، وہ اُس شخص سے اعلیٰ و اشرف ہوتا ہے جو مستقبل قریب میں نوازا جائے گا۔ اِسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَیں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔

۲۔ مذکورہ الفاظ میں اِس جانب بھی اشارہ ہے کہ نیک بخت یا بدبخت، غنی یا فقیر رکھنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اب نہیں کر رہا بلکہ وہ سارے فیصلے ازل میں کر چکا ہے۔

۳۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمہارے عالمِ وجود میں آنے سے پہلے ہی تمہارے لیے سعادت و نیک بختی کے اسباب مقرر فرما دیے تھے۔ اب تمہارے جلوہ آرائے گیتی ہونے اور اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت میں مشغول ہو جانے کے بعد کس طرح بے یار و مددگار چھوڑا جا سکتا ہے؟

۷ - گویا باری تعالیٰ شانہٗ فرماتا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کے سبب یہ فضائل و کمالات عطا نہیں فرمائے ہیں ورنہ ضروری ہوتا کہ تمہاری اطاعت شعاری کے بعد یہ فضیلت و شرافت مرحمت فرمائی جاتی، بلکہ ہم نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہارا ان فضائل و کمالات کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔ اِس میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی کی طرف اشارہ ہے کہ: جس کو وہ قبول فرمائے تو بغیر کسی سبب اور علت کے قبول فرمالیتا ہے اور جس کو ردّ فرمائے تو بغیر کسی علت کے ردّ فرمادیتا ہے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ یہ تو فرماتا ہے کہ: اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے اپنے رسول کو، اپنے نبی کو، اپنے عالم کو یا اپنے مُطیع کو فلاں چیز عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالےٰ اِس طرح فرماتا تو سمجھا جاتا کہ یہ عطیہ اسی علت کے سبب مرحمت فرمایا گیا ہے۔ لیکن جب (بغیر کسی علت کا ذکر فرمائے) اَعۡطَيۡنٰكَ ارشاد فرمایا تو معلوم ہوگیا کہ یہ عطیہ کسی علت اور سبب کے باعث مرحمت نہیں فرمایا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت و مشیئت سے مرحمت فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تقسیم ہم نے فرمائی ہے نیز ارشادِ ربّانی ہے:

اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۚ[1] — اللہ چُن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔

نواں فائدہ: پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ۔ اِس کے بعد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ؕ اور یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا توفیق و ارشاد کے لیے ہے جو ہماری طاعت گزاری سے پہلے ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہمیں نعمتوں سے نوازنا اس کی صفت ہے اور اُس کے لیے اطاعت شعار بندے بن کر رہنا ہماری صفت ہے۔ مخلوق کی صفت خالق کی صفات پر اثر انداز نہیں ہوسکتی جبکہ خالق کی صفت مخلوق کی صفات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اِسی لیے امام واسطی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ: "میں ایسے رب کی اطاعت نہیں کرتا جس کو

---

[1] پ ۱۷، سورۂ الحج، آیت ۷۵

میری طاعت راضی اور معصیت ناراض کر دے"۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی دونوں قدیم ہیں اور میرا طاعت گزار یا عصیاں شعار ہونا مُحدِث (نو پید) ہے حادث قدیم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، بلکہ اُس کی رضا بندے کو اطاعت پر ابھارتی ہے اور یہ ازل کے بعد کا معاملہ ہے یہی صورتِ حال اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے اور بندوں کے معصیت کار ہونے کی ہے۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ یعنی بیشک ہم نے تجھیں کوثر عطا فرمایا اور یہ نہیں کہا کہ: اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ یعنی ہم نے تجھیں کوثر عطا فرمایا (یعنی ذکرِ عطا سے پہلے لفظ اِنَّآ کا اضافہ کر کے فرمایا گیا ہے) اِس طرح بشارت دینے کی دو وجہ ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ عطا فرمانے میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) عطا فرمانا اُس پر واجب ہے۔ (۲) بطور احسان واکرام عطا فرمانا ہے۔ چونکہ یہاں احسان واکرام کے طور پر عطا فرمانے کے بارے میں شُبہ ہو سکتا تھا، لہٰذا لفظ اِنَّآ کا اضافہ کر کے شک وشبہ کا استیصال کرتے ہُوئے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور کوثر سے مراد کیا ہے؟ تو:

ھٰذہ الخیرات الکثیرۃ	اِس سے مراد بے شمار بھلائیاں ہیں یعنی اسلام،
وھی الاسلام والقراٰن والنبوۃ	قرآن، نبوت اور دنیا و آخرت میں آپ کا ذکرِ جمیل۔
والذکر الجمیل فی الدنیا والاٰخرۃ	یہ عنایات ہماری طرف سے تم پر محض احسان واکرام
محض التفضل منا الیك ولیس	کے طور پر ہیں اور اِن میں سے کوئی چیز استحقاق
منه شیئ علیٰ سبیل الاستحقاق	یا ہماری ذات پر واجب ہونے کے باعث عطا
والوجوب وفیه بشارۃ من	نہیں فرمائی جا رہی۔ اِس میں دو طرح بشارت ہے۔
وجہین۔ احدھما ان الکریم	ایک یہ کہ محسن جب بطور احسان عطا فرمانا شروع
اذا شرع فی العطیة علیٰ سبیل	کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اُسے باطل نہیں کرتا بلکہ
التفضل فالظاھر انه لا یبطلھا	روز بروز اُس میں اضافہ ہی کرتا رہتا ہے۔ دوسرے
بل کان کل یوم یزید فیھا۔	اِس طرح کہ اگر اِن عنایات کا سبب استحقاق

الثانی ان ما یکون سبب الاستحقاق فانه یتقدر بقدر الاستحقاق وفعل العبد متناہ فیکون الاستحقاق الحاصل بسببه متناهیاً اما التفضل فانه نتیجة کرم الله وکرم الله غیر متناہ فیکون تفضله ایضاً غیر متناہ فلما دلّ قوله اعطیناك علی انه تفضل لا استحقاقاً اشعر ذلك بالدوام والتزاید ابداً۔ (ص۱۲۱)

ہوتا تو اِن عنایات کی مقدار استحقاق کے برابر ہوتی حالانکہ بندوں کے جُملہ افعال متناہی ہیں اور اِن کے باعث جو استحقاق حاصل ہوتا اُس کا متناہی ہونا ضروری ہے لیکن احسان و اکرام کا سبب تو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کرم غیر متناہی ہے۔ جب یہ ثابت ہوگا کہ ارشادِ باری تعالیٰ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ احسان کے طور پہ ہے بطورِ استحقاق نہیں، تو معلوم ہوا کہ اس میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا۔

اب رہا لفظ کوثر کا معاملہ تو کَوْثَر لغت میں فَوْعَل کے وزن پر کثرت مادّے سے ہے یعنی؛

وھو المفرط فی الکثرة (ص۱۲۵) یہ افراط در کثرت ہے۔

ایک دیہاتی عورت کا لڑکا جب سفر سے واپس لوٹا تو کسی نے اُس عورت سے پُوچھا کہ تمہارا لڑکا کیا لے کر آیا ہے؟ اُس عورت نے جواب دیا: آب بکوثر ای بالعدد الکثیر یعنی کوثر لایا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بہت ساری چیزیں لے کر آیا ہے۔ بہت زیادہ سخاوت کرنے والے شخص کو بھی کوثر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کمیت نے کہا ہے: ؎

وانت کثیر یا ابن مروان طیب

وکان ابوك ابن العقائل کوثراً [1]

گرد و غبار جب بڑی کثرت سے آسمان کی جانب چڑھ جاتے تو اُسے بھی کوثر کہا جاتا ہے۔ یہ کوثر کے لغوی معانی ہیں لیکن مفسّرینِ کرام نے بوجوہ اِن سے اختلاف کیا ہے؛

---

[1] (ترجمہ) اے ابن مروان! تم اگرچہ اچھے سخی ہو لیکن تمہارا جدِّ اعلیٰ ابن عقائل تو بہت ہی سخی تھا۔

سلف و خلف میں یہی مشہور و معروف رہا ہے کہ کوثر نامی جنت میں ایک نہر ہے۔

قول اوّل چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کنارے مجوّف موتیوں کے قبّوں سے بنائے گئے ہیں۔ میں نے اُس کی گزرگاہ پر ہاتھ پر مارا تو اُس میں مُشکِ اذفر جیسی خوشبو پائی۔ جب پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟ جواب ملا، یہ وہی کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اُس میں سبز پرندے ہیں، جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں جیسی تھیں۔ جو اُس پرندے کا گوشت کھالے اور کوثر کا پانی پی لے، اُسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی۔ شاید اِس نہر کو کوثر اس لیے کہا گیا ہے کہ جنّت کی باقی نہروں سے اِس میں پانی زیادہ اور بہتر ہے یا اِس وجہ سے کہ جنت کی ساری نہریں اِسی سے نکلتی ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ جنت کا کوئی باغ ایسا نہیں جس میں کوثر سے نکل کر کوئی نہر نہ پہنچتی ہو۔ یا اِس وجہ سے کوثر کہتے ہیں کہ اِس پر پانی پینے والے بکثرت ہوں گے۔ یا اِس کے پانی میں نفع کثیر ہے، جیسا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوثر ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اُس میں خیرِ کثیر ہے۔

قول دوم کوثر سے مراد حوض ہے اور اِس بارے میں احادیث مشہور ہیں۔ پہلے قول اور اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (ماسوائے لفظی اختلاف کے) کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ نہر اِس حوض میں گرتی ہو یا جملہ نہریں اِسی حوض سے نکل کر بہتی ہوں اور یہ حوض اُن کا منبع ہو۔

قول سوم کوثر سے مراد سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورت اُس شخص (عاص بن وائل) کے ردّ میں نازل ہوئی تھی جس نے آپ کو یہ طعنہ دیا تھا کہ محمّد کی نسل منقطع ہو چکی ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم)۔ پس کوثر کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے حبیب کو اتنی اولاد مرحمت فرمائی ہے جو اُس وقت تک باقی رہے گی جب تک زمانہ باقی ہے۔ جائے غور ہے کہ کتنے اہلِ بیتِ اطہار نے جامِ شہادت

نوش کیا لیکن اس کے باوجود ساری دنیا ان حضرات سے بھری پڑی ہے۔ اس کے برعکس بنی امیہ سے کوئی ایک شخص بھی ایسا باقی نہیں رہا، جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ پھر ان کی طرف دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ ان میں امام باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا اور نفس زکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے کتنے ہی آسمانِ علم و عرفاں کے شمس و قمر ہو گزرے ہیں۔

قول چہارم

الکوثر علماء امته وهو لعمری الخیر الکثیر لانهم کانبیاء بنی اسرائیل وهم یحبون ذکر رسول الله صلی الله علیه وسلم وینشرون آثار دینه واعلام شرعه ووجه التشبیه ان الانبیاء کانوا متفقین علی اصول معرفة الله مختلفین فی الشریعة رحمة علی الخلق لیصل کل احد الی ما هو صلاحه کذا علماء امته متفقون بامرهم علی اصول شرعه لکنهم مختلفون فی فروع الشریعة رحمة علی الخلق ثم الفضیلة من وجهین۔ (ص۱۲۶)	کوثر سے علمائے امتِ محمدیہ مراد ہیں۔ خدا کی قسم یہ بہت بڑی خیر ہے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے انبیائے کرام کی طرح ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو زندہ اور باقی رکھتے ہیں اور دینِ مصطفوی کے آثار کی نشر و اشاعت کرتے اور شریعتِ مطہرہ کے اعلام کو بلند رکھتے ہیں۔ انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انبیائے کرام معرفتِ الٰہی کے اصولوں میں متفق اور شرعی احکام میں مختلف تھے۔ یہ مخلوق پر رحمت ہے تاکہ ہر ایک اپنی صلاحیت کے مطابق حاصل کرلے جیسا کہ علمائے امتِ محمدیہ اصولِ شرع کے معاملے میں باہم متفق ہیں لیکن شریعتِ مطہرہ کے فروعی مسائل میں مختلف ہیں۔ یہ مخلوق پر رحمت ہے اس (اختلاف) میں دو وجہ سے فضیلت ہے۔

۱۔ ایک وجہ اُن میں سے یہ ہے، جیسا کہ روایت ہے:

انه یجاء یوم القیامة بکل نبی ویتبعه امته فربما یجیئ الرسول ومعه الرجل والرجلان	بیشک بروزِ قیامت ہر نبی حاضر ہوگا اور پیچھے پیچھے اس کی امت ہوگی۔ بعض رسول ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ ایک دو آدمی ہوں گے۔

ویجاء بکل عالم من علماء امتہ	لیکن اُمتِ محمدیہ کے ہر عالمِ دین کے ساتھ ہزاروں
صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ	افراد کا اژدحام ہوگا اور سارے رسول اللہ
الالوف الکثیرۃ نیجتمعون	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوتے چلے
عند الرسول صلی اللہ علیہ	جائیں گے۔ ایسا بھی ہوگا کہ بعض علمائے کرام
وسلم فربما یزید عدد متبعی	کے متبعین کی تعداد ایک ہزار انبیائے کرام کے
بعض العلماء علی عدد متبعی	متبعین جتنی ہوگی۔

(الف من الانبیاء۔ (ص ۱۲۶)

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیائے کرام یقینی امر تک نصوص کا اتباع کرنے کے باعث پہنچ جاتے تھے کیونکہ نصوص وحی سے ماخوذ ہوتے ہیں اور علمائے اُمتِ محمدیہ استنباط و اجتہاد کی صلاحیت کے باعث صحیح حکم تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر بعض کے کہنے کے مطابق بعض علماء مخطی ہوں لیکن جو صحیح حکم تک نہ پہنچ سکے وُہ بھی عند اللہ ماجور ہے۔

قولِ پنجم کوثر سے مراد نبوت ہے اور بیشک یہ خیرِ کثیر ہے کیونکہ ربوبیت کے بعد سب سے بڑا مرتبہ نبوّت ہے۔ اِسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ	اور جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے
اَطَاعَ اللّٰہَ۔[۱]	اللہ کا حکم مانا۔

اور یہ بنیادِ ایمان ہے بلکہ یہ شجرِ معرفتِ الٰہی کی شاخ کے مانند ہے، کیونکہ نبوّت کی معرفت سے ذاتِ الٰہی کی معرفت ہوتی ہے لہٰذا اُس کے علم و قدرت و حکم کا مقدّم ہونا ضروری ہے۔ جب نبوّت کی معرفت حاصل ہو جاتے تو اِس کے باعث باقی صفات یعنی سمع و بصر اور صفاتِ خبریہ و وجدانیہ کی معرفت بھی بقولِ بعض حاصل ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان مناقب و فضائل سے وافر حصّہ ملا ہے کیونکہ آپ جملہ انبیائے کرام سے پہلے مذکور ہیں اگرچہ سب کے بعد مبعوث ہوتے اور جملہ جنوں اور اِنسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کا حشر جملہ انبیائے کرام سے

---

[۱] پ ۵، سورۃ النساء، آیت ۸۰

پہلے ہوگا۔ آپ کی شریعتِ مطہرہ کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے اور آپ کے فضائل و کمالات حد و شمار سے باہر ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں یہاں بعض باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی کتاب کلمات تھے جیساکہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ [۱] پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی کتاب بھی کلمات تھے جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ۔ [۲] اور جب ابراہیم کو اُس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب صحیفے تھے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔ [۳] صحیفے ابراہیم اور موسیٰ کے۔

لیکن فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب باقی جملہ آسمانی کتابوں کی محافظ اور نگران ہے جیساکہ اللہ جلّ مجدہٗ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔ [۴] اور اُن پر محافظ و گواہ

حضرت آدم علیہ السّلام نے تمام اسماء کے ساتھ مقابلہ کیا تھا جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ۔ [۵] اِن کے نام تو بتاؤ۔

لیکن سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام کے ذریعے مقابلہ کیا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ۔ [۶] تم فرماؤ، اگر آدمی اور جنّ سب اِس بات پر متفق ہوجائیں۔

---

[۱] پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۳۷
[۲] پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۴
[۳] پ ۳۰، سورۂ الاعلیٰ، آیت ۱۹
[۴] پ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۴۸
[۵] پ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۳۱
[۶] پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۸

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ اُن کی کشتی کو پانی پر ٹھہرائے رکھا، تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بڑا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نہر کے کنارے تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا، اے محمد! اگر آپ سچے ہیں تو وہ پتھر جو نہر کے دُوسرے کنارے پر ہے، اُسے بلائیے کہ وہ پانی پر تیرتا ہُوا آپ کے پاس آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اُس پتھر نے مختارِ دو جہاں، سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشارہ پاتے ہی حرکت شروع کی اور پانی پر تیرتا ہُوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگیا اور آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عکرمہ! کیا یہ تیرے لیے کافی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ مَیں اُس وقت آپ کی تصدیق کروں گا جب یہ پتھر اسی طرح اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس پتھر کو واپس چلے جانے کا حکم فرمایا تو وہ پانی پر تیرتا ہُوا اُسی طرح اپنی جگہ واپس چلا گیا۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے آگ سلامتی والی ٹھنڈی کر دی تھی۔

نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے عظیم معجزہ مرحمت ہُوا۔ چنانچہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب مَیں چھوٹا سا بچہ تھا تو میرے اُوپر کھولتی ہُوئی ہانڈی گر گئی۔ میرے تمام جسم کی کھال اُتر گئی۔ میری والدۂ محترمہ مجھے لے کر فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئیں۔ عرض کی: حضور! یہ حاطب کا بیٹا جل گیا ہے، جیسا کہ سرکار ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تاجدارِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلے ہُوئے جسم پر اپنا لعابِ دہن لگایا، ازراہِ شفقت اپنا دستِ مبارک پھیرا اور بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی: اے پروردگارِ عالم! اس کی تکلیف دُور فرما۔ مَیں اُسی وقت بالکل تندرست ہوگیا، گویا میرے ساتھ کوئی واقعہ گزرا ہی

---

[1] امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: ؎

وَكَذَاكَ اَثَّرَ لِمَشْيِكَ فِى الثَّرٰى
وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَ

نہیں تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بزرگی مرحمت فرمائی کہ اُن کے لیے زمین پر سمندر میں راستہ بنا دیا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارے سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ کیا زمین اور آسمان کے معجزے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے پانی جاری ہُوا تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہُوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ اُن پر بادلوں نے سایہ کیا تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بیضا کا معجزہ ملا تو سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم ملا جس کی نورانیت سے مشرق و مغرب بھی جگمگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنا دیا تھا، لیکن ابوجہل نے جب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک بھاری پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تو اُسے آپ کے دونوں کندھوں پر دو اژدہے نظر آئے اور وہ مارے خوف کے دُم دبا کر بھاگ گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں نے تسبیح بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں اور آپ کے اصحاب کے مبارک ہاتھوں میں پتھر تسبیح بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب لوہے کو ہاتھ لگاتے تو اُن کے لیے نرم ہو جاتا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مریل بکری پر ہاتھ پھیرا تو دُودھ دینے لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے گرد پرندے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے تو رسولِ اکرم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا فرما کر آپ کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ شرف بخشا کہ وُہ مُردے زندہ کر دیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک یہودی

---

[1] امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

وَشَفَیْتَ ذَا الْعَاھَاتِ مِنْ اَمْرَاضِہٖ
وَمَلَأْتَ کُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاکَ

عورت نے بکری کے گوشت کے ساتھ آپ کی ضیافت کی اور اُس میں زہر ملا رکھا تھا۔ جب آپ نے لقمہ دہنِ مبارک میں رکھا تو لقمے نے آپ کو خبر دی کہ وہ زہر آلود ہے۔ نیز آپ نے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفائے کاملہ سے ہمکنار کیا۔ روایت ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے مرضِ برص (کوڑھ) میں مبتلا ہونے کا حال عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درخت کی ایک ٹہنی لے کر اُس کے جسم پر پھیری تو اللہ تعالیٰ نے اُس محترمہ سے برص (کوڑھ۔ پھلبہری) کے مرض کو بالکل دُور کر دیا۔

غزوۂ اُحد میں ایک شخص کی آنکھ (تیر لگنے سے) نکل گئی۔ وہ اُسے اُٹھا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ تاجدارِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کی آنکھ کو اُس کے اصلی مقام پر رکھ دیا تو وہ ایسے درست ہو گئی کہ گویا کوئی حادثہ پیش آیا ہی نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن چیزوں کو بتا دیا کرتے تھے جو لوگوں نے اپنے گھروں میں چھپا کر رکھی ہوتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان لیا تھا، جو آپ کے چچا عباس اور چچی اُم الفضل نے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے اُس کے بارے میں خبر دی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس بات کو تسلیم کیا کہ واقعی معاملہ یہی کچھ ہے۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ سورج ڈوبے ہوئے کو واپس لوٹا دیا تھا تو ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی گود میں سرِ اقدس رکھ کر استراحت فرما رہے تھے اور جس وقت آپ بیدار ہوئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج کو واپس لوٹایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو نمازِ عصر قضا ہو گئی تھی وہ اُنھوں نے وقت کے اندر ادا کر لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ کمال مرحمت فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ کوئی صحابی کسی پرندے کے بچے کو اٹھا لائے تھے۔ وہ پرندہ اُڑتا ہوا آیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے گرد اُڑتا اور آپ سے اپنی زبان میں کچھ عرض کرتا رہا۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین کو

مخاطب کرکے فرمایا: اِس پرندے کے بچے کو تم میں سے کون اٹھا کر لایا ہے؟ ایک صحابی عرض گزار ہُوئے: یا رسول اللہ! مَیں اٹھا کر لایا ہُوں۔ آپ نے فرمایا: اِس کا بچہ اِسے واپس دے دو اور بھیڑیئے کا آپ سے گفتگو کرنا عام مشہور ہے۔ [1]

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وُہ صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کر لیا کرتے تھے تو شبِ اسرا کے دُولہا نے ایک گھڑی میں بیت المقدس تک فاصلہ طے کر لیا تھا۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کا یعفور نامی گدھا ایسا تھا کہ جس شخص کو بُلوانا مطلوب ہوتا تو یعفور کو بھیج کر اسے بُلوا لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے ایک سرکش اُونٹ کی بارگاہِ رسالت میں شکایت کی اور بتایا کہ سعیِ بسیار کے باوجود اُس پر قابو نہیں پا سکے ہیں۔ شہنشاہِ کونین اُس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے تو وُہ آپ کی بارگاہ میں عاجزی پیش کرنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی جانب پیغام رساں بنا کر بھیجا۔ جب وہ کسی غار کے قریب پہنچے تو وہاں ایک شیر بیٹھا ہُوا دیکھا۔ وُہ اُسے دیکھ کر خوف زدہ ہُوئے لیکن یہ جانتے ہُوئے کہ واپس لوٹنا بھی غیر محفوظ ہے، آگے بڑھے اور فرمایا: اے شیر! مَیں رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ یہ سُن کر شیر مطیع ہو گیا۔

جس طرح جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں تھے اِسی طرح وہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی تابعِ فرمان تھے۔ ایک دفعہ کوئی اعرابی ایک مری ہوئی گوہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لے آئے۔ گوہ زندہ ہو کر کلام کرنے لگی اور اُس نے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا برملا اعتراف کیا۔

---

[1] امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِن معجزات کا ذکر یُوں کیا ہے: ؎

وَالذِّئْبُ جَاءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ اَتَتْ ‏ بِكَ تَسْتَجِيْرُ وَتَحْتَمِيْ بِحِمَاكَ

وَكَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ ‏ وَشَكَا الْبَعِيْرُ اِلَيْكَ حِيْنَ رَاٰكَ

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہرنی کی ضمانت دی (جو جال میں گرفتار تھی) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئی کہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی) اعرابی نے آپ کی ضمانت پر ہرنی کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُسی جگہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں وُہ ہرنی دوڑتی ہوئی حاضر ہوگئی اور سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ضمانت سے بری الذمہ کر دیا۔

جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے منبر تیار ہو گیا اور آپ اُس پر جلوہ افروز ہوتے تو اُس ستون (اُستنِ حنانہ) نے بچوں کی طرح گریہ وزاری شروع کر دی (جس سے ٹیک لگا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ اُس کا رونا آپ کے فراق میں تھا۔[1]

غارِ ثور میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کی ایڑی میں سانپ نے ڈنگ مارا اور عرض گزار ہوا کہ حضور! مَیں ایک مدّتِ دراز سے حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے اشتیاق میں یہاں گن گن کر ساعتیں گزارتا رہا ہُوں۔ مجھے اِس شرف سے محروم رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑے سے طعام سے کثیر خلقت کو شکم سیر کر دیا کرتے تھے۔ آپ کے معجزات حدِ شمار سے باہر ہیں۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین بندوں میں سب سے مقدم فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رکھا ہے، جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1]
رُلا دے جبکہ چوبِ خشک کو حضرت کی مہجوری
سُنی جب اُس ستونِ عاشقِ بیتاب کی زاری
کوئی ایسا نہ تھا اُس بزم میں جس پر نہ تھی رقّت
اُدھر گرمِ فغاں تھا وہ ستوں صدمے سے فرقت کے
ستوں خاموش ہوتا تھا، نہ یہ رونے سے چپتے تھے
ستوں نے یہ کیے نالے کہ چشمِ حال سے اُس دم
رسول اللہ کی الفت مجسّم عینِ ایماں ہے

کہو پھر عینِ غیرت سے نہ کیونکر ہر بشر روئے
رسول اللہ کے اصحاب کیسے اُس قدر روئے
بہت روئے، نپٹ روئے، تمامی بیشتر روئے
اِدھر بہ شدّتِ رقّت سے باصد چشمِ تر روئے
وُہ آہیں مار چلایا، یہ دل کو کھول کر روئے
شجر روئے، حجر روئے، سبھی دیوار و در روئے
فراقِ مصطفیٰ میں اہلِ ایماں عمر بھر روئے

(دیوان کافی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ ۔ ؎۱

اور اے محبوب! یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔

حبیب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت ایسی ہے تو جائز ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اِس کا نام کوثر رکھے اور فرمائے: اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝

قولِ ششم کوثر سے مراد قرآنِ کریم ہے اور اِس کے فضائل بے شمار ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۔ ؎۲

اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اُس کی سیاہی ہو، اُس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

نیز اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۔ ؎۳

اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگر ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

قولِ ہفتم کوثر سے مراد اسلام ہے اور خدا کی قسم اسلام میں خیرِ کثیر ہے، کیونکہ اِس کے ذریعے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور اِسے چھوڑنا دارین کی بھلائی سے محروم رہنا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اسلام معرفت ہی کا نام ہے یا معرفت کی ضروری باتوں کو اسلام کہتے ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

؎۱ پ ۲۱، سورۂ الاحزاب، آیت ۷

؎۲ پ ۲۱، سورۂ لقمٰن، آیت ۲۷

؎۳ پ ۱۶، سورۂ الکہف، آیت ۱۰۹

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔[1] اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

جب اسلام خیرِ کثیر ہے تو ثابت ہُوا کہ کوثر یہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسلام کے ساتھ خاص کیوں فرمایا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سب کے لیے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہی اسلام دوسروں تک پہنچا ہے پس آپ کی ذاتِ مقدسہ اسلام کے لیے اصل کی مانند ہے۔

قولِ ہشتم کوثر سے مراد پیروکاروں اور ساتھیوں کی کثرت ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے پیروکار ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے خلیل یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہُوں۔ قیامت میں میری شفاعت مقبول ہو گی۔ وہاں جب میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہُوں گا، تو لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ ظاہر ہو گا۔ ہم اُنھیں جلدی سے دیکھیں گے اور ہم میں سے ہر نبی یہی خواہش کرے گا کہ کاش! یہ میری اُمت ہو۔ وضو کا پانی لگنے کے باعث وہ پنج کلیان نظر آ رہے ہوں گے یعنی اُن کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ مَیں کہوں گا: ربِّ کعبہ کی قسم یہ تو میری اُمت ہے۔ اِس کے بعد ایسے ہی لوگوں کی ایک جماعت اور ظاہر ہو گی۔ ہم اُسے بھی بغور دیکھیں گے اور ہم میں سے ہر نبی کی یہی خواہش ہو گی کہ یہ اُسی کی اُمت ہو۔ اُن کے اعضائے وضو بھی چمکتے ہوں گے اور مَیں کہوں گا: ربِّ کعبہ کی قسم، یہ تو میری اُمت ہے۔ وہ بھی بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ پھر اُن جیسی تیسری جماعت ظاہر ہو گی۔ ہم اُنھیں بھی دیکھیں گے۔ اُن کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی کچھ بتایا جو پہلی دونوں جماعتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اِس کے بعد فرمایا: میری اُمت سے یہ تینوں جماعتیں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

[1] پ ۳، سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۹

فرمایا: نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ اور مسلمانوں میں عددی کثرت پیدا کرو تاکہ میں تمھاری کثرت کے باعث تمام اُمتوں پر فخر کروں[1] خواہ کوئی بچہ حمل کی صورت میں ساقط ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ حبیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے سبب بھی فخر فرمائیں گے جو سنِ بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تو مسلمانوں کے حد و شمار سے باہر افراد کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس بہت بڑی نعمت کا ذکر کرنا پسند فرمایا ہوگا اور اِسی لیے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ۝

قول نہم کوثر سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائلِ کثیرہ مراد ہیں۔ کیونکہ اُمّت کا اِس بات پہ اتفاق ہے کہ آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ حضرت مفضّل بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بہت زیادہ سخی اور صاحبِ خیرِ کثیر ہو اُسے کوثر کہا جاتا ہے۔ لغت کی کتاب صحاح میں ہے کہ جو سردار بہت زیادہ خوبیوں والا ہو اُسے کوثر کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ایسے عظیم فضائل و کمالات سے نوازا ہے تو پسند فرمایا کہ بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمائے، اِسی لیے اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ۝

قول دہم کوثر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک کی رفعت ہے اور اِس کی تفصیل آیتِ کریمہ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

قول یازدہم کوثر سے مراد علم ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کوثر کو اِس معنی پر محمول کرنا کئی وجہ سے اَولیٰ ہے۔ وُہ وجوہات درجِ ذیل ہیں:

۱۔ علم خیرِ کثیر ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

---

[1] کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو راہِ ہدایت نصیب فرمائے کہ وُہ اپنے نبی کی اِس خواہش کا احترام کرتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کی لعنت کو مسلمانوں پر مسلط کرنے سے باز آئیں۔ غیر مسلموں کی پٹی پڑھانے سے اپنے نبی کی مخالفت پر دن رات کمربستہ رہنا کیسی مسلمانی اور کہاں کی عقلمندی ہے؟ یہ عیاشی کو فروغ دینے کا شیطانی منصوبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے بے غیرتی کے کاموں سے بچائے جو محض جگ ہنسائی کا سامان ہیں۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ [1]	اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دعا مانگنے کا حکم دیا، مثلاً فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ [2]	اے میرے رب! مجھے زیادہ علم دے۔

اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کو خیرِ کثیر بتایا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ [3]	اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔

۲۔ کوثر کو یا ہم اُخروی نعمتوں پر محمول کریں گے یا دنیاوی پر۔ اُخروی پر محمول کرنا اِس وجہ سے جائز نہیں ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں کوثر عطا فرما دیا (یعنی یہ کام زمانۂ ماضی میں ہو چکا) اور جنت کی نعمتیں زمانۂ مستقبل میں ملیں گی، ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مل چکی ہوں۔ پس کوثر کو اُن نعمتوں پر ہی محمول کرنا ہوگا جو آپ کو دنیا میں مل چکی ہیں۔ لیکن جتنی نعمتیں آپ کو دنیا میں مرحمت فرمائی گئی ہیں، اُن میں علم سب سے اعلیٰ و اشرف ہے اور نبوت بھی علم میں داخل ہے (کیونکہ نبوت بھی کمالاتِ علمیہ سے ہے)۔ پس اس لفظ (کوثر) کو علم پر محمول کرنا واجب ہوا۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں کوثر مرحمت فرمائی تو اُس کے بعد فرمایا کہ اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ لیکن جو چیز عبادات سے مقدم ہے وہ معرفت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل میں فرمایا ہے:

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۔ [4]	یہ ڈر سناؤ کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو مجھ سے ڈرو۔

---

[1] پ ۵، سورۂ النساء، آیت ۱۱۳
[2] پ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۴
[3] پ ۳، سورۂ البقرہ، آیت ۲۶۹
[4] پ ۱۴، سورۂ النحل، آیت ۲

دُوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یُوں فرمایا ہے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۔ ل۵ — بیشک میں ہی اللہ ہُوں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

دونوں مقامات پر معرفت کا عبادت سے پہلے ذکر کیا ہے۔ نیز فَصَلِّ میں فَا تعقیب کے لیے ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ کوثر کا عطا فرمانا اِن عبادات کے موجب کی طرح ہے اور یہ معلوم ہے کہ عبادات کا موجب صرف علم ہے (لہٰذا کوثر کو علم پر محمول کرنا بھی مناسب ہے)۔

قول دوازدہم کوثر اخلاقِ حسنہ کو کہتے ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاق کا نفع عام ہے، جس کا فائدہ ہر عالم اور جاہل، جانور اور عقلمند سب کو پہنچتا ہے۔ جہاں تک علم کے فائدے کا تعلق ہے اُس سے عقلاء ہی مستفیض و مستفید ہوتے ہیں لیکن اخلاقِ حسنہ کا نفع ہر کسی کے لیے عام ہے۔ پس لفظِ کوثر کو اِسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفع عام پہنچانے والے تھے اور اُمتِ محمدیہ کے حق میں تو گویا والد کی طرح تھے کہ اُن کے عُقدے حل فرماتے، اُن کے مشکل امُور میں کفایت کرتے بلکہ خوش خُلقی میں یہاں تک پہنچے ہوئے تھے کہ جب آپ کے دندان مبارک شہید کر دیے گئے تو اُس وقت بھی آپ نے یہ دُعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

قول سیزدہم کوثر سے مراد مقامِ محمود ہے، جو مقامِ شفاعت ہے۔ دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ ۔ ل۲ — اور اللہ کا کام نہیں کہ اُنھیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم اُن میں تشریف فرما ہو۔

ل۵ پ ۱۶ ، سورۂ طٰہٰ ، آیت ۱۴

ل۲ پ ، سورۂ الانفال ، آیت ۳۳

اور آخرت کے متعلق سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ (ص۱۷۹)	میری شفاعت میری اُمت کے اہل کبائر کے لیے ہے۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ لکل نبی دعوۃ مستجابۃ واتی خبأت دعوتی شفاعۃ لامتی یوم القیامۃ۔ (ص۱۸۰۱)	ہر نبی ایک خاص دعا کی اجازت دیا گیا اور وہ دُعا قبول فرمائی گئی۔ میں نے قیامت میں اپنی اُمت کی شفاعت کرنے کے لیے اپنی دعا چھپاکر رکھی ہوئی ہے۔ لہ

لفظ کوثر سے یہی سورت مراد ہے، جسے سورۂ کوثر کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ

قول چہاردہم چھوٹی سی سورت (بظاہر قلتِ الفاظ و آیات) ہونے کے باوجود دنیاو آخرت کے ہر قسم کے منافع کی جامع اور کتنے ہی اعجاز پر مشتمل ہے:

۱۔ جب ہم لفظ کوثر کو پیروکاروں کی کثرت یا اولاد کی کثرت یا نسل کے منقطع نہ ہونے پر محمول کریں تو یہ غیب کی خبر ہے اور جیسی آپ نے خبر دی اُسی کے مطابق واقع ہوا، لہٰذا یہ معجزہ ہے۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہوا: "اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو"۔ اِس حکم میں زوالِ فقرو فاقہ کی جانب اشارہ ہے کہ مسلمان مالدار ہونے کے باعث قربانی کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ اور یہ بھی غیب کی خبر ہونے کے باعث معجزہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا وہ دشمن (عاص بن وائل) جو تم پر عیب چسپاں کر رہا ہے،

لہ اِسی لیے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے: ؎

فَعَسَاکَ تَشْفَعُ فِیْہِ عِنْدَ حِسَابِہٖ

فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّکًا بِعُرَاکَ

اُسی کی نسل منقطع ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (یہ بھی غیب کی خبر ہونے کے سبب معجزہ ہے)۔

۴۔ اِس سُورت کے چھوٹا ہونے کے باوجود بھی مخالفین اِس سے معارضہ نہ کر سکے۔ ثابت ہوا کہ قرآنِ کریم کا یہ کمال ہے کہ وُہ اوّل سے آخر تک سراسر اعجاز ہے، جو اِس میں رکھا گیا ہے، اِسی لیے تو چھوٹی سورت ہونے کے باوجود معاندین اِس سے معارضہ نہ کر سکے، تو سارے قرآنِ مجید کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہونا اور بھی واضح ہے۔ جب اِن وجوہات کے تحت قرآن کا اعجاز ظاہر ہُوا تو آپ کی نبوّت ثابت ہوگئی۔ نبوّت کے ثابت ہونے سے توحیدِ باری تعالیٰ، معرفتِ صانعِ حقیقی، دینِ اِسلام اور قرآنِ کریم کا کلامِ الٰہی ہونا ثابت ہوگیا۔ اور جب یہ چیزیں ثابت ہوگئیں تو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں ثابت ہوگئیں۔ لہٰذا یہ سُورت ایک مختصر نکتے کی مانند ہے، جو تمام مقاصد کو ثابت کرنے میں قوی اور کافی ہے۔ پس یہ (بلحاظ الفاظ) دیکھنے میں چھوٹی اور معانی و مطالب کے لحاظ سے بہت بڑی سورت ہے۔ پھر اِس میں ایک خاصیت یہ بھی ہے جو دُوسری کسی سورت میں نہیں پائی جاتی کہ اِس کی تین آیتیں ہیں اور اُن میں سے ہر آیت میں بھی معجزہ ہے اور یہ خاصیت تمام سورتوں میں نہیں پائی جاتی۔ بایں وجوہات یہ احتمال موجود ہے کہ لفظ کوثر سے یہی سورت مراد ہو۔

قول پانزدہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ کوثر سے مراد اللہ تعالیٰ کی وُہ نعمتیں ہیں جو نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی گئیں، کیونکہ لفظ کوثر کثیر نعمتوں کو شامل ہے۔ لہٰذا اِس لفظ کو بعض نعمتوں پر محمول کرنا اور باقی نعمتوں کو نظر انداز کر دینا اَولیٰ نہیں ہے۔ پس واجب ہُوا کہ اِسے کُل پر محمول کیا جائے۔

روایت ہے کہ جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس قول کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے بیان کیا تو بعض حضرات کہنے لگے کہ عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہر جو جنت میں ہے وُہ بھی اُسی خیرِ کثیر کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی ہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؀ کا ظاہر مفہوم اس کا مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر مرحمت فرمایا ہے تو ضروری ہُوا کہ اس کو قریبی مفہوم پر محمول کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوّت، قرآن، ذکرِ حکیم اور دشمنوں کے مقابلے میں نصرت سے نوازا ہے۔ علاوہ بریں حوضِ کوثر اور وہ تمام ثواب جو آپ کے لیے تیار کیا گیا ہے، اگر اُسے بھی کوثر کے مفہوم میں داخل مانا جائے تو جائز ہے کیونکہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ ہو وہ واقع ہونے کی طرح ہے، لیکن حقیقت وہی ہے جو قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تیار فرمائی گئی ہیں لیکن یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں اِس سورت کے نزول کے وقت وہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دی گئی تھیں۔ ممکن ہے اِس کا یہ جواب دیا جائے کہ جو شخص اپنے چھوٹے بچے کے لیے کسی قسم کے سامان کا وعدہ کرتا ہے تو یہ کہنا صحیح تصوّر کیا جاتا ہے کہ اُس نے سامان بچے کو دے دیا ہے، حالانکہ اُس حالت میں بچہ تصرّف کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہا ارشادِ الٰہی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؀ تو اس میں کئی مسئلے ہیں؛

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے حکم فَصَلِّ سے مختلف مفہوم مراد لیے گئے ہیں؛

۱۔ اِس سے مراد نماز کا حکم ہے۔

۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کا شکر ادا کرو۔ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب سے دعا کرو، کیونکہ نماز بھی دعا ہے۔

دُوسرا مسئلہ: ارشادِ الٰہی: وَانْحَرْ سے مراد نَحْرُ الْبُدْنِ یعنی اُونٹوں کی قربانی ہے۔ عام مفسّرینِ کرام کا یہی قول ہے۔

تیسرا مسئلہ: جن حضرات نے فَصَلِّ سے نماز مراد لی ہے، اُن سے اختلاف کیا گیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نماز سے جنسِ نماز مراد لی ہے کیونکہ مُشرکینِ مکّہ خدا کے سوا اور حنی

معبودوں کی عبادت کرنے اور غیر اللہ کے لیے قربانی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ خدا کے سوا کسی اور کے لیے نماز نہ پڑھو اور غیر اللہ کے لیے قربانی نہ کرو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سے عید کی نماز اور قربانی مراد لی ہے، کیونکہ لوگ قربانی کو نماز پر مقدم رکھتے تھے لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

۳۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھو اور قربانی منیٰ میں کرو (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہی مراد ہے)۔

اِس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے اور بھی فوائد ذکر کر کے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کی تفسیر بیان کی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ایک صاحبزادے کے فوت ہو جانے پر کافروں نے آپ پر طعن کیا کہ وہ ابتر (مقطوع النسل) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جانب سے بغیر کسی واسطے کے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا دشمن و شاتم ہی مقطوع النسل ہے۔ دوستی کا وطیرہ یہی ہوتا ہے کہ جب ایک دوست یہ سُنتا ہے کہ اُس کے دوست کو گالی دی جا رہی ہے تو خود اُس کی طرف سے جواب دیتا ہے۔ یہاں بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اور بھی کتنے ہی مواقع پر اِس طرح جواب دینا مذکور ہے مثلاً ایک موقع پر کسی کافر نے اعتراض کیا جو قرآنِ کریم نے یُوں بیان فرمایا ہے:

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ	کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتائیں جو تمھیں خبر دے کہ
اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ	جب تم پرزہ ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ تو
لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى	پھر تمھیں نیا بننا ہے۔ کیا اللہ پر اُس نے
اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ۔ [۱]	جھوٹ باندھا یا اُسے سودا ہے۔

اِس کے جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

---

[۱] پ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۷، ۸

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ۝[1] بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دُور کی گمراہی میں ہیں۔

اور جس وقت کافروں نے اُس معلّمِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے لفظ مجنون (دیوانہ) استعمال کیا تو اللہ جلّ شانہٗ نے قسم کھا کر فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝[2] تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

جس وقت کافروں نے نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لَسْتَ مُرْسَلًا کہا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝[3] حکمت والے قرآن کی قسم، بیشک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

جب کافروں نے فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بارے میں یہ کہا:

اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِہَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۔[4] کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے۔

تو اللہ ربّ العزّت نے اُن کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝[5] بلکہ وہ تو حق لائے ہیں اور اُنھوں نے رسولوں کی تصدیق فرمائی ہے۔

اِس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تصدیق فرمائی پھر آپ کے دشمنوں کو یوں وعید سُنائی:

اِنَّکُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ[6] بیشک تمھیں ضرور دُکھ کی مار چکھنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفّار کے ایک اعتراض کو یوں بیان کیا ہے:

---

[1] پ ۲۲، سورۂ السباء، آیت ۸ [2] پ ۲۹، سورۂ القلم، آیت ۲

[3] پ ۲۲، سورۂ یٰسٓ، آیت ۱تا۴ [4] پ ۲۳، سورۂ الصّٰفّٰت، آیت ۳۶

[5] پ ۲۳، سورۂ والصّٰفّٰت، آیت ۳۷ [6] پ ۲۳، سورۂ والصّٰفّٰت، آیت ۳۸

اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝ [1]
یا کہتے ہیں، یہ شاعر ہیں۔ ہمیں اِن پر حوادثِ زمانہ کا انتظار ہے۔

اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ۝ [2]
اور ہم نے اِن کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ اِن کی شان کے لائق ہے۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے ایک باطل قول کی یُوں حکایت کی ہے:

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ [3]
یہ تو نہیں مگر ایک بُہتان جو اُنھوں نے بنالیا ہے اور اِس پر اَور لوگوں نے اِنھیں مدد دی ہے۔

اللہ جلّ شانہٗ نے اُن کے باطل قول کی تکذیب و تردید کرتے ہُوئے فرمایا:

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۔ [4]
بیشک وُہ ظلم اور جھوٹ پر آئے۔

جب کافروں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بارے میں یہ کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ [5]
اِس رسول کو کیا ہُوا، کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن معترضین و معاندین کو جواب دیتے ہُوئے ارشاد فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ۔ [6]
اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب ایسے ہی تھے کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے۔

اِس میں فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی کس درجہ بزرگی کا راز پنہاں ہے۔ اِس کے بعد

---

[1] پ ۲۷، سورۂ الطور، آیت ۳۰
[2] پ ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۶۹
[3] پ ۱۸، سورۂ الفرقان، آیت ۴
[4] پ ۱۸، سورۂ الفرقان، آیت ۴
[5] پ ۱۸، سورۂ الفرقان، آیت ■
[6] پ ۱۸، سورۂ الفرقان، آیت ۲۰

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتنے ہی فائدے بیان کیے ہیں اور اُن کے آخر میں فرمایا ہے کہ اِس سورت کی خصوصیات اور لطائف میں سے ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر کافر نے کوئی نہ کوئی الزام لگایا، چنانچہ کسی نے کہا: اِن کا بیٹا کوئی نہیں۔ کسی نے کہا، اِن کا کوئی معین و مددگار نہیں۔ اور کوئی کہتا تھا کہ اِن کا ذکر دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسے لفظوں سے مدح فرمائی جن میں سارے فضائل و کمالات جمع ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا: اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ معلوم ہوا کہ،

لانہ لما لم یقید ذلك الکوثر	کیونکہ جب لفظ کوثر کو کسی ایک شے کے ساتھ
بشیٔ دون شیٔ لاجرم تناول	مقید نہیں کیا گیا تو ضروری ہوا کہ یہ دنیا اور
جمیع خیرات الدنیا والاخرۃ۔ (ملتقطا)	آخرت کی ہر ایک بھلائی کو شامل ہے۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ساری عمر اطاعت اور فرمانبرداری میں گزاریں۔ اطاعت یا بدنی ہو گی یا قلبی۔ بدنی اطاعت میں دو (۲) ... تیں سب سے افضل ہیں، کیونکہ جسمانی اطاعت نماز اور مالی طاعت زکوٰۃ ہے۔ قلبی اطاعت یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے کیا جائے کیونکہ لفظ لِرَبِّكَ اِس پر صریح دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس بات سے بھی خبردار کر دیا کہ قلبی طاعت کا حصول بدنی طاعت کے بعد ہوتا ہے کیونکہ بدنی طاعت کا ذکر پہلے ہے اور دُوسرا لام قلبی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ اِس میں اہلِ اباحت کے مذہب کا فساد بھی ظاہر فرما دیا گیا ہے، جو کہتے ہیں کہ انسان قلبی طاعت کے باعث بدنی عبادتوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ یہ لام اہلِ اباحت کے مذہب کو باطل قرار دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اخلاص نہایت ضروری ہے۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو رب کے ساتھ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصبِ رفیع اور اعلیٰ حال سے خبردار کیا ہے جو آپ کو آخرت میں حاصل ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! میں نے تمہارے دنیا میں موجود ہونے سے پہلے بھی تمہاری تربیت کی ہے تو اب جبکہ تمہارا ہر لمحہ ہماری اطاعت گزاری میں بسر

ہو رہا ہے، بھلا ایسی حالت میں تمہیں بے یار و مددگار کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟

اِس سُورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نعمتوں سے مالا مال رکھنے کا یقین دلایا اور سورۃ کے آخر میں اِس بات کا ذمہ لیا کہ آپ کی طرف سے ہر ایک عیب لگانے والے، بدگوئی کرنے والے دشمن اور اُن کے باطل اقوال سے اللہ جل شانہٗ خود نبٹے گا۔ اِس میں اِدھر بھی اشارہ ہے کہ نعمتیں عطا فرمانے میں اللہ تعالیٰ ہی اوّل ہے اور دنیا و آخرت کی ہر نعمت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والی بھی اُسی منعمِ حقیقی کی ذات ہے۔

واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

عارف کبیر حضرت عمر بن فارض

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرمودات گرامی

قصیدۂ تائیۃ الکبریٰ مع شرح

حضرت عمر بن فارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۶۳۲ھ) اپنے قصیدۂ "تائیۃ الکبریٰ" میں حضرات مرسلینِ عظام علیہم السلام کے بعض معجزات کا ذکر کرکے اور بتایا ہے کہ یہ جملہ معجزات فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات کو حاصل تھے۔ چنانچہ وُہ فرماتے ہیں:

۱

بذاك علا الطوفان نوحٍ وقد نجا
به من نجا من قومه في السفينة

آپ کے سبب نوح علیہ السلام طوفان پر غالب رہے اور کشتی میں جو اُن کے ساتھ رہا اُسی نے نجات پائی۔

۲

وغاض له ما فاض عنه استجادة
وجدا الى الجودي بها فاستقرت

اور وہ کثرت سے بہنے والا پانی اُن کے لیے خشک ہوگیا۔ وہ کشتی کو جُودی پہاڑ کی جانب لے گئے جہاں وُہ ٹھہر گئی۔

۳

وسار ومتن الريح تحت بساطه
سليمان بالجيشين فوق بسيطة

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دونوں لشکروں سمیت فضاؤں کی سیر کی اور اُن کا بستر ہوا کی پشت پر ہوتا تھا۔

۴

وقبل ارتداد الطرف احضر من سبا
له عرش بلقيس بغير مشقة

اُن کے حضور بلقیس کا تخت، سبا قبیلے سے بغیر کسی مشقت کے چشم زدن میں حاضر کردیا گیا۔

۵

وأخمد ابراهيم نار عدوه
وعن نوره عادت له روض جنة

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دشمن کی آگ کو بجھا دیا اور آپ کے نور سے وہ اُن کے لیے جنت کا باغیچہ بن گئی۔

۶

ولما دعا الاطيار من كل شاهق
وقد ذبحت جاءته غير عصية

جب اُنھوں نے مذبوح پرندوں کو پہاڑ کی ہر چوٹی سے بلایا تو وہ نافرمانی کیے بغیر حاضرِ بارگاہ ہوگئے۔

۷

ومن يده موسى عصاه تلقفت
من السحر اهوالاً على النفس شقت

اور آپ کے ہاتھ سے عصائے موسیٰ نے جادو کے اُن سانپوں کو نگل لیا جو جان پر بنا دینے والے تھے۔

۸

ومن حجر اجرى عيونا بضربة
بها ديما سقت وللبحر شقت

ایک ضرب کے ساتھ پتھر سے پانی کے چشمے بہ نکلے گویا وہ سیراب کرنے والی بارش تھی اور ان کیلئے سمندر پھٹ گیا۔

ویوسف اذ ألقی البشیر قمیصہ علیٰ وجہ یعقوب الیہ بأوبۃ	۹	اور بشارت دینے والے نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر پلٹ کر ڈالی۔
رأہ بعین قبل مقدمہ بکی علیہ بہا شوقاً الیہ فکفت	۱۰	اُنھوں نے آنے سے پہلے اسے دیکھ لیا تھا، شوقِ ملاقات میں روتے رہے کہ آنکھ رُک گئی۔
وفی آل اسرائیل مائدۃ من السماء لعیسیٰ انزلت ثم مدت	۱۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاطر آلِ اسرائیل میں آسمان سے دسترخوان نازل ہوا اور وہ بچھایا گیا۔
ومن اکمہ أبری ومن وضح عدیٰ شفی واعاد الطین طیراً بنفخۃ	۱۲	پیدائشی نابینائی سے نجات دی اور بڑھنے والے مرض (کوڑھ) سے شفا دی اور مٹی کے پرندے کو پھونک مار کر اڑا دیتے۔
وسر انفعالات الظواھر باطناً عن الاذن ما القت باذنک صیغت	۱۳	ان ظاہری معجزات کا باطنی بھید آپ (سید المرسلین) ہیں، جو بھی صورت آپ کے کان میں ڈالی گئی ہو۔
وجاء باسرار الجمیع مفیضھا علینا لھم ختماً علیٰ حین فترۃ	۱۴	آپ (سارے انبیائے کرام کے) تمام اسرار لے کر تشریف لائے اور اس وقت ہمیں مستفیض فرمایا جبکہ انبیا کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا۔

ان اشعار کے شارح شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ معجزات اور ان کے مثل وہ دوسرے بے شمار جو دیگر انبیائے کرام سے ظاہر ہوئے، وہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سارے پائے جاتے ہیں جیسا کہ شیخ عمر بن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے آخری شعر میں فرمایا ہے کہ، وجاء باسرار الجمیع مفیضھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انفعالات کے اسرار لے کر جلوہ آرائے گیتی ہوتے اور وہ انفعالات ہی اُن معجزات کے آثار ہیں جو انبیائے کرام کو حاصل تھے۔ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ خاتم ہونے کے سبب آپ نے یہ واضح فرما دیا کہ آپ نے انبیائے کرام کے اُن تمام اسرار کو جمع کر لیا ہے جو آثار کے مبادی اور انفعالات ہیں کیونکہ،

جمیع القرآن ھو صورۃ تفاصیل احوالہ واخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم	سارا قرآن کریم ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات و کمالات کی تفصیلی صورت ہے، جیسا کہ
کما قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

حین سئلت عن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان خلقہ القراٰن فجمیع الانبیاء مظاہر تفاصیل احوالہ واخلاقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قد بد اللخلق فی صورۃ کل نبی ومرسل سرّ من اسرارہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ای ذٰلک النبی داعیًا الی اللہ تعالیٰ قومہ بذٰلک السّرّ بتبعیۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کما قال ای ابن فارض رضی اللہ عنہ۔ (ص ۱۸۳)	جبکہ اُن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ) قرآن آپ کا خلق تھا۔ پس سارے انبیائے کرام آپ کے حالات و کمالات کے تفصیلی مظاہر ہیں۔ علاوہ بریں ہر نبی اور رسول آپ کے اسرار میں سے کسی ایک سِر کے ساتھ مخلوق کے لیے جلوہ گر ہُوا (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) اور ہر نبی جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے دنیا میں تشریف لایا وہ اِسی بھید کے باعث محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ماتحتی میں اپنا فرض ادا کرتا رہا، جیسا کہ ابن فارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَا مِنْهُمْ اِلَّا وَقَدْ كَانَ دَاعِيًا
بِهٖ قَوْمَهٗ لِلْحَقِّ عَنْ تَبْعِيَّتِهٖ

یعنی کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا ہو مگر وہ آپ کا متبع ہو کر آیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جس طرح باقی انبیائے کرام آپ کے تفصیلی اسرار کے باعث اپنی اپنی قوم کی طرف رسول بن کر آئے تھے اسی طرح فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت کے علمائے کرام اِس بات میں پہلے انبیائے کرام کی طرح ہیں کہ یہ بھی آپ کے اِتباع میں مخلوقِ خدا کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ اِس وجہ سے ہے کہ ان حضرات نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسرار و احوال و اخلاق کی تفاصیل سے علیٰ قدرِ مراتب حصّہ پایا ہے، لیکن اِنھیں نبی ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد پیدا ہُوئے جبکہ باقی انبیائے کرام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہُوئے تھے۔ امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا ہے:

وَاَهلُ تَلَقِّی الرُّوحِ بِاسْمِی دَعَوْا اِلٰی
سَبِیْلِی وَحَجُّوا الْمُلْحِدِیْنَ بِحُجَّتِی

اِس کے شارح امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلقی سے مراد پکڑنا اور تلقی الروح سے انبیائے کرام مراد ہیں۔ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور سبیل سے مراد طریقِ توحید، اسم سے مراد اسمائے الٰہیہ ہیں جو ہر ایک شے پر غالب ہیں، جس کے ساتھ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو دعوتِ حق دی اور اُس نبی کا اعجاز اسی اسم کا نتیجہ ہوتا ہے، جیسے اسم مُحْیِی ہے جس کے ساتھ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ کیا اور اپنی قوم کو اِس معجزے کی مثل لانے سے عاجز کر دیا، جو اُن کی نبوّت وصداقت کی دلیل ہُوا اور اُس کے باعث منکرین پر غلبہ پایا اور حُجّت کے ساتھ غالب رہے۔ مُلحِد وُہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ اور دینِ مستقیم سے پھرے ہُوئے ہوں۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے وحی حاصل کر کے مخلوقِ خدا کو راہِ توحید کی جانب دعوت دی، جن اسمائے الٰہیہ کی خصوصیت اُنھیں مرحمت فرمائی گئی ہو، جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے قوم کو اسمِ الٰہی خالق، مُحیی اور مبرئی کے ذریعے قوم کو دعوت دی جیساکہ یہ ارشادِ الٰہی اس بات پر دلالت کرتا ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ۔ [1] اور جب تو مٹی سے بناتا ہے۔

اور وُہ میری حجت کے ساتھ منکرین پر غالب آئے اور عیسٰی علیہ السلام نے اُن سے مطالبہ کیا کہ اِن معجزات کی مثل پیش کریں۔ وُہ سعیِ بسیار کے باوجود اُن کی مثل لانے پر قادر نہ ہوئے۔
انبیائے کرام نے حجتوں کو صدور کے لحاظ سے اپنی جانب منسوب کیا اور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب حکایت کی اس کے بعد امام ابن فارض نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے فرمایا ہے:

وَکُلُّهُمْ عَنْ سَبْقِ مَعْنَایَ دَائِرٌ
بِدَائِرَتِیْ اَوْ وَارِدٌ مِّنْ شَرِیْعَتِیْ

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ کُلُّهُمْ سے دیگر سارے انبیائے کرام اور مَعْنَایَ سے

---

[1] پ ۷، سورۂ المائدہ، آیت ۱۱۰

حقیقتِ محمدیہ مراد ہے جو تمام انبیائے کرام کی روحوں سے مقدم ہے اور بِدَ اُبُوَّتِیْ سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باقی تمام انبیائے کرام سے مقدم ہونا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے یُوں بیان کیا ہے:

وَاِنِّیْ وَ اِنْ کُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَۃً
فَلِیْ فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ بِاُبُوَّتِیْ

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی شرح میں فرمایا ہے کہ: مَیں (سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور اُن کا معنوی باپ ہُوں، اگرچہ ظاہر صورت میں اُن کی فرع اور بیٹا ہوں[1]۔ یہ اِس وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ اور آپ کی معنویت وُہ رُوحِ اضافی ہے جس سے آدم علیہ السلام میں رُوح پھُونکی گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح اور معنویت یہی ہے۔ پس حقیقتِ محمدیہ ہی حقیقتِ آدم کی اصل ہے۔ اِس کے بعد امام ابن فارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

ونفسی عن حجرا لتحلی برشدھا وتخلت وفی حجرالتجلی تربت	۱۹	میرا نفس ہدایت یافتہ ہونے کے باعث زیب و زینت کی قید سے آزاد ہے اور تجلّی کے گھیرے میں متواضع ہے۔
وفی المھد حزبی الانبیاء وفی عنا صری لوحی المحفوظ والفتح سورتی	۲۰	گہوارے میں بھی میری جماعت انبیائے کرام پر مشتمل تھی اور میرے عناصر میں میری لوحِ محفوظ اور سورہٗ فتح ہے۔
وقبل فصالی دون تکلیف ظاہری ختمت لبشرعی الموضحی کل شرعۃ	۲۱	دُودھ چھوڑنے اور تکلیف ظاہری سے قبل میں نے اپنی شریعت کے ساتھ ہر شریعت کو ختم کر دیا تھا۔
فہم والأُلی قالوا بقولہم علی صراطی لم یعدوا مواطیٔ مشیتی[۱۸۴]	۲۲	پس وُہ اور جنھوں نے اُن جیسی بات کی (یعنی اولیا) وہ میری راہ پر ہیں اور میرے قدموں کے نشانات سے آگے نہیں بڑھتے۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ جن انبیائے کرام نے شریعتوں کو

---

[1] اسی لیے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: ؎

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اِس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

واضح طور پر بیان کیا اور جن حضرات نے اُن کی نشر و اشاعت کی اور اپنے نبی کی شریعت سے تمسک کیا۔ ایسے لوگ اولیاء اللہ اور میرے سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔ ایسے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ میرے نقوشِ قدم سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کے اندر میں ایک معیّن وصف اور اسم خاص کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہوں۔ مَیں اُن کے ذریعے اپنے اوصاف اور اسماء کا مظاہرہ کرتا رہتا ہوں۔ پس حقیقت میں صراطِ مستقیم پر چلنے والا مَیں ہوں اور باقی سب میرے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں۔ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات جو انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں منقسم ہو کر متفرق ہو چکے تھے آپ کی ذات میں علیٰ وجہ الکمال جمع ہوتے، تو وہ تمام حضرات آپ کے زیرِ تصرف آگئے (کیونکہ اُن میں سے ہر ایک آپ کی فرع ہے اور ہر کوئی اِسی آسمانِ کمال کے مہرِ درخشاں سے منوّر ہو کر اپنی تابانی دکھاتا رہا ہے)۔ اِسی لیے امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا ہے:

فیُمن الدعاة السابقین علیّ فی	۲۳	مجھ سے پہلے اللہ کی طرف بلانے والوں کی برکت میرے دائیں
یمینی ولیسر اللاحقین بیسرتی		ہاتھ میں ہے اور بعد والوں کی آسانی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔
فلا تحسبن الامر عنی خارجاً	۲۴	حکم کو مجھ سے خارج شمار مت کرو، کیونکہ کوئی اُس وقت
فماساد الا داخل فی عبودتی		تک سردار نہیں ہو سکتا جب تک میری تابعداری نہ کرے۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دعوت و تکمیل کے کام کو مجھ (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے باہر گمان نہ کرنا کیونکہ جب تک کوئی میرا اطاعت گزار اور پیروکار نہیں بن جاتا اُس وقت تک کسی قوم کا سردار نہیں ہو سکتا کیونکہ مَیں قطبِ وجود، اصلِ شہود اور ماخذ العہود ہوں، جیسا کہ امام ابن فارض علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

فَلَوْلَایَ لَمْ یُوْجَدْ وُجُوْدٌ وَّلَمْ یَکُنْ

شُهُوْدٌ وَّلَمْ تُعْهَدْ عُهُوْدٌ بِذِمَّةٍ

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ موجودات کے ہر وجود کی اصل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود ہے کیونکہ آپ ساری کائنات کے لیے رُوحِ اعظم کی صورت میں ہیں اور آپ ہی رابطۂ ایجاد ہیں۔

مکاشفہ والوں کو شہود کی نعمتِ عظمیٰ آپ ہی کے سبب ملتی ہے، کیونکہ شہود رُوح کی صفت اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ مقدس تمام رُوحوں کی اصل ہے۔ اسی طرح معاہدوں کی رعایت اور ذمہ داری کا پورا کرنا بھی آپ کے باعث ہے، کیونکہ پہلے آپ کے سیلے ہی روزِ میثاق میں وعدہ لیا گیا تھا، جو بعد میں پُورا ہُوا۔ پس یہ ہر عہد کرنے والے نے اپنے اُس عہد کو پُورا کیا جو روزِ اوّل اُس سے عہد لیا گیا تھا۔ یہ عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد سے مستفاد ہے پھر امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے اِس اجمال کی تفصیل پیش کرنے کی خاطر شرح و بسط سے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے فرماتے ہیں :

فلاحيي الا عن حياتي حياته	۲۶	کوئی زندہ نہیں مگر وہ میری حیات سے زندہ ہے اور ہر ایک
وطوع مرادي كل نفس مريدة		صاحبِ ارادہ میرے ہی مقصد کی پیروی کرتا ہے۔
ولا قائل الا بلفظي محدث	۲۷	کوئی بولنے والا نہیں مگر وہ میرے لفظوں سے بولتا ہے
ولا ناظر الا بناظر مقلتي		اور کوئی دیکھنے والا نہیں مگر میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔
ولا منصت الا بسمعي سامع	۲۸	ہر خاموشی سے سُننے والا میرے ہی کان سے سُنتا ہے اور
ولا باطش الا بأزلي وشدتي		ہر پکڑنے والا میرے ہی حکم سے پکڑتا ہے۔
ولا ناطق غيري ولا ناظر ولا	۲۹	میرے سوا نہ کوئی بولنے والا ہے اور نہ دیکھنے والا اور
سميع سوائي من جميع الخليقة		نہ ساری مخلوق میں میرے سوا کوئی سننے والا ہے۔

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کا وجودِ پاک عالمِ شہادت، عالمِ غیب، عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت سب کو شامل ہے اور آپ کے ظہور کے عموم کو امام موصوف نے یُوں بیان فرمایا ہے:

وفي عالم التركيب وفي كل صورة	۳۰	عالمِ ترکیب (عالمِ شہادت) کے اندر میں ہر صورت میں
ظهرت بمعنى عنه بالحسن زينت		اس انداز سے ظہور پذیر ہُوئی کہ میرے حُسن نے سب کو مزین کر رکھا ہے
وفي كل معنى لم تبنه مظاهري	۳۱	میں ہر اُس معنی میں جلوہ گر اور منصور ہوں جو میرے مظاہر
تصورت لا في هيئة هيكلية		ظاہر کرتے ہیں لیکن جسمانی ہیکل میں نہیں۔
وفيما تراه الروح كشف فراسة	۳۲	اور رُوح جنہیں فراست کے کشف سے دیکھتی ہے بیں لطیف

خفیت عن المعنی المعنی بدقتہ ہونے کے باعث اُن میں معانی کی طرح چھپا ہوا ہوں۔[۱]

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ اشعار کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گویا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یُوں فرما رہے ہیں کہ مَیں عالمِ شہادت کے اندر، جو ترکیب اور صورتوں کی دنیا ہے، ہر صورت میں اپنا حُسن وجمال دکھا رہا ہوں، جس سے صورتیں مزیّن ہیں اور عالمِ غیب جو عالمِ شہادت کا باطن ہے، اُس میں ہر معنی کا مقصود ہوں۔ ظاہری وجود جو میرے مظاہر ہیں وہ مقصود کو ظاہر نہیں کر سکتے، کیونکہ وہاں میں معنوی شکل سے متصور ہوں جسمانی ہیکل میں نہیں اور عالمِ ملکوت ▪ عالمِ جبروت جو باطن کا اور غیب کا غیب ہے وہاں فکری صورت سے اپنی لطافت کے باعث اسماء و صفات کی صُورت میں چھُپا ہُوا ہوں، جس کو کشف، فراست اور بداہت کے طور پر رُوح دیکھتی ہے، جو محتاجِ فکر و نظر نہیں۔ یعنی میں وُہ ذات ہوں جو حِس کے لیے صورتِ حسیہ ہیں، عقل کے لیے صورتِ عقلیہ میں اور رُوح کے لیے رُوحانی صورت میں موجود ہوں لیکن روحانی صورت میں عقل سے مخفی ہُوں جو معانی مطلوبہ کا ادراک کرتی ہے جیسے صورتِ عقلیہ میں حواس سے پوشیدہ ہُوں جو صورتوں کا ادراک کرتے ہیں[۲]۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمّدٍ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

---

[۱] ان مضامین کو مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرّہٗ نے یُوں بیان کیا ہے:

زمین و زماں تمہارے لیے، مکین و مکاں تمہارے لیے
چُنین و چناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

فرشتے خدم ▪ رسولِ حشم، تمامِ اُمم غلامِ کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم، جہاں میں عیاں تمہارے لیے

اصالتِ کُل، امامتِ کُل، سیادتِ کُل، امارتِ کُل
حکومتِ کُل، ولایتِ کُل، خدا کے یہاں تمہارے لیے

تمہاری چمک تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین و فلک سماک و سمک میں سکّہ نشاں تمہارے لیے

وُہ کنزِ نہاں یہ نورِ فشاں، وُہ کُن سے عیاں یہ بزمِ فکاں
یہ ہر تن و جاں، یہ باغِ جناں، یہ سارا سماں تمہارے لیے

یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمہارے لیے

نہ رُوحِ امیں، نہ عرشِ بریں، نہ لوحِ مبیں، کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھُلیں ازل کی نہاں تمہارے لیے

[۲] خدا بھی نہیں ہو، جُدا بھی نہیں ہو
نرالے ہو انساں مدینے کے والی
(اختر شاہجہانپوری)

امام عزّ الدین بن عبد السلام

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

ا
ر
با
ص
ر
لیو
ط
ز
دا
فر
اص
تم
وہ
شیم
سٹ

افضلیتِ مصطفیٰ

امام کبیر، سلطان العلماء، مولانا عز الدین بن عبد السلام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۶۰ھ) نے اپنی تصنیفِ لطیف ہدایۃ السول فی تفضیل الرسول میں تسمیہ و تحمید کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر احسان فرماتے ہوئے اور آپ کی قدر و منزلت اپنی بارگاہ میں دکھاتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ [1]	اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔
وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ [2]	اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط [3]	یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

ان آیات میں پہلی فضیلت یہ ہے کہ دوسروں پر فضیلت دینے سے مدح فرمائی ہے۔ دوسری یہ فضیلت کہ مفاضلت کو بدرجہا زیادہ بتایا اور درجات کو اسم نکرہ کے طور پر استعمال کیا جو تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ کو مقامِ رفیع و منصبِ عظیم مرحمت فرمایا گیا ہے۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بوجوہ افضلیت مرحمت فرمائی ہے:

---

[1] پ ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۱۳
[2] پ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۵۵
[3] پ ۳، سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۳

وجہ نمبر ۱: آپ سب کے سردار ہیں جیسا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ سردار وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ صفات اور بلند اخلاق کے ساتھ متصف ہو۔ پس ظاہر ہوا کہ آپ دونوں جہانوں میں افضل ہیں۔ دنیا میں اس طرح کہ آپ مذکورہ اخلاق سے موصوف ہیں اور آخرت میں اس طرح کہ وہ جہان اوصاف و اخلاق کی جزا پر مرتب ہے۔ جب محاسن و محامد کے لحاظ سے آپ کو دنیا میں فضیلت حاصل ہے تو مراتب و درجات کے لحاظ سے آخرت میں فضیلت حاصل ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انا سیّد ولد آدم ولا فخر اس لیے فرمایا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں جو آپ کی قدر و منزلت ہے، اُس کو اپنی اُمت پر ظاہر فرمائیں۔ جب کوئی شخص اپنی تعریف خود کرے تو اُس میں فخر و غرور کا عنصر کارفرما ہوتا ہے، بایں وجہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِس کا دفعیہ ضروری سمجھا کہ کوئی دوسروں پر آپ کو قیاس کر کے جہالت کی رُو سے اِس وہم و گمان بد میں گرفتار نہ ہو جائے کہ آپ نے بھی یہ فخر و غرور کے طور پر فرمایا ہوگا، لہٰذا فرمانِ رسالت ہوا وَلَا فَخْرَ۔

وجہ نمبر ۲: اسی سلسلے میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر و غرور کے طور پر نہیں کہتا۔

وجہ نمبر ۳: اسی ضمن میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا سارے انسان قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ یہ خصائص اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کا مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر جملہ انبیائے کرام سے بلند و بالا ہے۔ یہاں تفضیل کا مطلب خصوصی مناقب و مراتب ہیں۔

وجہ نمبر ۴: بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر دی تھی کہ آپ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں (اگر ان کا کوئی وجود ہو تو) معاف فرما دی گئی ہیں۔ یہ کہیں منقول نہیں کہ کسی نبی نے اپنے متعلق اس قسم کی خبر دی ہو بلکہ یہ ظاہر ہے کہ اُنھوں نے ایسی کوئی خبر نہیں دی، اِسی لیے قیامت میں جب اُن سے شفاعت کرنے کی درخواست کی جائے گی تو ہر ایک اپنی لغزش (وہ افعال جو صورتاً ظاہری طور پر لغزش معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اُ

اندر لغزش کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا) کو یاد کر کے، جو سرزد ہوئی، نفسی نفسی پکارے گا۔
اگر اُن میں کسی کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ اُن کی لغزشیں معاف فرما دی گئی ہیں تو شفاعت کے نام
سے جھجکنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ لیکن حبیب نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخلوقِ خدا
شفاعت کی درخواست کرے گی تو آپ اَنَا لَہَا فرمائیں گے یعنی شفاعت کے لائق میں ہوں (کیونکہ
شفیع المذنبین صرف آپ ہیں)۔ [1]

وجہ نمبر ۵ : رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی وہ فردِ واحد ہیں جو سب سے پہلے شفاعت
فرمائیں گے اور آپ کی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ اِس میں آپ کی جملہ
انبیائے کرام سے تخصیص اور افضلیت پائی جاتی ہے۔

وجہ نمبر ۶ : شفاعت آپ کا ایثار ہے کہ اپنی ذات کے لیے دُعا کرنے کے بجائے اُمت کی
شفاعت کرنا پسند فرمایا۔ حالانکہ ہر نبی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دُعا کریں جو قبول فرمائی جائے گی۔
اُن حضرات نے جلدی کی اور دنیا ہی میں اپنی اپنی دعا کر لی اور وہ قبول ہوئیں۔ سرورِ کون و مکاں
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دُعا کو اُمت کی شفاعت کرنے کے لیے آخرت پر اٹھا رکھا تھا۔

وجہ نمبر ۷ : بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی قسم
کھائی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ [2]	اے محبوب! تمھاری جان کی قسم، بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

آپ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھانا حیاتِ مصطفیٰ کی عزت و عظمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ واضح

---

[1]
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ
لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ (امام اعظم)

بخشوا ہی دیجیے بدکار اختر کے گناہ
آپ کو دُشوار اے جانِ جہاں کچھ بھی نہیں (اختر شاہجہانپوری)

[2] پ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۷۲

کرتا ہے کہ قسم کھانے والے کو وہ سب سے عزیز ہیں اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی اِس لائق ہے کہ اُس کی قسم کھائی جائے کیونکہ عام اور خاص ہر قسم کی برکتیں اِسی سے وابستہ ہیں اور یہ شرف کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت نہیں ہے۔

وجہ نمبر ۸ : اللہ تعالیٰ نے پکارنے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت و عظمت بخشی کہ آپ کو پیارے ناموں اور اچھے اوصاف والے القاب سے مخاطب کیا مثلاً : یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ ــــــ اور یہ خصوصیت کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ باقی ہر نبی کو اُس کے نام سے مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مثلاً : یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ ــــــ یَا مُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا اللہُ۔ ــــــ یَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ ــــــ یَا نُوْحُ اھْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا ــــــ یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ ــــــ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ ۔ وغیرہ

اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ آقا جب اپنے کسی غلام کو اُس کے اعلیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کا ذکر کر کے بلائے لیکن دوسرے غلاموں کو اُن کے نام سے پکارے اور کسی وصف و خُلق کا ذکر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ جسے اعلیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کے ذکر سے بلایا گیا، وہ ان سب سے افضل ہے جنھیں اُن کے ناموں سے پکارا گیا اور بطور عرفِ عام یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ جس کو اچھے ناموں اور اچھے اخلاق و اوصاف سے منسوب کر کے پکارا جائے وہ زیادہ قابلِ قدر و منزلت ہے۔ اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا ہے : ؎

لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَھَا

فَاِنَّہٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِیْ

وجہ نمبر ۹ : ہر ایک نبی کا معجزہ ختم ہو گیا ہے (یعنی اب اُس کی کوئی نشانی پائی نہیں جاتی) لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ، جو قرآنِ عظیم کی صورت میں ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

وجہ نمبر ۱۰ : نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پتھر بھی سلام عرض کرتے تھے۔ ستونِ حنانہ نے آپ کے فراق میں گریہ و زاری کی۔ ایسے امور کسی دوسرے نبی کے لیے ثابت

نہیں ہیں۔

وجہ نمبر ۱۱: آپ کے معجزات میں سے کتنے ہی معجزے ایسے ہیں جو دوسرے انبیائے کرام کے معجزات سے زیادہ واضح ہیں اور اُن میں زیادہ اعجاز پایا جاتا ہے۔ مثلاً: آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی جاری ہونا۔ یہ پتھر سے پانی بہہ نکلنے کی نسبت عادت کے زیادہ خلاف ہے کیونکہ بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے پانی نکلتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی بہہ نکلنے والا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے چشمے جاری ہونے والے معجزے سے زیادہ فضیلت وعظمت رکھتا ہے۔

وجہ نمبر ۱۲: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مادرزاد اندھوں کو شفا دی جبکہ اُن کی آنکھیں اپنے مقام پر قائم تھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی آنکھ کو درست فرما دیا جو باہر نکل کر رخسار پر لٹک رہی تھی۔ اس میں دو طرح اعجاز ہے۔ ایک اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے بعد آنکھ کو اُس کی اصلی جگہ پر لگا دینا۔ دوسرے بینائی کا ختم ہو جانے کے بعد واپس لوٹ آنا۔

وجہ ۱۳: جن مُردوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زندہ فرمایا یعنی کفر سے نکال کر ایمان کی دولت سے مالا مال کیا یہ اُس اعجاز پر فضیلت رکھتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جسمانی مُردوں کو زندہ کیا تھا، کیونکہ جسمانی زندگی اور ایمانی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

وجہ نمبر ۱۴: اللہ تعالیٰ ہر ایک نبی کے لیے اُس کی اُمت کے اعمال، اقوال اور احوال کے مطابق اجر و ثواب لکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت تمام اہل جنت کا نصف ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ نے یہ بتایا ہے کہ اُمتِ محمدیہ سب سے بہتر اُمت ہے جو لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہے۔ یہ باقی اُمم سے اِس لیے بہتر ہے کہ معارفِ الٰہیہ اور اچھے احوال، اقوال اور اعمال سے متصف ہے۔ پس کوئی معرفت، کوئی حالت، کوئی عبادت، کوئی قول اور فعل جو قرب الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے اور جس کا راستہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا اور اُس کی دعوت دی، ایسا نہیں مگر اُس پر عمل کرنے والے کو جتنا ثواب ملتا ہے اُتنا سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملتا رہتا ہے کیونکہ فرمانِ رسالت ہے:۔
...ت کی جانب لوگوں کو بُلائے تو اُسے اِس (تبلیغ و تذکیر) کا ثواب ملے گا اور جتنے اشخاص

قیامت تک اُس پر عمل کریں گے اُن کے ثواب کے برابر بھی اُسے ثواب ملتا رہے گا۔ خا
کہ کثرتِ ثواب کے لحاظ سے آپ جتنے مرتبے کو کوئی نبی نہیں پہنچ سکا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مخلوق ساری اللہ تعالیٰ کا عیال (بلحاظ رحم
ہے۔ اُسے سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو اُس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچاتے۔ جب رسول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آدھے جنتیوں کو نفع پہنچایا ہے اور دیگر تمام انبیائے کرام نے
نصف کو، تو بارگاہِ الٰہی میں آپ کا مرتبہ آپ کے نفع کے اعتبار سے ہوگا۔ نیز اُمتِ محمد
جتنے بھی عارف ہیں اُن کی معرفت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی
ملے گا، جو آپ کے معارف کی جانب منسوب ہوں گے اور اُمتِ محمدیہ کے ہر صاحب حا
مطابق آپ کو ثواب حاصل ہوگا جو آپ کے ثواب میں ضم ہوتا رہے گا۔ نیز ہر صاحب
جو قُربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اُس کے ثواب کے مثل آپ کو حاصل ہوگا، جو آپ کے تبلی
کے کام میں شامل ہوتا رہے گا اور کوئی عمل ایسا نہیں جو قُربِ الٰہی حاصل کرنے کی غر
کیا جائے گا، خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، غلام آزاد کرنا، جہاد، بھلائی، نیکی، ذکرِ الٰہی، صـ
اور درگزر کرنا وغیرہ اعمال ہوں، اُن کے ہر عامل کے برابر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
اجر ملتا رہے گا اور آپ کے اپنے اعمال کے ساتھ شامل ہوتے رہیں گے۔

کوئی بلند درجہ اور رُتبۂ عالی ایسا نہیں جو صرف کسی اور کو حاصل ہو، چونکہ
بتانے کے باعث حاصل ہُوا ہے لہٰذا آپ کو بھی اُس کے مثل ملے گا جو آپ کے مرتبے میں
ہوتا رہے گا اور آپ کے لیے یہ دُگنا اِس طرح ہو جاتا ہے کہ اُمت سے جس کسی نے دو
ہدایت کی یا نیکی کا راستہ بتایا، تو اُس کے مثل آپ کو بھی اجر ملے گا اور آپ کے در
میں ضم فرمایا جائے گا اور یہ اجر آپ کے لیے اِس صورت میں دُگنا ہو جاتا ہے جب
اُمتی راہِ ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے یا کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرتا تو جتنے آدمی اُس
عمل کریں گے اُن کے مثل بتانے والے کو اجر ملے گا اور ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجر اِس طرح دُگنا ہو جائے گا کہ اُن سارے عمل کرنے
ہدایت و دلالت کرنے والوں کے برابر آپ کو اجر ملے گا کیونکہ سب سے پہلے تو

لت فرمائی اور اُس مبلغ تک وہ حکم آپ کے ذریعے پہنچا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شبِ اسریٰ میں اسی لیے تو گریہ فرمایا تھا اُن کی اُمت سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت زیادہ تعداد میں جنّت کے اندر ل ہوگی۔ اُنھیں رشک آیا تھا، حسد کے طور پر نہیں روئے تھے جیسا کہ بعض جہلاء کو وہم ہے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا مرتبہ حاصل نہ کر سکے، اِس بات پر افسوس ا اور رونے لگے۔

بہ نمبر ۱۵: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی کو خاص اُسی کی قوم کی جانب بھیجا لیکن ہمارے نبی محترم، سم، تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنّوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ بی کو اپنی اُمت کے مطابق تبلیغ کرنے کا ثواب ملے گا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب کے مطابق ثواب ملے گا جن کی جانب آپ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ کبھی آپ کو غ کرنے کا ثواب ملے گا اور کبھی اُس کا سبب بننے پر۔ اِسی احسان وانعام کے بارے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا۔ ؎ اور ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈر سُنانے بھیجتے۔

رتِ احسان یہ ہے کہ اگر ہر گاؤں اور شہر میں ایک ایک نبی بھیج دیا جاتا تو نبی کریم صلی اللہ الیٰ علیہ وسلم کو اپنی تبلیغ کے مطابق ہی اجر اور مرتبہ ملتا کہ جتنا ایک گاؤں کی تبلیغ پر سروں کو ملا تھا۔

ہ نمبر ۱۶: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور اور مقدس وادی میں کلام ا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ سے اُوپر مقامِ اعلیٰ میں ہمکلامی کا رف بخشا۔

ہ نمبر ۱۷: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دنیا والوں میں سب سے

؎ پ ۱۹، سورۂ الفرقان، آیت ۵۱

آخری اور قیامت میں سب سے پہلے ہیں۔ ساری مخلوق سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور سب سے
پہلے جنت میں ہم داخل ہوں گے۔

وجہ نمبر ۱۸ : نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جیسے اپنی سیادت کا مطلق ذکر فرمایا ہے اسی طرح
قیامت کے ساتھ مقید بھی کیا ہے، مثلاً فرمایا: میں قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار
ہوں اور سب سے پہلے میں روضۂ انور سے باہر تشریف لاؤں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت
کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

وجہ نمبر ۱۹ : سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ساری
مخلوق میری جانب راغب ہوگی، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

وجہ نمبر ۲۰ : آپ نے وسیلہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ایک مقام ہے۔ اُس
حقدار اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ایک کو قرار دے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں
پس جو میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اُس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو جائے گی۔

وجہ نمبر ۲۱ : فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب
کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ فضیلت کسی بھی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔

وجہ نمبر ۲۲ : آپ کو جنت میں کوثر اور محشر میں حوض مرحمت فرمانے کا وعدہ ہو چکا ہے

وجہ نمبر ۲۳ : سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُ
ہم زمانے کے لحاظ سے آخری اور مناقب و محاسن کی رُو سے سب پر سبقت لے جانے والے ہیں

وجہ نمبر ۲۴ : نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے (اور آپ کی اُمت کے لیے) غنیمت
مال حلال ٹھہرایا گیا، جو آپ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ٹھہرایا گیا۔ اُمتِ محمدیہ کی صفیں
صفوفِ ملائکہ کی طرح بنائی جائیں گی۔ ساری زمین آپ کے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی
یہ فضائل آپ کی بلند و بالا قدر و منزلت پر دلالت کرتے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۵ : اللہ جل شانہٗ نے آپ کے اخلاقِ عالیہ کی مدح فرمائی ہے کہ: اِنَّكَ لَعَلٰى
خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے)۔ بڑوں کا کسی کو بڑا سمجھنا اُس کی
انتہائی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو سب بڑوں سے بڑا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اگر وہی

...ر کی عظمت بیان کرے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ شئے کس قدر عزت وعظمت کے لائق ہوگی۔

...جہ نمبر ۲۶ : اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وحی کی جملہ اقسام میں
...لام فرمایا اور وہ قسمیں تین ہیں :

۱۔ رؤیائے صادقہ

۲۔ کلام بغیر واسطہ

۳۔ وحی بذریعہ جبرئیل علیہ السلام۔

...جہ نمبر ۲۷ : نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب (قرآنِ کریم) میں توریت ، زبور اور ...یل کے تمام علوم موجود ہیں اور طوالِ مفصّل (لمبی سورتوں) کے ذریعے آپ فضیلت دیے گئے ہیں ۔

...جہ نمبر ۲۸ : آپ کی اُمت کے عمل پہلے لوگوں سے کم (عمریں کم ہونے کے باعث) اور ثواب ...یادہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔

...جہ نمبر ۲۹ : اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا فرمائیں اور پوچھا کہ نبی بادشاہ ...ا چاہتے ہو یا نبی عبد؟ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو انھوں نے یہ مشورہ ...یا کہ عاجزی اور تواضع اختیار فرمائیے۔ آپ بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے : اے پروردگار! ...ں نبی عبد رہنا چاہتا ہوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا ...ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور جب سیر ہو کر کھاؤں تو اس کا شکر ادا کروں۔ نبی کریم ...لی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں رہنا پسند فرمایا جس کے ذریعے ہر وقت اور ہر ...حالت میں خواہ تنگی ہو یا آسائش ، راحت ہو یا مصیبت ، اللہ جلّ شانہٗ کی طرف متوجہ رہیں۔

وجہ نمبر ۳۰ : اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب جہانوں کے لیے ...رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی اُمت کے نافرمانوں کو مہلت دی اور ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی ...ہ کی اور انھیں باقی رکھا۔ اس کے برعکس دوسرے انبیائے کرام کی اُمتوں نے جب اپنے ...بیوں کو جھٹلایا تو جلد ہی مبتلائے عذاب ہو جاتے تھے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلم ، عفو ، صبر ، درگزر کرنا ، شکر گزاری

اور نرمی میں اخلاقِ عالیہ بہت ہی بلند تھا۔ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لیے غصہ نہیں فرمایا۔ آپ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔ جو کچھ آپ کے خشوع و خضوع کے بارے میں منقول ہے کہ: کھانے، پہننے، پینے، رہنے سہنے، حُسنِ معاشرت، پاکیزہ عادات اُمت کی بھلائی چاہنا، اقرباؐ کے ایمان لانے کی حرص، رسالت کی ذمہ داریوں کو نبھانا، مسلمانوں پر مہربانیوں کا سلسلہ جاری رکھنا، کافروں پر سختی دکھانا، اللہ کے دین کی اعانت و نصرت کے لیے بھرپور کوشش کرنا، کلمۂ حق کا بلند کرنا، متوطن اور غریب الدیار ہونے کی صورتوں میں اپنی قوم اور دوسروں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا، ان میں سے بعض مناقب کلامِ الٰہی میں مذکور ہیں اور بعض کتبِ سیر میں مرقوم و محفوظ ہیں۔ آپ کی نرمی کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۔[1] تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے اے محبوب! کہ تم اُن کے لیے نرم دل ہوئے۔

کافروں پر سختی فرمانے اور اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔[2]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔

آپ اِس امر کے بیحد خواہشمند رہتے تھے کہ لوگ ایمان کی دولت سے مالامال ہو کر اُمتِ محمدیہ کے زمرے میں شامل ہوتے چلے جائیں۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ان جذبات کو سراہتے ہوتے یوں ذکر فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے، تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے

---

[1] پ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۵۹

[2] پ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۲۹ ۔

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[1] تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

آپ نے فریضۂ رسالت کو کما حقہٗ اور انتہائی خوش اسلوبی سے انجام کو پہنچایا، جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُوْمٍ[2] تو اے محبوب! تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں۔

اگر (بفرضِ محال) آپ سے کوتاہی متصور ہوتی تو ملامت سے بری الذمہ قرار نہ دئے جاتے۔

وجہ نمبر ۳۱: اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو عادل حکام کا مرتبہ مرحمت فرمایا ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا (بروز حشر) فیصلہ کرے گا اور پہلی اُمتیں تبلیغ رسالت کا انکار کریں گی تو اُمتِ محمدیہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ یہ گواہی دیں گے کہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اِن لوگوں تک احکامِ خداوندی پہنچا دیئے تھے۔ یہ خصوصیت کسی دوسرے نبی کے لیے ثابت نہیں ہوئی۔

وجہ نمبر ۳۲: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ فرما دیا ہے۔ پس وہ گمراہی پر کسی بھی بنیادی یا فرعی بات میں اتفاق نہیں کر سکتے۔

وجہ نمبر ۳۳: اللہ جل شانہٗ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب (قرآنِ کریم) کو محفوظ فرما دیا ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اکٹھے ہو کر بھی کوشش کریں کہ اِس میں ایک کلمے کی کمی یا زیادتی کرنی ہے تو یقیناً وہ ایسا کرنے سے عاجز رہیں گے حالانکہ توریت و انجیل میں جو تبدیلی واقع ہوئی وُہ کسی پر مخفی نہیں۔

وجہ نمبر ۳۴: فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت سے اگر کسی کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ پردہ اُس پر بھی ڈالتا ہے۔ پہلی اُمتوں میں اگر قُربِ الٰہی حاصل کرنے کی خاطر کوئی قربانی پیش کرتا، تو اُس کی قبولیت کا ثبوت یہ ہوتا کہ

---

[1] پ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸

[2] پ ۲۷، سورۃ الذّٰریٰت، آیت ۵۴

آسمان سے ایک آگ ظاہر ہوتی اور اُس قربانی کے گوشت کو کھا جاتی، لیکن جس کی قربانی نا منظور ہوتی اُسے آگ اُسی طرح چھوڑ جاتی اور وُہ شخص سب کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا۔
اسی لیے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1] اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے رحمت عطا فرمائی گئی ہے اور مَیں رحمتوں والا نبی ہُوں۔

وجہ نمبر ۳۵: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوامع الکلم عطا کر کے مبعوث فرمایا تھا کہ تھوڑے سے لفظوں میں بڑی بڑی باتوں کو کُوزے میں سمندر کی طرح سمو دیا کرتے تھے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت پر فصحائے عرب کا اتفاق ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوعِ بشر کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اسی طرح آسمانی مخلوق یعنی فرشتوں کے برگزیدہ مرسلین پر بھی آپ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ افضل البشر ملائکہ سے افضل ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، وہی
اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۔[2] تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

کیونکہ فرشتے بھی بَرِيَّة کے زُمرے میں شامل ہیں اور اِس سے مراد مخلوق ہے۔ یہ لفظ بَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی اختراع کرنا یا ایجاد کرنا ہے، جبکہ فرشتے مذکورہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں شامل نہیں ہیں۔ حالانکہ وُہ بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ لغت میں عرف کے طور پر نوعِ بشر سے ایمان لانے والوں کے ساتھ مختص ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اِس لفظ کا اطلاق کرتے وقت ہر کسی کا ذہن اِسی طرف جاتا ہے۔
اگر یہ کہا جائے کہ لفظ اَلْبَرِيَّة تو اَلْبَرَا سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مٹی ہے۔
تب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے وُہ ساری

---

[1] پ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷ [2] پ ۳۰، سورۂ البیّنۃ، آیت ۷

خاکی مخلوق سے بہتر ہیں۔ اِس کا جواب دو طرح دیا جاتا ہے:

۱۔ ماہرینِ لغت نے لفظ اَلْبَرِیَّۃ کو بغیر ہمزہ (مذکورہ) کے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ اہلِ عرب کا دستور ہے۔

۲۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ نافع نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ لہٰذا دونوں قرأتوں کی صورت میں یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اگر ایک کی رُو سے دیکھیں تو مومنین صالحین کی جملہ نوعِ بشر (ماسوائے انبیائے کرام) پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری قرأت کو اگر ترجیح دیں تو ساری مخلوق پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جب یہ امر ثابت شدہ ہے کہ فضیلت والے بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام مومنین صالحین سے افضل ہیں جیسا کہ افضلیتِ انبیائے کرام کے بارے میں اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ[1] اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔

اِس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیائے کرام تمام انسانوں اور فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ فرشتے بھی عالمین کے زُمرے میں آتے ہیں، خواہ العالمین کو اَلْعَالَم سے مشتق مانا جائے، یا اَلْعَلَامَۃ سے، دونوں صورتوں میں نتیجہ یہی سامنے آتا ہے اور جب انبیائے کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ اِس لحاظ سے ملائکہ پر انبیائے کرام کی برتری ہونے کے باعث فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرشتوں سے دو درجے افضل اور دو رُتبے اعلیٰ ہوتے۔ اِسی لیے آپ کے منصبِ رفیع کی عظمتوں کا شناسا کوئی نہیں، ماسوائے اُس ذاتِ وحدہٗ لاشریک کے جس نے خاتم الانبیاء وسیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں اور جہان والوں پر فضیلت نامہ مرحمت فرمائی ہے۔ یہ صرف اشارے ہیں جو اہلِ عقل و دانش کے لیے کافی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اِس فضل و کرم کے طلبگار ہیں کہ ہمیں نبیِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت، طریقے اور ظاہری و باطنی

---

[1] پ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۸۶

اخلاق میں آپ کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں اپنے حبیب کی جماعت میں اور مددگاروں میں شامل فرمائے۔ والحمد للہ وحدہٗ وصلوٰتہ علیٰ خیر خلقه محمد واٰلہٖ و صحبه وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ہ یہاں امام عزّ بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ اُن کے لفظوں میں ختم ہو گیا۔ والحمد للہ۔

عرضِ مُترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ہ کہ یہ ناچیز اپنی علمی بے مائیگی اور دائم المریض ہونے کے باوجود آج جواہر البحار شریف کے ترجمے کی پہلی جلد سے فارغ ہو گیا۔ باری تعالیٰ شانہٗ اپنے حقیر بندے کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اسے میرے لیے کفارۂ سیئات، ذریعۂ نجات اور توشۂ آخرت بنائے۔ اٰمین یَا اِلٰہَ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

خاکپائے علماء: عبدالحکیم خان اختر
شاہجہان پوری مجددی مظہری
دار المصنفین۔ لاہور

۸۔ ربیع النور ۱۳۹۵ھ
۲۲۔ مارچ ۱۹۷۵ء

کچھ اس ترجمے کے بارے میں

۱۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) اکابرِ اُمت کے فرمودات گرامی قارئین تک عربی زبان میں پہنچانا چاہتے تھے ہم نے اُس مفہوم سلیس اور عام فہم اُردو میں پیش کرنے کا بساط بھر اہتمام رکھا اور بلفظہٖ ترجمہ کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

۲۔ ہر زیرِ بحث آیت کا نیچے حاشیے میں حوالہ درج کر دیا ہے جبکہ اصل کتاب میں کوئی نہیں ہے۔

۳۔ آیات درج کر کے اُن کا ترجمہ مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ ترجمۂ قرآنِ کریم یعنی کنزالایمان سے پیش کیا ہے کیونکہ اُردو زبان میں یہ سب سے صحیح اور عدیم النظیر ترجمہ ہے۔

۴۔ جن عبارات جواہر البحار کی مناظرین اور واعظین کو ضرورت پڑتی ہے ایسی عبارتیں من و عن نقل کر کے بالمقابل اُن کا اُردو ترجمہ پیش کر دیا ہے۔

۵۔ مضامین کی مطابقت کے لحاظ سے حسبِ موقع حاشیے میں بعض نعتیہ اشعار پیش کر دیے

۶۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق حفظِ مراتب کا پورا لحاظ رکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ معاصرین کی اکثر تصانیف اِس میدان میں افراط یا تفریط کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔

خادم العلم والعلماء: اختر شاہجہانپوری مظہری
لاہور

قطعاتِ تاریخِ طباعت

(۱)

(از رشحاتِ خامہ ، مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہ العالی۔ حیدر آباد)

رُوئے کتابِ اخترِ تاباں ہے سامنے — ذکرِ رُخِ حسینِ سحر ہے فضول آج

گلدستۂ جمیل ہے بے مثل ترجمہ — غُنچہ ہر ایک حرف ہے ، ہر لفظ پھول آج

واللہ تیرے طرزِ نگارش کو دیکھ کر — ہے سربلند اہلِ قلم کا اصول آج

نکلا ہُوا قلم سے ترے ایک ایک حرف — اخترؔ ہے ہمکنارِ عروسِ قبول آج

ہیں اِس کو پڑھ کے شاد غلامانِ مصطفیٰ — نجدی کی ذرّیت ہے نہایت ملول آج

کیا ساعتِ سرور ہے اخترؔ زہے نصیب — کِس مصرعۂ حسین کا ہُوا ہے نزول آج

تاریخِ طبع کتنی مبارک ہے دیکھنا

ہے آئی بادِ باغِ جمالِ رسُول آج

۱۳ ھ ۹۵

(۲)

از نتیجۂ فکر جناب شریف احمد صاحب شرافت نوشاہی
سجادہ نشین ساہن پال شریف۔ ضلع گجرات

این کتاب جواہر است بحار — در کمالاتِ دیں بلند مقام

از مساعیِ حضرت اختر — صاحبِ علم و فضل وا اسلام

ہست این گوہرِ گران مایہ — بہرِ طُلّابِ حق خجستہ کلام

چون شرافت ز سالِ طبعش جُست

گفت ہاتف ، کتابِ فخرِ انام

۱۳ ھ ۹۵

تصانیفِ ابنِ اختر شاہجہانپوری

- تحفۂ نصاریٰ (ردِّ عیسائیت وحقانیتِ اسلام) (طبع اوّل ختم ہے)
- اعلیحضرت بریلوی کا فقہی مقام (")
- معارفِ رضا (جلد اوّل) (مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ کا تجدیدی کارنامہ) زیرِ طبع
- معارفِ رضا (جلد دوم) (مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ کا تجدیدی کارنامہ)
- معارف رضا (جلد سوم) (" " ") "
- معارف رضا (جلد چہارم) (" " ") "
- تجلیاتِ امام ربانی — حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تعلیمات "
- تجلیاتِ مظہر اللہ — حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات "
- کھُلا خط — مسئلہ تکفیر کا منصفانہ حل "
- تذکرہ امام اعظم — شانِ امام اعظم بزبانِ اکابر "
- اردو ترجمہ جواہر البحار (جلد اول۔ حصہ اول)
- گنجینۂ انوار — مجموعۂ مقالات ومضامین "
- رحمت (سوانح میاں رحمت علی علیہ الرحمہ) "

ہماری مطبوعات

خون کے آنسو (مکمل ۲ حصے)

مختلف مذاہب کے ہوتے ہُوئے حق مذہب کی پہچان، اور شک وشبہ کے دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم کی رہبری۔

مصنف: مولانا مشتاق احمد نظامی خطیبِ مشرق

قیمت: ۵۰ء۶، ۵۰ء۱۰، ۱۲ روپے

مسلک امام ربّانی

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو غلط رنگ دینے والوں کے مُنہ پر زوردار طمانچہ۔

مصنف: مولانا سعید احمد صاحب

قیمت: ۹ روپے

تسکین الخواطر

حاضر و ناظر کے مسئلہ پر مدلّل بحث

مصنف: مولانا احمد سعید صاحب کاظمی

قیمت: ۶ روپے

المعتقد المنتقد مع المستند المعتمد (عربی)

علمِ عقائد میں بے مثال کتاب جو علماء کے لیے سرمایہ حیات و راحتِ جان ہے۔

مصنف: مولانا الشاہ فضل الرسول القادری رحمۃ اللہ علیہ

شارح: مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: مجلد ۱۲ روپے، غیر مجلد ۵۰ء۶ روپے

جواہر البیان فی اسرار الارکان

ارکانِ خمسہ کی حکمتیں جن کو اعلیحضرت محمد احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم نے بیان فرمایا۔

قیمت: ۵۰ء۶ روپے

رسائل رضویہ (حصہ اول)

اعلیحضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے بلند پایہ چھ رسائل کا مجموعہ جو پاکستان میں پہلی دفعہ شائع ہُوا۔ قیمت: ۱۸ روپے

مکتبہ حامدیہ — گنج بخش روڈ — لاہور

اردو ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

جلد اوّل

حصہ اوّل

مصنفہ:-

حضرت علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

استاذ العلماء حضرت علامہ مولینا غلام رسول صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائلپور

رئیس التحریر جناب محمد عبد الحکیم صاحب اختر شاہجہان پوری مظہری لاہور

ناشر

مکتبہ حامدیہ - گنج بخش روڈ ○ لاہور